معوذتین کے مضامین واہداف اور غلط فہمیوں کا ازالہ

تالیف
جمشید عالم عبد السلام سلفی

ناشر
مکتبۃ السلام
انتری بازار، شہرت گڑھ، سدھارتھ نگر، یوپی (انڈیا)

نام کتاب.................. معوذتین کے مضامین واہداف اور غلط فہمیوں کا ازالہ

تالیف.................................... جمشید عالم عبد السلام سلفیؔ

ناشر........... مکتبۃ السلام انتری بازار، شہرت گڑھ، سدھارتھ نگر، یوپی، انڈیا

کمپوزنگ.. ابو معاذ سلفیؔ

سن طباعت.. دسمبر ۲۰۲۱ء

تعداد اشاعت.. ایک ہزار

تعداد صفحات... ۲۴۸

قیمت.. ۱۸۰ روپے

ملنے کا پتہ

مکتبۃ السلام

انتری بازار، شہرت گڑھ، سدھارتھ نگر، یوپی، انڈیا

فہرست مضامین

❀❀❀

حرفِ آغاز

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ خير خلقه محمد و علىٰ آله و صحبه أجمعين و من تبعهم بإحسان إلىٰ يوم الدين. أما بعد :

قرآن کریم میں اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا :

﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا﴾ ”بے شک یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے، جو سب سے سیدھا ہے اور ان مومنین کو بشارت دیتا ہے، جو صالح عمل کرتے ہیں کہ بے شک ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔“ [الإسراء:۹]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ))”تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے، جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔“ [صحیح بخاری : ۵۰۲۷]

قرآن کریم فصاحت و بلاغت سے پُر ایک جامع و کامل کتاب ہے، جو علوم و معانی کا سرچشمہ، رشد و ہدایت کا گنجینہ، نیکی و بھلائی کا خزینہ، علم و دانائی کا ذخیرہ، حکمت و دانش اور بصائر و عِبر کا دفینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہر طرح کا علم فراہم کر رکھا ہے، مگر ان علوم کا مکمل احاطہ کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء والرسل ہیں اُسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ یہ کتاب قرآن عظیم بھی خاتم الکتب ہے۔ یعنی اس کتاب نے پچھلی تمام آسمانی کتابوں مثلاً توریت، زبور، انجیل اور صحفِ ابراہیم و موسیٰ وغیرہ کے احکام و فرامین کو منسوخ کر دیا ہے۔ اس کتابِ مبین کے اندر فتح و ظفر، فوز و فلاح، کامیابی و کامرانی، نجات و سلامتی، رحمت و شفا اور ترقی و ارتقا کا راز پنہاں ہے۔ یہ

کتاب حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی، راہِ راست سے بھٹکے مسافر کو صراطِ مستقیم پر لانے والی، زنگ آلود دلوں کو تابناک بنانے والی، دلوں کی کایا پلٹنے والی، گھٹاٹوپ ظلمات کو ضیا گُستر کرنے والی اور اپنے پڑھنے والوں کے لیے یومِ جزا سفارش کرنے والی ہے۔ یہ کتاب بدمزاج کو بذلہ سنج، تُند خو کو خوش طبع، پست ہمت کو حوصلہ مند، بدطینت کو خوش خصال، بداختر کو اقبال مند اور بدخُلق کو خلیق و باکردار بنانے والی ہے۔ اس کی عظمت و وقعت اور فوقیت و برتری کا کیا کہنا؟ یہ ہر اعتبار سے محکم و مفصل، کامل و مکمل اور تمام طرح کے عیوب و نقائص سے پاک و منزہ ہے۔ اکنافِ عالم میں کہیں اس کی نظیر نہیں ملتی اور آج تک کسی فردِ بشر سے اس کے مماثل کیا اس کے قریب تر بھی ایک آیت نہ بن پائی ہے اور نہ قیامت کی صبح تک بن پائے گی۔ إن شاء الله

آج پوری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی اور حفظ کی جانے والی کتاب یہی قرآن عظیم ہے اور یہ امتیاز کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہے، جو اس کی عظمت و وقعت کی واضح دلیل ہے۔ قرآن کریم کو یہ عظمت و سربلندی کیوں نہ حاصل ہو؟ جب کہ انسان اسے جتنی بار اور جتنا زیادہ پڑھتا ہے، وہ اُتنا ہی زیادہ اس کی حلاوت و چاشنی کو محسوس کرتا ہے، اسی طرح قرآن کریم اپنے پڑھنے والوں کے لیے خیر و بھلائی کے راستوں کو واضح کر دیتا ہے اور رشد و ہدایت سے فیض یابی کے لیے ان کے سینے کو کھول دیتا ہے۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ نبینا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی کا ایک زندہ و جاوید معجزہ ہے۔ ویسے تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوٹے بڑے بہتیرے آیات و بینات اور معجزات عطا کیے گئے تھے، مگر ان میں سب سے اعلیٰ و ارفع اور ممتاز و نمایاں معجزہ قرآن کریم ہے، جو اپنی دل کش فصاحت، حیرت انگیز بلاغت، قوتِ استدلال، حسنِ بیان، ندرتِ اسلوب، تعیینِ حقائق اور حلِ مسائل میں بے نظیر و بے مثال ہے۔

اہلِ عرب جنھیں اپنی فصاحت وبلاغت اور طلاقت ولسانت پر بڑا ناز تھا، اور کیوں نہ ہو؟ جب کہ وہ قوم اپنی مافی الضمیر پر پوری طرح قادر، پُرزور مقرر اور بلند پایہ شاعر تھی اور اپنی قادر الکلامی کے سامنے پوری دنیا کو عاجز و گونگا سمجھتی تھی، مگر پھر بھی اس قوم نے قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور اس کے چیلنج کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے۔ قرآن کریم کی عظمت و وقعت، صداقت و حقانیت اور اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی یہ ایک مُسکِت اور بیّن دلیل ہے کہ آج سے تقریباً چودہ صدیاں پیش تر عرب و عجم کے تمام کافروں اور دنیا کے تمام فصحا وبلغا کو چیلنج دیا گیا کہ وہ اس جیسا کلام بنالائیں، مگر اس کا جواب دینے سے ساری دنیا کے فصحا و بلغا عاجز و قاصر رہے اور یقیناً اِن شاء اللہ تا قیامت عاجز رہیں گے۔

قرآن کریم جہاں اپنی دل کش فصاحت، حیرت انگیز بلاغت، قوتِ استدلال، حسنِ بیان اور ندرتِ اسلوب کے لحاظ سے معجزہ ہے، وہیں اپنی پیشین گوئیوں اور غیبی اخبارات کے بیان، بے مثال ہدایت ورہنمائی، ایجاز واختصار، معانی و مطالب میں وسعت، جامعیت و کاملیت، ہر دور کی ذہنیت و عقلیت کی موافقت اور غلط و بے بنیاد افکار و نظریات کے خلاف حجت و برہان کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے۔

قرآن کریم کے موضوعات میں کافی وسعت و تنوع پائی جاتی ہے، مگر اس قدر وسعت و تنوع کے باوجود باہم کسی طرح کا کوئی تضاد نہیں پایا جاتا ہے، حسنِ ترتیب و تنسیق اور مضبوط بندش وتراکیب میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ الفاظ و معانی میں یگانگت و یکسانیت پائی جاتی ہے، ایسا نہیں ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت نہایت بلیغ ہے اور اس کے بالمقابل دوسری آیت بلاغت وفصاحت سے گری ہوئی ہے، کوئی لفظ خوب فصیح ہے اور وہیں دوسرا لفظ غیر فصیح ہے اور کوئی عبارت دوسری عبارت کی بہ نسبت بلاغت کے اعلیٰ معیار پر قائم ہے، بلکہ ان میں مکمل یکسانیت پائی جاتی ہے، ہر آیت و عبارت مقتضائے حال کے مطابق ہے اور ہر لفظ اپنی جگہ پر نہایت ہی

مناسب اور وسعتِ معانی کے ساتھ ہم آہنگ ہے، اس طرح کہ اگر اسے وہاں سے ہٹا دیا جائے تو کلام کی شان اور رونق ختم ہو جائے گی، یہی حال پورے قرآن کریم کا ہے۔

قرآن کریم ہی وہ عظیم و متبرک کتاب ہے، جو ہر طرح کی تحریف و تغییر سے محفوظ و سالم ہے، اس میں باطل افکار و نظریات کے داخل ہونے کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں ہے۔ نزولِ قرآن سے قبل رشد و ہدایت کے لیے پچھلی امتوں کو بھی کتابیں دی گئی تھیں، لیکن شرف و محفوظیت کا جو مقام قرآن کریم کو حاصل ہوا، وہ شرف دیگر اور آسمانی کتابوں میں سے کسی اور کتاب کے حصے میں نہیں آیا۔ قرآن کریم کو اہلِ ہوس کے تغیر و تبدل سے بچانے کی ذمہ داری خود ربِّ ذوالجلال نے لے رکھی ہے۔ ویسے قرآن کریم میں تحریفِ معنوی کے مرتکب اس امت کے بہت سے طبقے ہوئے ہیں، یہ لوگ اپنے باطل افکار و نظریات اور فرسودہ عقائد و اعمال کے استدلال کے لیے آیاتِ قرآنی میں معنوی تحریف کرتے رہتے ہیں اور ان کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ کرتے رہیں گے، مگر علمائے حق کی ایک جماعت ان کے غلط استدلالات کی نشان دہی کرتی رہی ہے اور اِن شاء اللہ کرتی رہے گی۔

قرآن کریم کی آیات میں ایسی تاثیر و کشش ہے، جو دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیتی ہے، کان خود بخود اس کے سننے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اس کی تلاوت سے درشت و تند مزاج شخص میں محبت و مروت پیدا ہو جاتی ہے، اس کی آیات میں وہ کیف و سرور ہے، جس سے زنگ آلود دلوں کو بھی جِلا ملتی ہے، اس کی زبان شُستہ و شیریں اور نہایت پُر اثر ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے سورما اور سخت دل انسان بھی اس کے سامنے سَرنِگوں ہو گئے اور ان کے رگ و پے میں ایمان کی لہر دوڑ گئی۔ دورِ نبوی سے لے کر آج تک بہتیرے لوگ قرآن کریم کی حیرت انگیز نغمگی اور شیرینی سے متاثر ہوتے رہے ہیں اور اِن شاء اللہ ہوتے رہیں گے، اس لیے کہ اس کے اندر پیغامِ عبرت و نصیحت کے ساتھ ساتھ ایسی جاذبیت و کشش پائی جاتی ہے کہ بار بار اس کے سننے

سے طبیعت بو جھل نہیں ہوتی اور زبان اس کی تلاوت سے تھکتی نہیں بلکہ لطف اندوز ہوتی ہے، مزید یہ کہ بار بار پڑھنے اور سننے کے باوجود اس کی ندرت و نئے پن میں کمی نہیں محسوس ہوتی۔ انسان اگر اپنے قلب و ذہن کے دریچے وار کھ کر قرآن کریم کو عبرت کی آنکھوں سے پڑھے، نصیحت کے کانوں سے سنے، نصحیت پذیری والے دل اور سمجھنے والے ذہن و دماغ سے اس پر غور و فکر کرے تو دنیا و آخرت کی سعادت کے دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں، اور یہ روح پرور کلام اس کے قلب و ذہن کی گہرائیوں میں اتر کر اس کے اندر موجود کفر و معصیت اور ضلالت و گمراہی کی تمام آلودگیوں کو صاف کر دیتا ہے۔

دیدۂ دل سے تلاوت ہو اگر قرآن کی
قلب بن جائے گا مخزن دولتِ ایمان کا

قرآن کریم عربی زبان وادب کا ایک کامل و مکمل اور بلند ترین نمونہ ہے۔ قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل کرنے کی خاص حکمت و مصلحت بھی پائی جاتی ہے۔ اللہ رب العالمین کا یہ اصول رہا ہے کہ وہ ہر نبی کو اس کی قومی زبان میں بھیجتا رہا ہے تا کہ نبی اپنی قوم کے سامنے اللہ رب العالمین کے پیغام کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر سکیں، اور دنیا جانتی ہے کہ خاتم الانبیاء و المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایسی قوم میں ہوئی، جس کی مادری و قومی زبان عربی تھی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا کی فصیح ترین اور اپنے مافی الضمیر کو پوری طرح واضح کر دینے والی زبان بھی عربی ہی تھی، اس لیے اس افضلِ کتب کو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں نازل فرمایا تاکہ اس کے اولین مخاطب عربوں کو اس کے معانی و مفاہیم اور مطالب کو سمجھنے میں کسی بھی طرح کی مزاحمت نہ ہو، کوئی دقت و پریشانی سدِّ راہ نہ بنے اور وہ لوگ کسی بھی طرح کا اعتراض یا یہ عذر نہ بیان کر سکیں کہ رسول تو عربی ہیں اور یہ قرآن عجمی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ چناں چہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مختلف پیرائے میں ان باتوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ”قرآن کریم اپنی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے نہ صرف عربی زبان کو دوسری ساری زبانوں کی طرح مٹنے سے بچالیا، بلکہ مختلف لہجوں اور بولیوں کو ختم کر کے ایک ایسی میٹھی، دل نشین، مؤثر اور گھٹی ہوئی زبان کو جنم دیا، جو سب عربوں کی متحدہ اور متفقہ زبان بن گئی اور بعد میں جس کا دامن اتنا وسیع ہوا کہ علم و فن کے لیے بحرِ بیکراں بن گئی، پھر بھی قرآن ہی اس کی کسوٹی بنا، اور آج تک اس کا یہ امتیاز باقی ہے اور جب تک عربی زندہ اور روئے زمین پر ایک مسلمان بھی باقی ہے، ہمیشہ رہے گا۔“ [عربی ادب کی تاریخ ۲/۳۹]

قرآن کریم کی تلاوت ایک اہم عبادت ہے، اس کی تلاوت سے مومنین کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، ویسے تو قرآن کریم پوری دنیائے انسانیت کے لیے رشد و ہدایت کا بیش بہا تحفہ اور ابدی ہدایت نامہ ہے، مگر اس چشمۂ فیض سے صرف اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والے متقی و پرہیزگار بندے ہی فیض یاب و سیراب ہوتے ہیں، اس کی تلاوت جہاں سکونِ قلب کا باعث ہے، وہیں اس کی تلاوت کرنے والوں پر سکینت کا نزول ہوتا ہے، اللہ کی رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے اور رحمت کے فرشتے ان پر سایہ فگن ہوتے ہیں اور قاریِ قرآن کو قرآن کریم کے ہر ہر حرف پر ایک ایک نیکی دی جاتی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ ہر ہر نیکی کا اجر دس نیکیوں کے برابر ہوتا ہے، اس کی تلاوت کرنے والوں کے دلوں میں شیطان رسائی نہیں حاصل کر سکتا ہے، بلکہ جس گھر میں اس کی تلاوت کی جاتی ہے، شیطان وہاں سے دور بھاگتا ہے اور وہ گھر شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے، کثرتِ تلاوت سے انسان کے اندر قوتِ گویائی کا ملکہ اور طلاقتِ لسانی کا جوہر پیدا ہوتا ہے، استنباطِ مسائل میں عبور حاصل ہوتا ہے، پڑھنے والے کی زبان میں اگر لکنت ہے تو کثرتِ تلاوت سے یہ بھی دور ہو سکتی ہے، قرآن کریم کی تلاوت سے انسان کے اندر تدبر و تفکر کا حسین جذبہ بیدار ہوتا ہے اور اس کی معلومات اور حکمت و دانائی میں اضافہ ہوتا ہے، آخرت میں بھی جنت کے اندر قرآن کریم کے پڑھنے والوں کا درجہ دیگر

لوگوں سے بلند ہوگا اور انھیں بزرگ و پاک باز فرشتوں کی ہم نشینی حاصل ہوگی، قرآن کریم اپنے پڑھنے والوں کے حق میں سفارش کرے گا اور اس کی سفارش قبول بھی کی جائے گی۔ اس لیے اسے کثرت سے تلاوت کرنے، اس کے معانی و مفاہیم کو سمجھنے اور جہاں تک ہو سکے اسے ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر نہات ترنم اور خوش الحانی سے پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے، کیوں کہ ٹھہر ٹھہر کر اچھی آواز میں پڑھنا قلب و جگر پر اثر ڈالنے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

مگر یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم کی تلاوت اُسی وقت ہمارے حق میں نفع بخش ہو سکتی ہے، جب ہم قرآن کریم کی روشن تعلیمات اور اس کے مطالبات و مقتضیات پر عمل پیرا ہوں گے اور اس کے اوامر و نواہی کے پابند ہوں گے، ورنہ پھر قرآن کریم اپنے پڑھنے والوں کے خلاف حجت ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ)) "قرآن تمھارے حق میں حجت ہے یا تمھارے خلاف حجت ہے۔" [صحیح مسلم : ۲۲۳]

یعنی اگر ہم اس کی تلاوت کریں گے اور اس پر عمل پیرا ہوں گے تو یہ ہمارے لیے نفع بخش ہوگا اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو یہ ہمارے خلاف حجت ہوگا۔

آج ہمارے معاشرے میں طرح طرح کی برائیاں جنم لے چکی ہیں، ہر چہار جانب ظلم و تعدی اور فسق و فجور کا بازار گرم ہے، انسانیت بے راہ روی کے آخری دہانے پر قدم رکھ چکی ہے، عریانیت و فحاشی اور بدکاری و بدکرداری اپنی آخری حدود کو پہنچ رہی ہے اور اخلاقِ حسنہ کی جگہ اخلاقِ رذیلہ نے لے رکھی ہے۔ موجودہ دور میں جہاں اعتقادی بدعات و خرافات کا دور دورہ ہے وہیں حقوق و معاملات کا بھی فقدان ہے، جس کی وجہ سے ہم قعرِ مذلت کی اتھاہ گہرائی میں گر چکے ہیں۔ اور ان سب کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آج ہم نے قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی روشن تعلیمات پر عمل پیرائی کو پسِ پشت ڈال دیا ہے، دینی امور و معاملات کی انجام دہی سے

کنارہ کش ہو چکے ہیں، مطلوبِ رب، اوامر ونواہی کی پابندی تو دور کی بات قرآن کریم کی تلاوت بھی ہم پر گراں ہے، ہم تو فحش لٹریچر اور مخرب اخلاق رسائل وجرائد کے مطالعہ کے عادی ہو چکے ہیں، بلکہ یہی ہمارا محبوب مشغلہ بن چکا ہے، قرآن کریم جو ہمارے لیے سراپا رشد وہدایت کا باعث تھا ہم نے اس کی تلاوت کرنا اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا ترک کر دیا ہے۔

قرآن کریم کا بنیادی مقصد ہدایت حاصل کرنا ہے اور آج ہم قرآن کریم کے اسی بنیادی مقصد کو چھوڑ بیٹھے ہیں، عوام کے ساتھ ساتھ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کا طبقہ بھی اس جرمِ عظیم کا شکار ہے، قرآن کریم کا اعلان ہے کہ یہ ایک آسان کتاب ہے، مگر ہم نے اس کو مشکل بنا دیا ہے، اپنی مسلکی منافرت کی دیوار کو مضبوط بنانے کے لیے لوگوں کو براہِ راست قرآن کریم سے مستفیض وسیراب ہونے سے روکتے ہیں، رشد وہدایت سے معمور اس آسان ترین کتاب کو ہم نے عوام کے سامنے مشکل بنا کر پیش کر رکھا ہے، ایک معمولی پڑھا لکھا شخص بھی اگر تلاوتِ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ اس کے ترجمہ کو پڑھے اور اس کے معانی ومفاہیم پر غور وفکر کرے تو وہ ضرور اس کی آفاقیت سے عبرت پذیر ہو گا، ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ اس سے احکام ومسائل کا استنباط کرے، مگر اتنا ضرور عرض کرنا چاہیں گے کہ یہ بھی ضروری ہے کہ انسان اپنے رب کے فرمان کو سمجھے اور اس پر غور وتدبر کرے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا مطالبہ کر رہا ہے؟ اور ہم اس سے کتنا عہدہ برآ ہو رہے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم سہل وسادہ نگاری میں اپنی مثال آپ ہے، سمجھ میں نہ آنے والے اور بلند ترین مضامین کو قرآن کریم نہایت حسین پیرایہ بیان واسلوب میں ادا کرتا ہے، جو فہمِ انسانی کے اتنا قریب تر ہوتا ہے کہ عقلِ انسانی اگر اس پر غور کرے تو اس کے تردید کی جرأت نہیں کر سکتی ہے، قرآن منطق وفلسفہ کے پُر پیچ مسائل نہیں چھیڑتا ہے، بلکہ عین فطرت کی عکاسی کرتا ہے، چناں چہ اس کے اندر جس مضمون کو بھی ادا کیا گیا ہے، حسین پیرایہ

بیان و اسلوب اور موزوں ترین الفاظ میں ادا کیا گیا ہے، ایک ہی مضمون کئی بار بیان ہوا ہے، لیکن ہر مرتبہ اسلوب اور پیرایہ بیان نیا و جداگانہ ہے، جس سے تکرار کی بدنمائی نہیں پیدا ہوتی، سلاست و روانی میں بے مثل ہونے کی وجہ سے دنیا کی کوئی بھی کتاب تذکیر و موعظت اور ضبط و اِتقان میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، مگر قرآن کریم کے سہل و سادہ ہونے کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس کے اندر دقائق و غوامض نہیں پائے جاتے، آپ قرآن کریم کی کوئی بھی سورہ یا کوئی بھی آیتِ کریمہ لے لیجیے آپ کو یہ خصوصیت نمایاں طور پر دکھائی دے گی کہ جہاں یہ سہل و سادہ نگاری میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، وہیں اس کے اندر بحرِ معانی کی ایک دنیا سمودی گئی ہے اور بلاغت و معانی کا دریا کوزے میں بھر دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر نو آیات پر مشتمل قرآن کریم کی ایک سورہ، سورۂ بلد کو دیکھیے کہ کتنے ہی آسان اور چند جچے تلے مختصر جملوں میں پورے نظریۂ حیات کو سمیٹ دیا گیا ہے، جسے بیان کرنے کا حق بمشکل ایک ضخیم کتاب میں ادا کیا جا سکتا ہے، جہاں یہ سورہ سہل و سادہ نگاری کی واضح عکاس ہے، وہیں اختصار و جامعیت کا بے نظیر نمونہ ہے اور یہ معاملہ صرف اسی سورہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ پورے قرآن کی یہی حالت ہے کہ کم از کم الفاظ میں بحرِ معانی ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

آج ہم نے قرآن کریم کو صرف عملیات کی کتاب بنا دیا ہے، فقط تعویذ گنڈوں کے لیے اس کا استعمال کرتے ہیں، عملی طور پر ہم اسی حد تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں کہ فلاں بیماری میں فلاں سورت کی تعویذ بنانے سے وہ تکلیف دور ہو جائے گی، فلاں سورت کا زائچہ بنا کر مکان و دوکان میں لٹکانے سے خیر و برکت حاصل ہو گی، یا اس سے تھوڑا اور آگے بڑھتے ہیں تو آپس میں قرار پانے والی عہد و پیمان کی قَسموں میں اس کا استعمال کرتے ہیں، قول و قرار میں تاکید پیدا کرنے کے لیے اسے اٹھاتے ہیں، اور نہایت عزت و تعظیم کے ساتھ حریر و ریشم کے خوبصورت جزدانوں میں قید کر کے اسے طاقِ نسیاں میں رکھ دیتے ہیں۔ یہ برحق ہے کہ قرآن کریم دینی و

دنیاوی تکالیف و مصائب کو دور کرنے کا ایک عمدہ ذریعہ ہے، اس سے کوئی بھی شخص انکاری نہیں ہے، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ فوائد اسی وقت حاصل ہوں گے جب ہم اسے پڑھیں گے، حرزِ جاں بنائیں گے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں گے۔ موجودہ دور میں قرآن کریم سے جس قدر دوری اور بے تعلقی برتی گئی ہے شاید کسی دور میں ایسی حالت رہی ہو۔ حافظ عبد السلام بھٹوی حفظہ اللہ قرآن کریم کے ساتھ مسلمانوں کے ربط و تعلق سے متعلق اپنے قلبی درد کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”حقیقت یہ ہے کہ اس وقت امتِ مسلمہ نے جس طرح جان بوجھ کر قرآن کریم کو پسِ پشت پھینک رکھا ہے شاید اس سے پہلے کبھی نہ پھینکا ہو۔ ان کے اکثر لوگ دنیا کمانے کے لیے اپنے بچوں کو ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں، تاجر اور صنعت کار بنائیں گے اور اس کام کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کریں گے، مگر انھیں قرآن کی تعلیم نہیں دلوائیں گے اور دلوائیں گے بھی تو صرف ناظرہ قرآن کی یا حفظ کی، جس سے انھیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ کتنا ستم ہے کہ دنیا کی کوئی زبان سیکھی جائے تو اس کا ایک لفظ بھی مطلب سمجھے بغیر نہیں پڑھا جاتا، جب کہ قرآن پورا ناظرہ پڑھ لیا جاتا ہے، بعض اوقات حفظ کر لیا جاتا ہے، اس سے آگے اس کی تجوید اور حسنِ قرأت بھی حاصل کر لی جاتی ہے، مگر اس کا مطلب سمجھنے کی زحمت ہی نہیں کی جاتی۔ جب اس کا مطلب ہی نہیں سمجھا گیا تو اس پر غور و فکر کا اور اس پر عمل کا مرحلہ کب آئے گا؟ پورا قرآن تو دور کی بات ہے روزانہ پانچ وقت جو نماز پڑھتے ہیں انھیں اس کا مطلب معلوم نہیں، نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ ہم اپنے مالک سے کلام کرتے ہوئے کیا عرض کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام ممالک میں (إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ) قرآن کو مسلمانوں کی زندگی سے عملاً نکال باہر کر دیا گیا ہے۔ ان کی سیاست کفار سے لی ہوئی جمہوریت ہے، جس میں اللہ اور اس کے رسول کا کوئی دخل نہیں، یا قرآن و سنت کے احکام کی پابندی سے آزاد استبدادی ملوکیت ہے، ان کی

تجارت وصنعت کا دارومدار سود پر ہے، ان کی عدالتوں میں کفار کے قوانین رائج ہیں اور ان کی وضع قطع اور تمدن و تہذیب یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں کی سی ہے۔ ان کے ہاں قرآن صرف برکت کے لیے ہے، یا مجلس کی افتتاح کے لیے ہے، یادم درود اور پیری مریدی میں خود ساختہ وظائف کے لیے، یا محبت وعدوات اور تسخیرِ قلوب کے عملیات کے لیے، یا اچھے سے اچھے کاغذ اور اچھی جلد والا خرید کر جہیز میں دینے کے لیے ہے، یا خوب صورت غلاف میں لپیٹ کر اونچی سی اونچی جگہ رکھنے کے لیے وہ اس کی طرف پیٹھ نہیں کرتے، مگر بات اس کی ایک نہیں مانتے۔ ان کے دینی مدارس میں سالہا سال تک انسانوں کے مرتب کیے ہوئے مسائل پڑھائے جاتے ہیں، جب وہ دل و دماغ میں خوب راسخ ہو جاتے ہیں تو انھیں قرآن و حدیث سے دورے کی شکل میں سال دو سال میں فارغ کر دیا جاتا ہے۔(إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ)
حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہم قرآن کو چھوڑنے کی یہ روش ترک کر کے صحابہ و تابعین کی طرح قرآن کی طرف واپس نہیں آئیں گے، اسے اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا نہیں بنائیں گے، نصرتِ الٰہی اور باعزت زندگی سے محروم ہی رہیں گے۔" [تفسیر القرآن الکریم ۳/ ۱۸۰-۱۸۱]

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قرآن کریم کو تبرک و زینت کے طور پر رکھنے کے بجائے اس کی روشن تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، اس کی تلاوت کریں، اس کے احکام و قوانین پر عمل پیرا ہوں اور اپنی سیرت و کردار اور قول و گفتار کے ذریعہ برادرانِ وطن کو بھی اس کی آفاقی تعلیمات سے روشناس کرائیں اور اپنے تمام تر معاملات میں قرآن کریم کے احکام کو ترجیح دیں، اس سے منھ پھیرنے کے بجائے اسی کو اپنی زندگی میں داخل کریں۔

❀❀❀❀

اللہ رب العالمین کا بے پایاں شکر و احسان اور فضل و کرم ہے کہ قرآن مقدس کی آخری دو سورتوں سے متعلق یہ کتاب "معوذتین کے مضامین و اہداف اور غلط فہمیوں کا ازالہ" آپ قارئین باتمکین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ کتاب تین ابواب پر مشتمل

ہے۔ پہلے باب میں اجمالی طور پر معوذتین کا تعارف اور اس کی وضاحت و تشریح پیش کی گئی ہے، دوسرے باب میں معوذتین کے اندر بیان کردہ مضامین پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اور تیسرے باب میں معوذتین سے متعلق پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

میں نے اس کتاب میں موجود جملہ مباحث کو قرآن کریم، صحیح احادیثِ نبویہ اور آثارِ سلف کی روشنی میں پیش کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے اور اپنے طور پر ممکن حد تک اس کا بھرپور اہتمام کیا ہے، پھر بھی بحیثیتِ انسان سہو و نسیان اور خطا کا امکان باقی ہے، اس لیے کتابِ مذکور کے تمام قارئین اور بطور خاص اہلِ علم سے باادب التماس و گزارش ہے کہ کہیں کوئی لغزش و خطا اور کمی نظر آئے تو ناچیز کو ضرور باخبر کریں تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جا سکے۔

میں اپنے ان تمام معاونین و مساہمین بالخصوص رفیقِ گرامی مولانا شفیق الرحمان مدنی، برادرِ عزیز مولانا عبد الصبور عبد المعبود سلفی، عزیزم حافظ محبوب عالم سلفی اور مولانا صلاح الدین سلفی حفظہم اللہ وغیرہ کا بصد خلوص و احترام شکر گزار ہوں کہ جن کی معاونت سے یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچی، اللہ انھیں اجرِ جزیل سے نوازے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو شرفِ قبولیت بخشے، اسے قرآن فہمی کا ذریعہ بنائے، میرے لیے، میرے والدین و اولاد اور میرے تمام متعلقین و احباب اور معاونین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

دعاؤں کا طالب

جمشید عالم عبد السلام سلفی

۲۰۱۹/۱۲/۱۵

abuafaf9@gmail.com

بابِ اوّل

مُعَوِّذَتَین: تعارف و تشریح

مُعَوِّذَتَین

سُورَةُ الفَلَقِ :

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

قُلۡ أَعُوذُ بِرَبِّ ٱلۡفَلَقِ ﴿١﴾ مِن شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿٢﴾ وَمِن شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ﴿٣﴾ وَمِن شَرِّ ٱلنَّفَّٰثَٰتِ فِي ٱلۡعُقَدِ ﴿٤﴾ وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴿٥﴾

ترجمہ: ”آپ کہہ دیجیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔ ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔ اور اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے۔ اور گِرہوں میں پھونکنے والیوں (یا والوں) کے شر سے۔ اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب وہ حسد کرے۔“

سُورَةُ النَّاسِ :

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

قُلۡ أَعُوذُ بِرَبِّ ٱلنَّاسِ ﴿١﴾ مَلِكِ ٱلنَّاسِ ﴿٢﴾ إِلَٰهِ ٱلنَّاسِ ﴿٣﴾ مِن شَرِّ ٱلۡوَسۡوَاسِ ٱلۡخَنَّاسِ ﴿٤﴾ ٱلَّذِي يُوَسۡوِسُ فِي صُدُورِ ٱلنَّاسِ ﴿٥﴾ مِنَ ٱلۡجِنَّةِ وَٱلنَّاسِ ﴿٦﴾

ترجمہ: ”آپ کہہ دیجیے کہ میں پناہ میں آتا ہوں لوگوں کے رب کی، لوگوں کے مالک کی اور لوگوں کے معبودِ (برحق) کی، وسوسہ ڈالنے والے کی برائی سے، جو (اللہ کا نام سن کر) پیچھے کھسک جانے والا ہے، جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، (خواہ) وہ (وسوسہ ڈالنے والا) جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔“

فصلِ اول: تشریح ووضاحت

أَعُوذُ : میں پناہ لیتا ہوں اور اپنا بچاؤ تلاش کرتا ہوں، میں پناہ چاہتا ہوں۔ اس کا مصدر عَوْذاً یا عِيَاذاً (ن) ہے، جس کے معنیٰ ہیں کسی کی پناہ لینا، کسی کی پناہ میں آنا، کسی سے بچ کر کسی کی حفاظت میں محفوظ ہو جانا اور اس سے چمٹے رہنا، کسی سے التجا کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَعُوذُ بِٱللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ ٱلْجَـٰهِلِينَ﴾ ترجمہ: ''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کی میں نادان بنوں۔'' [البقرۃ:٦٧] اور فرمایا: ﴿قَالَتْ إِنِّيٓ أَعُوذُ بِٱلرَّحْمَـٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا ۝١٨﴾ ترجمہ: ''(مریم علیہا السلام) کہنے لگیں: اگر تم متقی آدمی ہو تو میں تم سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں۔'' [مریم:١٨]

رب : پروردگار، پالنہار، اور اس کے اصل معنیٰ تربیت دینا کے ہیں یعنی کسی چیز کو بتدریج نشو و نما دے کر حدِ کمال تک پہنچانا، اسی طرح اس کے معنیٰ کفالت و پرورش کرنا اور مالک کے بھی ہیں۔ اور یہ لفظ اپنے اصل کے اعتبار سے مصدر ہے، مگر محاورۃً فاعل کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، یعنی پرورش کرنے والا، کفالت کرنے والا، پالنہار، مربی، مالک، متصرِّف، آقا، سردار، نگراں، منتظم وغیرہ، اس طرح رب کے مفہوم سے واضح ہوا کہ رب وہ ہستی ہے، جو تمام جہانوں کا خالق و مربی اور ان کی ضروریات کا مہیا کرنے والا ہے اور رب وہ مالک و پروردگار ہے، جو ہر طرح سے تصرفِ کلی کا حق و اختیار رکھتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور الف ولام کے اضافہ کے ساتھ صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے، البتہ الف و لام کے اضافہ کے بغیر اضافت کے ساتھ مخلوق کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، مثلاً رب الدار وغیرہ کا استعمال گھر کے مالک وغیرہ کے لیے کیا جاتا ہے اور بغیر اضافت کے کسی اور کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ وہ اپنی مخلوقات کا عمومی اعتبار سے بھی پرورش فرماتا ہے اور خصوصی

اعتبار سے بھی ان کی تربیت اور پرورش فرماتا ہے۔ چناں چہ بالعموم اللہ رب العالمین اپنے تمام مخلوقات کی خبر گیری فرماتا ہے، ان کی نگہداشت کرتا ہے، ان کی روزی روٹی کو فراہم کرتا ہے، ان کی دنیوی زندگی کی بقا کے لیے ان امور کی طرف راہ نمائی کرتا ہے، جو ان کے لیے نفع بخش ہیں اور ان کی ضروریات وحاجات اور احوال وظروف کے مطابق ان کی ضروریات کو مہیا فرماتا ہے۔ اور بطور خاص وہ اپنے اولیا اور مقرب بندوں کا مربی وپالنہار ہے اور ان کی خصوصی تربیت فرماتا ہے، انھیں ایمان کی توفیق سے نوازتا ہے اور صاحبِ کمال بناتا ہے، انھیں خیر کی توفیق دیتا ہے اور شر سے محفوظ رکھتا ہے اور ان کے ایمان وہدایت کی راہ میں حائل ہونے والے رکاوٹوں کو دور فرما دیتا ہے۔ شیخ عبد الرحمان ناصر السعدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ”مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کی تربیت (پرورش کرنے) کی دو قسمیں ہیں : (۱) تربیتِ عامہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پیدا کیا، ان کو رزق بہم پہنچایا اور ان مفادات ومصالح کی طرف ان کی راہ نمائی کی جن میں ان کی دنیاوی زندگی کی بقا ہے۔ (۲) تربیت خاصہ وہ تربیت ہے، جو اس کے اولیا کے لیے مخصوص ہے، پس وہ ایمان کے ذریعے سے ان کی تربیت کرتا ہے، انھیں ایمان کی توفیق سے نوازتا اور ان کی تکمیل کرتا ہے، وہ ان سے ان تمام امور کو دور کرتا ہے، جو راہِ حق پر چلنے سے انھیں باز رکھتے ہیں اور ان تمام رکاوٹوں کو ہٹاتا ہے، جو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حائل ہوتی ہیں۔“ [1]

الفلق : یہ باب ضرب سے مصدر ہے، جس کے معنیٰ کسی چیز کو پھاڑنے اور اس کے ایک ٹکڑے کو دوسرے ٹکڑے سے الگ کرنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ فَالِقُ ٱلۡحَبِّ وَٱلنَّوَىٰ﴾ ”بے شک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔“ اور آگے فرمایا: ﴿فَالِقُ ٱلۡإِصۡبَاحِ﴾ ”وہی (رات کی تاریکی کو چاک کرکے) صبح کو پھاڑ نکالنے والا ہے۔“ [الانعام:۹۵ - ۹۶]

[1] تفسیر سعدی، ص:۷۱

یہاں سورۂ فلق میں الفلق سے مراد صبح ہے، اور صبح کی روشنی بھی رات کے اندھیرے کو چیر کر نمودار ہوتی ہے۔ ویسے اس کا اطلاق کئی معانی پر کیا گیا ہے، مگر علامہ ابن جریر طبری اور حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ نے اسی معنیٰ کو راجح قرار دیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

شر : برائی اور ہر اس چیز کو کہتے ہیں، جس سے کراہت محسوس ہو۔ اور یہ خیر کی ضد ہے۔ یہاں اس کے عموم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات اور ہر اس چیز کی شر سے پناہ مانگنا شامل ہے، جس سے انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور جن کے اندر شر موجود ہوتا ہے۔ شر کا اطلاق ان تمام آلام و آفات پر ہوتا ہے، جن سے انسان کو رنج و تکلیف پہنچتی ہے، خواہ وہ کسی دوسرے انسان و جاندار کی طرف سے لاحق ہو اور خواہ وہ انسان کے خود اپنے اعمالِ بد اور برے کرتوت کا ثمرہ و نتیجہ ہو۔ چناں چہ آلام و آفات کے موجبات و اسباب پر بھی شر کا اطلاق ہوتا ہے، مثلاً کفر و شرک اور ہر طرح کے گناہ بھی شر ہیں، کیوں کہ ان کی وجہ سے دنیا میں بھی کبھی کبھی عذاب اور سزا دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی دیا جائے گا اور یہ بہت سی آفات اور مصیبتوں کا سبب بھی بنتی ہیں۔ اور یہاں ان دونوں سورتوں میں شر کی تمام قسموں اور صورتوں سے نہایت جامع انداز اور مختصر الفاظ میں پناہ مانگ کر ان سے اللہ کی پناہ میں آنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ یہاں شر کی نسبت مخلوق کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ اللہ نے اپنی تمام مخلوقات میں نفع اور نقصان دونوں پہلوؤں کو رکھا ہے، اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ سبھی مخلوقات کی مثبت پہلوؤں سے فائدہ اٹھائے اور ان کے نقصان پہنچانے والے پہلو سے بچ کر ان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے۔ ورنہ در حقیقت خیر اور شر دونوں کا خالق اللہ ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے تمام افعال خالص خیر اور عدل و حکمت پر مبنی ہیں اور ان میں شر کا پہلو نہیں پایا جاتا ہے، اس لیے بھی اس کی نسبت مخلوق کی طرف کی گئی ہے، کیوں کہ یہ انھی مخلوقات کی کمائی ہوتی ہے اور وہی اس کے مرجع ہوتے ہیں اور اللہ کی طرف سے فقط عدل و انصاف پر مبنی جزا و بدلہ ہے۔

غاسق : رات کی تاریکی کو کہتے ہیں اور یہ 'غسق' (ن) سے مشتق ہے، جس کے معنٰی تاریکی کے ہیں اور رات کی سخت تاریکی کے لیے 'غسق اللیل' بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِدُلُوكِ ٱلشَّمۡسِ إِلَىٰ غَسَقِ ٱلَّيۡلِ﴾ ترجمہ: ''نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک۔'' [الإسراء:۷۸]

مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں:

(''غاسق'' سے مراد رات ہے، ''اذا وقب'' سے مراد سورج کا ڈوب جانا ہے، ''فلق'' فرق کے ہم معنٰی ہے، یہ بات ''فرق الصبح'' یا ''فلق الصبح'' سے زیادہ روشن ہے۔ عرب کے لوگ ''وقب'' اس وقت کہتے ہیں، جب کوئی چیز بالکل کسی چیز میں گھس جائے اور اندھیرا ہو جائے۔)[1]

غاسق سے مراد چاند بھی لیا گیا ہے، کیوں کہ وہ بھی رات ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے، جو سورج کے ڈوبنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا:

((يَا عَائِشَةُ! اسْتَعِيذِي بِاللَّهِ مِنْ شَرِّ هَذَا؛ فَإِنَّ هَذَا هُوَ الْغَاسِقُ إِذَا وَقَبَ)) ''اے عائشہ! اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگو، کیوں کہ یہی ''غاسق'' ہے، جب کہ وہ چھا جائے۔''[2]

نفّاثات : یہ مؤنث کا صیغہ ہے، جو النفوس (موصوف محذوف) کی صفت ہے، اور یہ **نَفَّاثَةٌ** کی جمع ہے، جو ''نفث'' (ن، ض) سے بروزن فعّال مبالغہ کا صیغہ ہے، اور ''نفث'' کے لغوی معنٰی ہیں منہ سے تھوک نکالنا، پھونکنا اور جب ''العقدۃ'' کے ساتھ اس کا استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنٰی ہوتے ہیں جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈا کے لیے گرہ میں پھونک مارنا۔ اور ''نفث'' اس پھونک کو کہتے ہیں، جس میں آبِ دہن کی آمیزش بھی ہو۔ اور اس سے مراد جادو کا کالا عمل کرنے والے مرد و عورت دونوں ہیں۔ چوں کہ عام طور پر جادو کا صدور عورتوں سے ہوتا ہے اس لیے قرآن کریم میں الفاظ بھی اسی کی مناسبت سے استعمال ہوئے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر، سورۃ قل اعوذ برب الفلق، معلقاً [2] جامع ترمذی: ۳۳۶۶، مسند احمد: ۲۵۸۰۲، حسن صحیح، صحیحۃ: ۳۷۲

العُقَد : عُقُدۃٌ کی جمع ہے، جس کے معنیٰ گرہ کے ہیں یعنی وہ گرہیں، جسے جادو گر مرد یا عورتیں لگاتی ہیں۔ ایک ضعیف الاسناد حدیث میں مروی ہے کہ:

((مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً ثُمَّ نَفَثَ فِيْهَا فَقَدْ سَحَرَ، وَمَنْ سَحَرَ فَقَدْ أَشْرَکَ)) ”جس نے گرہ باندھ کر اس میں پھونک ماری تو بے شک اس نے کفر کیا، اور جس نے جادو کیا وہ شرک کا مرتکب ہوا۔“ [1]

حسد : کسی کی نعمت کے زائل ہونے کی تمنا کرنا یا کسی کے نعمت کو زائل ہونے کی تمنا کرتے ہوئے اسے پانے کی کوشش و آرزو کرنے کو حسد کہتے ہیں اور حاسد پوری کوشش کے ساتھ محسود کی نعمت کا زوال چاہتا ہے اور اس کے لیے پوری طرح کوشاں بھی رہتا ہے۔ اسی لیے شریعت میں حسد کرنا حرام ہے اور غبطہ یعنی رشک کرنا جائز ہے۔ حسد کا صدور چوں کہ عام طور پر مردوں سے ہوتا ہے اس لیے یہاں اسی مناسبت سے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ حاسد کے اندر عاین یعنی نظر بد کرنے والا بھی داخل ہے، کیوں کہ شریر الطبع اور خبیث النفس حاسد ہی سے نظر بد کا صدور ہوتا ہے۔ نظر بد کے متعلق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِسْتَعِيْذُوْا بِاللهِ تَعَالىٰ مِنَ الْعَيْنِ، فَإِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ)) ترجمہ: ”نظر بد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو یقیناً نظر کا لگنا برحق ہے۔“ [2]

اور ”إِذَا حَسَدَ“ کی تقیید کا مفہوم یہ ہے کہ جب حاسد اپنی قلبی کیفیت کو ضبط نہ کر سکے اور دل میں پنپنے والے حسد کا عملی اظہار کرے اور محسود کو اپنے آتشِ حسد کے شراروں کی لپیٹ میں لے لے یا حسد کے تقاضے کے مطابق محسود کی نعمت چھن جانے کی خواہش و تمنا رکھے تو اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جائے۔ حقیقت میں حاسد کا شر اسی وقت اثر انداز ہوتا ہے جب وہ بالفعل آتشِ حسد کو بھڑکاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شیطان کے وسوسے کی وجہ سے ہر دل میں حسد کا

---

[1] سنن نسائی : ۴۰۷۹، اسنادہ ضعیف [2] سنن ابن ماجہ: ۳۵۰۸، شیخ البانی نے حاکم اور ذہبی کی موافقت کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا ہے (سلسلۃ الصحیحۃ: ۷۳۸)، جب کہ شیخ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (انوار الصحیفۃ، ضعیف سنن ابن ماجہ ص: ۵۰۳)

داعیہ پیدا ہو سکتا ہے، مگر اللہ کے نیک بندے اس پر قابو پا لیتے ہیں اور اس سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور رذیل قسم کے لوگ اسے ظاہر کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اگر کسی کے دل میں بے اختیار حسد کا داعیہ پیدا ہو اور وہ اس پر قابو پا لے، عملی طور پر اس کا اظہار نہ کرے اور محسود کو ضرر پہنچانے کے لیے کوشاں نہ ہو تو وقتی طور پر پیدا ہونے والا اس کا یہ بے اختیاری جذبہ حاسدانہ کارروائی سے خارج سمجھا جائے گا اور اس کا یہ قلبی وسوسہ معیوب حسد میں نہیں شمار کیا جائے گا۔

اِلٰہ : کے معنٰی معبود کے ہیں، اور چوں کہ یہ لفظ عام ہے اور اسے ہر معبود پر بولا جاتا ہے، خواہ وہ معبود برحق ہو یا وہ معبودانِ باطل ہوں، اس لیے اس کی جمع اٰلِهةٌ آتی ہے، اہلِ عرب کئی معبودوں کو پکارتے تھے اور اپنے اعتقاد کے مطابق کئی مادی چیزوں اور مخلوقات کو اپنا معبود بنا رکھا تھا اس لیے وہ لوگ اس کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کرتے تھے، قرآن کریم میں بھی معبودانِ باطلہ کے لیے اٰلِهةٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم نے تمام معبودانِ باطلہ کی پُرزور تردید کی ہے اور صرف ایک حقیقی اِلٰہ کا تصور دیا ہے۔ اور وہ اللہ ہی تمام مخلوقات کا معبودِ حقیقی ہے، وہی عبادت کے لائق ہے، وہ اپنی ذات اور صفات و افعال میں یکتا و اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، وہ ساری دنیا کا خالق و مالک ہے اور ان کا حاجت روا ہے، وہی وہ برتر ہستی ہے جو ہر طرح کی محبتوں کی حق دار ہے اور وہی وہ عظیم ذات ہے، جس کے ذات و صفات کے ادراک سے عقلیں حیران ہیں اور جس قدر اس کی ذات مطلق میں غور و خوض کیا جائے گا انسانی عقل کی حیرانی بڑھتی جائے گی۔ علامہ راغب اصفہانی رحمہ اللہ "اِلٰہ" کے اشتقاق کے متعلق مختلف اقوال ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(1) بعض نے کہا ہے کہ اَلَهَ (ف) يَأْلَهُ فُلَانٌ و تَأَلَّهَ سے مشتق ہے، جس کے معنٰی پرستش کرنے کے ہیں، اس بنا پر اِلٰہ کے معنٰی ہوں گے: معبود۔

(2) اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اَلِهَ (س) بمعنٰی تَحَيَّرَ سے مشتق ہے اور باری تعالیٰ کے ذات و صفات کے ادراک سے چوں کہ عقول، متحیر اور درماندہ ہیں اس لیے

اسے اللہ کہا جاتا ہے، اس لیے کہ انسان جس قدر صفاتِ الٰہیہ میں غور و فکر کرتا ہے اس کی حیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(3) بعض نے کہا ہے کہ اِلٰہ اصل میں وِلَاہٌ ہے واؤ کو ہمزہ سے بدل کر الاہ بنالیا ہے اور وَلِہَ (س) کے معنٰی عشق و محبت میں وارفتہ اور بے خود ہونے کے ہیں اور ذاتِ باری تعالیٰ سے بھی چوں کہ تمام مخلوق کو والہانہ محبت ہے اس لیے اسے اللہ کہا جاتا ہے اگرچہ بعض چیزوں کی محبت تسخیری ہے، جیسے جمادات اور حیوانات اور بعض کی تسخیری اور ارادی دونوں طرح ہے، جیسے انسان۔

(4) بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں لَاہَ یَلُوْہُ لِیَاھًا سے ہے، جس کے معنٰی پردہ میں چھپ جانے کے ہیں اور ذاتِ باری تعالیٰ بھی نگاہوں سے مستور اور محجوب ہے اس لیے اسے اللہ کہا جاتا ہے۔ [1]

الوسواس : وسوسہ ڈالنے والا، دل میں برا خیال ڈالنے والا۔ یہ "وسوس" (باب فعللۃ) کا مصدر ہے اور اسم فاعل "الموسوس" کے معنٰی میں مستعمل ہے یعنی وسوسہ انداز، دل میں برا خیال ڈالنے والا، اور بعض کے نزدیک "ذی الوسواس" کے معنٰی میں ہے۔ مگر اسے مصدر کے بجائے اسم فاعل کے معنٰی میں صفت مانا جائے تو زیادہ بہتر ہے، اس صورت میں اس کا معنٰی ہو گا بہت وسوسہ ڈالنے والا۔ وسوسہ کے لغوی معنٰی محسوس نہ ہونے والی حرکت یا پوشیدہ آواز کے ہیں، جیسے زیور وغیرہ کی ہلکی جھنکار، اصطلاحِ شریعت میں شیطان کے انسان کو ورغلانے، بہکانے اور نیکی سے ہٹا کر بدی پر ابھارنے کا نام ہے۔ یعنی وسوسہ شیطان کی طرف سے انسان کے دل میں اللہ کی طرف سے اسے دی گئی قدرت کے تحت پیدا کردہ شر اور معصیت کا خیال و ارادہ ہے، جو شیطان کی مسلسل جد و جہد کے باعث صرف ارادہ ہی نہیں رہتا قصدِ محکم اور عزیمتِ جازمہ بن جاتا ہے، اس لیے تمام معصیتوں اور گناہوں کی جڑ یہی وسوسہ ہے، جس سے یہاں پناہ مانگی گئی ہے۔ [2]

---

[1] دیکھیے: مفردات القرآن راغب اصفہانی مترجم جلد اول ص:۵۹ – ۶۰ [2] دیکھئے: القاموس الوحید مادہ وسوس، ص:۱۸۵۱

الخناس : چھپ جانے والا، پیچھے ہٹ جانے والا، سامنے آکر کھسک جانے والا۔ یہ خَنَسَ (ض،ن) سے مبالغہ کا صیغہ ہے، جس کے معنیٰ پیچھے ہٹنے، ظہور میں آکر چھپ جانے اور سکڑ جانے کے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَآ أُقۡسِمُ بِٱلۡخُنَّسِ ۝١٥ ٱلۡجَوَارِ ٱلۡكُنَّسِ ۝١٦﴾ ترجمہ: "میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے، چلنے والے، چھپ جانے والے ستاروں کی۔" [التکویر:۱۶،۱۵]

اس طرح خنّاس کے معنیٰ ہوئے پیچھے ہٹ جانے والا، کھسک جانے والا اور یہ شیطان کی صفت ہے، جو کہ ذکرِ الٰہی سے کھسک جاتا ہے اور اللہ کی یاد سے غفلت برتی جائے تو دلوں پر حاوی ہو جاتا ہے۔ یہاں شیطان کو "الوسواس الخناس" اس لیے کہا گیا ہے۔ کیوں کہ وہ بار بار حملہ آور ہوتا ہے، انسان کے دل میں بار بار برے خیالات ڈالتا ہے، ایک بار وسوسہ ڈال کر چھپ جاتا ہے اور پھر بہ تکرار وسوسہ اندازی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جائے۔ مگر اللہ کا جو بندہ ذکر الٰہی میں مشغول ہوتا ہے اور شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہے، وہاں اس کی دال نہیں گلتی ہے۔ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب ذکرِ الٰہی سے غفلت برتی جاتی ہے تو پھر دوبارہ وہ وسوسہ ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ شیخ عبد الرحمان کیلانی رحمہ اللہ وسواس اور خنّاس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وسواس طبی نقطہ نگاہ سے یہ ایک مرض ہے، جسے وہم بھی کہتے ہیں۔ یہ مرض غلبہ سودا کی وجہ سے ذہن کو ماؤف کر دیتا ہے اور انسان ایسی فضول باتیں کرنے لگتا ہے، جو پہلے اس کے ذہن میں نہیں ہوتیں۔ دل میں آنے والی برائی اور بے نفع بات اور شرعی نقطہ نگاہ سے اس کا معنی شیطان کا کسی برے کام کی طرف راغب کرنا اور برے خیال دل میں ڈالتے رہنا اور اس کی نسبت صرف شیطان کی طرف ہوتی ہے۔ جس کی ایک صفت خناس ہے اور خناس شیطان ہی کا صفاتی نام ہے۔ خناس بمعنی ظاہر ہو کر چھپ جانے والا یا سامنے آکر پھر پیچھے ہٹ جانے والا۔ شیطان کا یہ عمل صرف ایک بار ہی نہیں ہوتا بلکہ بار بار ہوتا ہے۔ وسوس کے لفظ میں تکرار لفظی ہے، جو

تکرار معنوی پر بھی دلالت کرتا ہے۔ شیطان ایک بار وسوسہ ڈال کر چھپ جاتا ہے۔ پھر دوبارہ حملہ آور ہوتا ہے پھر چھپ جاتا ہے تا آنکہ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جاتا ہے۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے ﴿يُوَسۡوِسُ فِي صُدُورِ ٱلنَّاسِ﴾ "وہ لوگوں کے سینے میں وسوسہ ڈالتا ہے۔" فرمایا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی رسائی انسان کے دل تک نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ دل سے دور رہ کر دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے یعنی وہ چھپ کر وار کرتا ہے، اسے یہ اختیار نہیں کہ وہ انسانی دل پر قبضہ کر لے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"يُوَسۡوِسُ فِي قُلُوْبِ ٱلنَّاسِ (لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے) کے بجائے يُوَسۡوِسُ فِي صُدُورِ ٱلنَّاسِ (لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے) کہنے میں یہ نکتہ ہے کہ شیطان کی رسائی اصل دل تک نہیں ہو سکتی، بلکہ وہ صرف انسان کے سینے میں جو قلب کے لیے بمنزلۂ دہلیز کے ہے داخل ہو کر وسوسہ ڈالنے اور انسان کے ارادہ میں اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کرنے میں کوشش کرتا ہے۔ یہ معلوم کر کے مومن کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور وہ اس کے شر کو دفع کرنے پر دلیر ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے قصے میں ارشاد ہوا ہے: ﴿فَوَسۡوَسَ إِلَيۡهِ ٱلشَّيۡطَٰنُ﴾ "شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا" [طٰہٰ:۱۲۰] اِلیٰ کے استعمال کرنے میں بھی یہی نکتہ ہے کہ شیطان نے اپنا وسوسہ کسی قدر دور سے ان کے دل میں ڈالا۔"[2]

﴿يُوَسۡوِسُ فِي صُدُورِ ٱلنَّاسِ﴾ میں الناس سے مراد انسان ہیں، بعض لوگوں نے اس سے انسان کے ساتھ ساتھ جنوں کو بھی مراد لیا ہے کہ شیطان، انسان اور جنوں دونوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، اور ان لوگوں نے قرآن کریم کی اُس آیتِ کریمہ سے دلیل پکڑی ہے، جس میں جنوں کے لیے "رجال" کا لفظ استعمال ہوا ہے، حالاں کہ "الناس" سے صرف انسانوں ہی کو مراد لینا صحیح اور درست ہے۔

﴿مِنَ ٱلۡجِنَّةِ وَٱلنَّاسِ﴾ کا مفہوم ہے، لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالنے والا خواہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے ہو یعنی جس طرح شیاطین الجن کی طرف سے وسوسہ ڈالا

---

[1] تیسیر القرآن ۴/ ۷ [2] تفسیر معوذتین، ص:۱۸۷

جاتا ہے، اسی طرح انسانوں کی طرف سے بھی وسوسہ اندازی ہوتی ہے اور انسان کا اپنا نفس بھی وسوسہ ڈالتا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَٰطِينَ ٱلْإِنسِ وَٱلْجِنِّ يُوحِى بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ ٱلْقَوْلِ غُرُورًا ۚ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١١٢﴾﴾

”اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے شیطان انسانوں اور شیطان جنوں کو ان کا دشمن بنایا ہے، وہ ایک دوسرے کو دھوکا دینے کے لیے دل میں ملمع کی ہوئی باتیں ڈالتے ہیں، اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے، پس آپ انھیں اور جو کچھ وہ افترا پردازی کرتے ہیں چھوڑیے۔“ [الانعام:۱۱۲]

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

((يَا أَبَا ذَرٍّ! تَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّ شَيَاطِينِ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ. قُلْتُ: أَوَلِلْإِنْسِ شَيَاطِينُ؟ قَالَ: ''نَعَم'')) ترجمہ: ”اے ابو ذر! انسانوں اور جنوں کے شیاطین سے اللہ کی پناہ مانگو۔“ ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہاں“ [1]

نیز آیتِ کریمہ کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جن کے سینوں میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے، وہ جن بھی ہیں اور انسان بھی ہیں یعنی جنوں اور انسانوں کے دلوں میں شیطان وسوسے ڈالتا ہے۔ حالاں کہ پہلا مفہوم ہی صحیح ہے یعنی وسوسہ ڈالنے والے جنات اور انسان دونوں میں سے ہوتے ہیں۔ اور خود انسان کا اپنا نفس بھی وسوسہ اندازی کرتا ہے، اسے برے خیالات، غلط خواہشات اور بد اعمالیوں پر ابھارتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِۦ نَفْسُهُۥ﴾ ترجمہ: ”اور ہم انسان کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں کو بھی جانتے ہیں۔“ [ق:۱۶]

---

[1] سنن نسائی: ۵۵۰۷، شیخ البانی کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے، مگر بعض دیگر محققین کے نزدیک ضعیف ہے۔

[2*] سنن ابو داؤد: ۲۱۱۸، سنن نسائی: ۱۴۰۴، جامع ترمذی: ۱۱۰۵، سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۳ وغیرہ

اسی لیے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وسوسۂ نفس سے استعاذہ کی تعلیم دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشہور خطبۂ مسنونہ میں یہ الفاظ فرمایا کرتے تھے:

((وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا)) "اور ہم اپنے نفوس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں" [*2]

اور صبح و شام پڑھی جانے والی دعاؤں میں ان الفاظ کے ذریعہ اپنے نفس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے اور نبوی تعلیم کے مطابق عملی طور پر لوگوں کو اپنے نفس کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے:

((...... أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي، وَشَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ)) ترجمہ: "میں تجھ سے اپنے نفس کے شر سے، شیطان کے شر سے اور اس کے شرک سے پناہ مانگتا ہوں" [1]

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے بطور خلاصہ لکھتے ہیں:

"آیت ﴿مِن شَرِّ ٱلْوَسْوَاسِ ٱلْخَنَّاسِ﴾ میں جو "وَسْوَاسِ ٱلْخَنَّاسِ" کا لفظ ہے، یہ نہ صرف جن کے وسوسہ کو شامل ہے، بلکہ انسانی وسوسہ کی دونوں قسموں یعنی اپنے دل کے خیالات اور دوسرے لوگوں کے ڈالے ہوئے وسوسہ کو بھی شامل ہے، ورنہ محض جن کے وسوسہ سے پناہ مانگنے کے کیا معنیٰ؟ اپنے دل کا اور شیاطین الانس کا وسوسہ ہر کسی کے حق میں ایک جیسے نقصان دہ ہیں، بلکہ اندرونی وسوسہ کبھی جن کے وسوسہ سے بڑھ کر مضرت رساں ثابت ہوتا ہے۔" [2]

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوا کی برے خیالات کی وسوسہ اندازی شیطانوں کی طرف سے ہوتی ہے، انسانوں کی طرف سے بھی ہوتی ہے اور خود انسان کا اپنا نفس بھی وسوسہ ڈالتا ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ معوذتین اور دیگر نبوی معوذات کے ذریعہ اللہ رب العالمین کی پناہ طلب کریں تاکہ آغاز ہی سے شیطان اور شیطان صفت انسانوں کی مذموم کوششوں اور خود کے برے خیالات سے اپنے آپ کو بچاسکیں۔

•·········•·········•✿ ✿•·········•·········•

[1] سنن ابوداؤد:۵۰۶۷، الصحیحۃ:۲۷۵۳، الکلم الطیب مع تحقیق الالبانی ص:۱۷، رقم:۲۲

[2] تفسیر معوذتین، ص:۲۳

فصلِ دوم: وجہ تسمیہ

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کا مشترکہ نام معوذ تین ہے، یعنی استعاذہ وپناہ طلب کی جانے والی دو سورتیں کہ جنھیں پڑھ کر اپنے رب سے پناہ مانگی جاتی ہے۔ چوں کہ یہ دونوں سورتیں مکمل طور پر جملہ شرور سے پناہ طلب کرنے پر مشتمل ہیں اور یہ خصوصیت کسی اور سورت کو حاصل نہیں ہے نیز یہ دونوں سورتیں پناہ طلب کرنے کی غرض سے بیک وقت نازل بھی کی گئی تھیں اور دونوں سورتوں کا مضمون بھی ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے، اس لیے انھیں معوذ تین کا نام دیا جاتا ہے، اگرچہ یہ دونوں سورتیں الگ الگ ہیں اور مصحف میں علاحدہ علاحدہ ناموں کے ساتھ مرقوم بھی ہیں۔ سورۃ الفلق کے اندر تمام مخلوقات کے جملہ شرور سے اللہ رب العالمین کی پناہ مانگی گئی ہے اور بطور خاص جب رات کی تاریکی چھا جاتی ہے اور شریر و موذی ارواح و حیوانات پھیل جاتے ہیں تو ان کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کی گئی ہے، کالا جادو کرنے والی عورتوں اور مردوں کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کی گئی ہے، خبیث النفس حاسدین کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کی گئی ہے۔ اور سورۃ الناس کے اندر شیطان کے شر سے اور انسانی وسوسوں سے لوگوں کے رب، مالک اور معبودِ حقیقی کی پناہ مانگی گئی ہے۔

گویا دونوں سورتوں کے اندر عمومی طور پر جملہ شرور سے اور پھر خصوصیت کے ساتھ چند مخصوص شرور سے اللہ تعالیٰ کے حضور پناہ طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس لیے بندوں پر واجب ہے کہ صرف اور صرف اللہ کی پناہ طلب کریں اور ہر طرح کے فِتن و شرور سے اسی کی مدد طلب کریں۔ سورۂ فلق کے اندر مصائب و تکالیف سے پناہ مانگی گئی ہے اور ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے، جن سے انسان کو نقصان پہنچنے کا کافی اندیشہ رہتا ہے۔ اور سورۂ ناس کے اندر انسان کو گمراہ کرنے والی سب سے بڑی راہ وسوسۂ شیطانی و

انسانی سے پناہ مانگی گئی ہے گویا گناہوں اور معصیات کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔ اسی لیے انھیں معوذتین کا نام دیا جاتا ہے۔ اور پہلی سورت میں چوں کہ الفلق کا لفظ آیا ہوا ہے اسی کی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الفلق رکھا گیا ہے اور دوسری سورت میں چوں کہ الناس کا لفظ آیا ہے اس لیے اسی کی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الناس رکھا گیا ہے اور اس سورت کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ قرآن کریم کی آخری سورت ہے۔

نیز ان دونوں سورتوں کو مُقَشْقِشَتَان یعنی نفاق سے بری کرنے والی دو سورتیں بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ یہ دونوں سورتیں نفاق سے بری کر دیتی ہیں۔ [1]

بعض صحیح احادیث میں سورۂ فلق اور سورۂ ناس کے لیے ”معوذتین“ کے بجائے ”معوذات“ (پناہ مانگنے والی سورتیں) جمع کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ شارحینِ حدیث کی صراحت کے مطابق معوذات کہہ کر سورہ اخلاص کو بھی ضمنی طور پر ان میں شامل مانا گیا ہے، حالاں کہ سورۂ اخلاص میں توحید اور باری تعالیٰ کی صفات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں یہ بات کہی گئی ہے کہ بطور تغلیب انھیں ”معوذات“ کہا گیا ہے یعنی کثرت کا اعتبار کرکے معوذات جمع کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے ورنہ سورۂ اخلاص ”معوذات“ میں شامل نہیں ہے، چوں کہ معوذتین تعوذ و استعاذہ پر مشتمل ہیں اور تعداد میں دو ہیں اس لیے ان دونوں کا اعتبار کرتے ہوئے تینوں سورتوں کے لیے ”معوذات“ جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور یہ عربی زبان و ادب کا معروف اسلوب ہے۔ یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ سورہ اخلاص میں توحید خالص کا اقرار و اظہار، شرک سے برأت و نفی اور التجا الی اللہ کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لیے گویا اس میں بھی تعوذ کا معنٰی پایا جاتا ہے۔ چناں چہ جب اللہ رب العالمین نے سورۂ اخلاص میں توحید خالص کو بیان کر دیا اور اپنی ذات وصفات کو ان تمام چیزوں سے منزہ فرمایا دیا، جو اس کی شایانِ شان نہیں تو سورۂ اخلاص اور اس کے بعد کی دونوں

[1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۲۲/ ۵٦۷

سورتوں میں اپنی بعض صفات و خصائص کو بیان فرمایا ہے، جو اس کے لائق ہیں، اور بعد کی دونوں سورتیں معوذتین یعنی پناہ مانگنے والی ہیں، جن میں دنیا کے اندر پائے جانے والے سبھی قسم کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ان تمام مخلوقات، جو لوگوں کو اللہ کی توحید سے روکتے ہیں، جیسے مشرکین اور تمام شیاطینِ انس و جن وغیرہ کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی گئی ہے۔ سب سے پہلے سورۂ فلق میں مخلوقات، رات کی تاریکی، جادوگران اور حاسدین کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے اور سورۂ ناس میں شیاطینِ انس و جن کی وسوسہ اندازی سے پناہ مانگی گئی ہے، اسی لیے احادیث میں ان تینوں سورتوں کو معوذات کا نام دیا گیا ہے۔

فصلِ سوم: سبب و جائے نزول

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (۸۴۹-۹۱۱ھ) کی تصریح کے مطابق معوذتین کے مکی یا مدنی ہونے کے سلسلے میں قولِ مختار یہی ہے کہ یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں۔[1] علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۰۷-۵۹۷ھ) رقم طراز ہیں:

"ان سورتوں کے متعلق دو اقوال ہیں: ایک قول کے مطابق یہ سورتیں مدنی ہیں، ابو صالح نے یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، اور قتادہ نے دوسرے لوگوں کے ساتھ یہی بات کہی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سورتیں مکی ہیں، اس بات کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کریب نے روایت کیا ہے، اور یہی حسن و عطاء اور عکرمہ و جابر کا قول ہے۔ اور پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے، اس کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا اس وقت آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے اور آپ پر معوذتین کا نزول ہوا۔"[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابن عباس اور زید ابن ارقم رضی اللہ عنہم سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ یہ سورتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کے بعد نازل ہوئیں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ (۱۳۳۲-۱۴۲۰ھ) نزول معوذتین اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کے متعلق سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث بایں الفاظ نقل فرماتے ہیں:

((كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْيَهُوْدِ يَدْخُلُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عليهِ وَ سلَّم، وَكَانَ يَأْمُنُهُ، فَعقَدَ لَهُ عُقْدًا، فَوَضَعَهُ فِيْ بِئْرِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَاشْتَكى لِذلِک أَيَّامًا، (وَفِيْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ: سِتَّةَ أَشْهُرٍ)، فَأَتَاهُ مَلَكَانِ يَعُوْدَانِه، فَقَعَدَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِه، وَالْآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيْهِ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا: أَتَدْرِيْ مَا وَجَعُهُ؟ قَالَ: فُلَانٌ الَّذِيْ كَانَ يَدْخُلُ عَلَيْهِ عَقَدَ لَهُ عُقْدًا، فَأَلْقَاهُ فِيْ بِئْرِ فُلَانِ الْأَنْصَارِيِّ، فَلَوْ أَرْسَلَ إِلَيْهِ رَجُلًا، وَأَخَذَ

[1] الاتقان فی علوم القرآن ص:۴۲ [2] زاد المسیر فی علم التفسیر ص:۱۶۰۴

مِنْهُ الْعُقَدَ لَوَجَدَ الْمَاءَ قَدْ اصْفَرَّ. فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ فَنَزَلَ عَلَيْهِ بِ (الْمُعَوِّذَتَيْنِ)، وَقَالَ: إِنَّ رَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ سَحَرَكَ، وَالسِّحْرُ فِيْ بِئْرِ فُلَانٍ، قَالَ: فَبَعَثَ رَجُلًا (وَفِيْ طَرِيْقٍ أُخْرَى: فَبَعَثَ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) فَوَجَدَ الْمَاءَ قَدْ اصْفَرَّ فَأَخَذَ الْعُقَدَ فَجَاءَ بِهَا، فَأَمَرَهُ أَنْ يَحِلَّ الْعُقَدَ وَيَقْرَأُ آيَةً، فَحَلَّهَا، فَجَعَلَ يَقْرَأُ وَيَحِلُّ، فَجَعَلَ كُلَّمَا حَلَّ عُقْدَةً وَجَدَ لِذٰلِكَ خِفَّةً فَبَرَأَ، (وَفِي الطَّرِيْقِ الْأُخْرَى: فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسلَّمَ كَأَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ)، وَكَانَ الرَّجُلُ بَعْدَ ذٰلِكَ يَدْخُلُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسلَّمَ فَلَمْ يَذْكُرْ لَهُ شَيْئًا مِنْهُ، وَلَمْ يُعَاتِبْهُ قَطُّ حَتّى مَاتَ.))

ترجمہ: ”ایک یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مطمئن تھے۔ اس نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنے کے لیے) رسی میں گرہیں ڈالیں اور اس عمل کو ایک انصاری آدمی کے کنویں میں رکھ دیا۔ چناں چہ اس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ و سلم کچھ دنوں تک بیمار رہے، [سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے مطابق چھ مہینے تک بیمار رہے۔] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کے لیے دو فرشتے آئے، ان میں سے ایک آپ کے سر کے پاس اور دوسرا پیروں کے پاس بیٹھ گیا۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ انھیں کیا بیماری ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: فلاں (یہودی) آپ کے پاس آتا تھا، اس نے آپ کے لیے رسی میں گرہیں لگائی ہیں اور اس عمل کو فلاں انصاری کے کنویں میں رکھ دیا ہے، لہٰذا اگر آپ اس کنویں کے پاس کسی آدمی کو بھیجیں اور وہ گرہ کو نکال لے تو کنویں کے پانی کو زرد پائے گا۔ پھر جبرئیل (علیہ السلام) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معوذتین لے کر تشریف لائے اور کہا: یہودیوں کے ایک آدمی نے آپ پر جادو کیا ہے اور جادو کا عمل فلاں کنویں میں ہے۔ کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی [ایک روایت کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ] کو بھیجا تو انھوں نے دیکھا کہ پانی زرد ہو چکا تھا۔ پھر انھوں نے سحر زدہ رسی نکال لی اور واپس آ گئے۔ پھر (جبرئیل علیہ السلام) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ایک آیت پڑھ کر ایک گرہ کھولتے جائیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گرہ کھولی، پھر ایک ایک آیت پڑھ کر گرہیں

کھولنے لگے، جوں جوں گرہیں کھلتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وجہ سے تخفیف محسوس فرماتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحت یاب ہوگئے، اور ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کھڑے ہوئے گویا کہ آپ کو بندھن سے آزاد کر دیا گیا ہو۔ اور وہ یہودی اس حادثے کے بعد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تھا، مگر آپ نے اس کے سامنے کسی چیز کا ذکر نہیں کیا اور نہ کبھی اس کی سرزنش کی یہاں تک کہ وہ مر گیا۔" [1]

قدیم سیرت نگار واقدی کے حوالے سے امام ابن سعد رحمہ اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے والے سال کا تذکرہ کرتے ہوئے اسے محرم ۷ھ کا واقعہ قرار دیا ہے۔[2] گویا معوذتین کا نزول ۷ھ میں ہوا۔

بعض دیگر مفسرین نے معوذتین کو مکی سورتیں قرار دیا ہے، اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تو بھی یہ ممکن ہے کہ یہ دونوں سورتیں پہلے مکہ میں نازل ہوئی ہوں اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کے وقت دوبارہ نازل ہوئی ہوں، کیوں کہ ایسا ممکن ہے کہ ایک سورت یا کوئی آیت پہلے نازل ہو چکی ہو اور پھر دوبارہ کسی خاص موقعے پر اس کا نزول ہو، جیسا کہ اصولیوں نے اس بات کی وضاحت کر رکھی ہے۔ لہٰذا معوذتین کے متعلق بھی یہ بات کہی گئی ہے کہ پہلے ان دونوں سورتوں کا نزول مکہ میں ہوا ہو اور پھر مدینہ میں بھی ان سورتوں کا نزول ہوا ہو جب کہ صحیح حدیثوں میں مدینہ میں نازل ہونے کا ثبوت بھی موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

---

[1] طبرانی، حاکم، نسائی، ابن ابی شیبۃ، احمد، عبد ابن حمید۔ اور بخاری و مسلم وغیرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے کی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ج:۶ ص:۶۱۶ وبعدہ رقم الحدیث: ۲۷۶۱

[2] فتح الباری ۱۰/۲۲۶، اخرجہ ابن سعد مرسلاً

فصلِ چہارم: فضائل و برکات

یوں تو پورا کا پورا قرآن انسانیت کے لیے ہدایت و شفا ہے، اس کی ہر آیت تحدی و چیلنج کا درجہ رکھتی ہے، اس کی کسی بھی سورت اور آیت کی تلاوت باعثِ خیر و برکت ہے اور اس کے ہر ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔ لیکن مخصوص طور پر بھی بہت سی آیات اور سورتوں کی فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہیں، مثلاً سورۂ اخلاص کو ثلثِ قرآن کہا گیا ہے وغیرہ۔ اسی طرح معوذتین یعنی سورۂ ناس اور سورۂ فلق کے فضائل و برکات کے سلسلے میں بھی احادیث آئی ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں :

سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَمْ تَرَ آيَاتٍ أُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قَطُّ: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾، وَ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾)) ”کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آج کی رات جو آیتیں مجھ پر نازل کی گئی ہیں، وہ اس سے پہلے کبھی دیکھی نہیں گئی ہیں: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾“ [1]

سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے کہ:

((اتَّبَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِبٌ، فَوَضَعْتُ يَدِي عَلَى قَدَمِهِ، فَقُلْتُ: أَقْرِئْنِي يَا رَسُولَ اللَّهِ سُورَةَ هُودٍ، وَسُورَةَ يُوسُفَ. فَقَالَ: لَنْ تَقْرَأَ شَيْئًا أَبْلَغَ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾، وَ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾)) ”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلا، اور آپ سوار تھے تو میں نے آپ کے قدم مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، اور آپ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے سورۂ ہود اور سورۂ یوسف پڑھا دیجیے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ کے نزدیک: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ سے زیادہ بلیغ سورت تم کوئی اور نہیں پڑھو گے۔“ [2]

---

[1] صحیح مسلم : ۸۱۴

[2] سنن نسائی: ۹۵۳، ۵۴۳۹، صحیح عند الالبانی

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میری ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تو آپ نے مجھ سے فرمایا:

((يَا عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ، صِلْ مَنْ قَطَعَكَ، وَأَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ، وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ)) قَالَ: ثُمَّ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِي : ((يَا عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ، أَمْلِكْ لِسَانَكَ، وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ)) قَالَ : ثُمَّ لَقِيتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِي : ((يَا عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ، أَلَا أُعَلِّمُكَ سُوَرًا مَا أُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ، وَلَا فِي الزَّبُورِ، وَلَا فِي الْإِنْجِيلِ، وَلَا فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهُنَّ، لَا يَأْتِيَنَّ عَلَيْكَ لَيْلَةٌ إِلَّا قَرَأْتَهُنَّ فِيهَا: (قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ) وَ (قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ) وَ (قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ))

ترجمہ: ”اے عقبہ بن عامر! جو تم سے قطع رحمی کرے تم اس سے صلہ رحمی کرو، جو تمھیں محروم رکھے اسے عطا کرو اور جو تجھ پر ظلم کرے اسے معاف کر دو۔“ کہتے ہیں: میں پھر ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: ”اے عقبہ بن عامر! اپنی زبان پر قابو رکھو، اپنے گناہوں پر آنسو بہاؤ اور اپنے گھر کو لازم پکڑو یعنی بلا ضرورت کہیں نہ نکلو۔“ کہتے ہیں: پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھ سے فرمایا: ”اے عقبہ بن عامر! کیا میں تمھیں ایسی سورتوں کی تعلیم نہ دوں؟ کہ ان جیسی سورتیں نہ تورات میں نازل ہوئیں، نہ زبور میں، نہ انجیل میں اور نہ قرآن کریم (کے بقیہ حصے) میں، ہر رات تم ان کی تلاوت ضرور کیا کرو۔ وہ یہ ہیں: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾“ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں ہر رات ان کی تلاوت کرتا تھا اور اسے ترک نہ کرنا اپنے اوپر ضروری کر لیا تھا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے انھیں پڑھنے کا حکم دیا تھا۔“ [1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ، ثُمَّ نَفَثَ فِيهِمَا، فَقَرَأَ فِيهِمَا: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾، وَ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾، وَ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾، ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ يَبْدَأُ بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ وَوَجْهِهِ، وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ، يَفْعَلُ

[1] مسند احمد: ۱۷۴۵۲، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۲۸۶۱

ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ)) ”بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات جب بستر پر آرام فرمانے کے لیے آتے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر اس میں پھونکتے اور اس میں ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھتے تھے، اور پھر دونوں ہتھیلیوں کو جہاں تک ممکن ہوتا اپنے جسم پر پھیرتے تھے، اس طرح کہ پہلے سر اور چہرہ پر ہاتھ پھیرتے تھے اور پھر سامنے کے بدن پر، اور یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین دفعہ کرتے تھے۔“ [1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا بیان ہے کہ:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اشْتَكَى يَقْرَأُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ، وَيَنْفُثُ، فَلَمَّا اشْتَدَّ وَجَعُهُ كُنْتُ أَقْرَأُ عَلَيْهِ، وَأَمْسَحُ بِيَدِهِ رَجَاءَ بَرَكَتِهَا)) ”جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی طبیعت ناساز ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مُعوِّذات (قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اور معوذتین) پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک لیتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف بڑھ گئی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سورتیں پڑھتی اور آپ کا اپنا ہاتھ (آپ کے جسم اطہر) پر اس امید سے پھیرتی کہ اس سے برکت حاصل ہو گی۔“ [2]

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنْ عَيْنِ الْجَانِّ، وَعَيْنِ الْإِنْسِ، فَلَمَّا نَزَلَتِ الْمُعَوِّذَتَانِ أَخَذَ بِهِمَا وَتَرَكَ مَا سِوَى ذَلِكَ))

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنوں اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے، پھر جب معوذتین کا نزول ہوا تو آپ نے ان دونوں کو لے لیا اور ان کے سوا باقی سب کو چھوڑ دیا۔“ [3]

سیدنا عبد اللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((خَرَجْنَا فِي لَيْلَةٍ مَطِيرَةٍ وَظُلْمَةٍ شَدِيدَةٍ ؛ نَطْلُبُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي لَنَا، قَالَ: فَأَدْرَكْتُهُ، فَقَالَ: قُلْ، فَلَمْ أَقُلْ شَيْئًا، ثُمَّ قَالَ: قُلْ، فَلَمْ أَقُلْ شَيْئًا قَالَ: قُلْ، فَقُلْتُ مَا أَقُولُ قَالَ: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ

[1] صحیح بخاری : ۵۰۱۷ [2] صحیح بخاری:۵۰۱۶، مسلم:۲۱۹۲ [3] جامع ترمذی : ۲۰۵۸، اسنادہ ضعیف عند زبیر علی الزئی و صحیح عند الالبانی

حِينَ تُمْسِي وَتُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَكْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ)) ترجمہ: "ہم برسات کی ایک انتہائی اندھیری رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے کہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیا تو آپ نے فرمایا: "پڑھو"، میں نے کچھ نہیں پڑھا، پھر آپ نے فرمایا: "پڑھو" میں نے کچھ نہیں پڑھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پڑھو" میں نے عرض کیا: میں کیا پڑھوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم صبح وشام تین مرتبہ ﴿**قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ**﴾ اور معوذتین پڑھ لیا کرو، یہ تمھیں ہر چیز کے لیے کافی ہو جائیں گی۔" [1]

سیدنا ابن عابس جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

((يَا ابْنَ عَابِسٍ، أَلَا أَدُلُّكَ - أَوْ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكَ - بِأَفْضَلِ مَا يَتَعَوَّذُ بِهِ الْمُتَعَوِّذُونَ؟)) ترجمہ: "اے ابن عابس! کیا میں تمھیں وہ افضل کلام نہ بتاؤں، جس کے ساتھ پناہ مانگنے والے پناہ مانگتے ہیں؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیوں نہیں، آپ مجھے ضرور بتائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ یہ دونوں سورتیں۔" [2]

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

((أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقْرَأَ بِالْمُعَوِّذَاتِ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ)) ترجمہ: "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہر نماز کے بعد معوِّذات یعنی سورۂ اخلاص اور سورۂ فلق و سورۂ ناس پڑھنے کا حکم دیا۔" [3]

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی نکیل پکڑ کر ان گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں چل رہا تھا کہ آپ نے فرمایا:

"اے عقبہ! کیا تم سوار نہیں ہو گے؟" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی کا خیال کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر سوار ہو جاؤں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] ترمذی: ۳۵۷۵، صحیح عند الالبانی [2] نسائی: ۵۴۳۲، مسند احمد: ۱۴۴۸، الصحیحۃ: ۱۱۰۴ [3] سنن ابوداؤد: ۱۵۲۳، صحیح عند الالبانی

فرمایا: ”اے عقبہ! کیا تم سوار نہیں ہو گے؟“ تو مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں نافرمانی نہ ہو جائے، پھر آپ اترے تو میں تھوڑی دیر کے لیے سوار ہو گیا، پھر میں اتر گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو گئے اور فرمایا: ((أَلَا أُعَلِّمُكَ سُورَتَيْنِ مِنْ خَيْرِ سُورَتَيْنِ قَرَأَ بِهِمَا النَّاسُ)) ”کیا میں تمھیں دو بہترین سورتیں نہ سکھاؤں جنھیں لوگوں نے پڑھا ہے؟“ پھر آپ نے مجھے سورۂ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھائیں۔ پھر نماز قائم کی گئی تو آپ آگے بڑھے اور ان دونوں سورتوں کو پڑھا، پھر آپ میرے پاس سے گزرے تو فرمایا: ((كَيْفَ رَأَيْتَ يَا عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ؟ اقْرَأْ بِهِمَا كُلَّمَا نِمْتَ وَقُمْتَ)) ”اے عقبہ! تم نے کیسا پایا؟ جب جب سوؤ اور جب جب جاگو انھیں پڑھا کرو۔“ [1]

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے جابر پڑھو! میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں کیا پڑھوں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ نے فرمایا:

”﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھو۔“ پس میں نے یہ دونوں سورتیں پڑھیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اقْرَأْ بِهِمَا وَلَنْ تَقْرَأَ بِمِثْلِهِمَا)) ”ان دونوں سورتوں کو پڑھا کرو، تم ان جیسی سورتیں ہرگز نہ پڑھو گے۔“ [2]

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے اپنا ہاتھ زمین پر رکھا تو بچھو نے آپ کو ڈس لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جوتا مار کر اسے مار دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا:

((لَعَنَ اللهُ الْعَقْرَبَ، مَا تَدَعُ مُصَلِّيًا وَلَا غَيْرَهُ –أَوْ نَبِيًّا وَلَا غَيْرَهُ– إِلَّا لَدَغَتْهُمْ))

”اللہ بچھو پر لعنت فرمائے وہ کسی نمازی کو چھوڑتا ہے نہ کسی اور کو۔“ یا فرمایا: ”کسی نبی کو چھوڑتا ہے اور نہ کسی اور کو۔“ پھر آپ نے نمک اور پانی منگایا اور انھیں ایک برتن میں جمع کر دیا، پھر آپ

---

[1] سنن نسائی: ۵۴۳۷، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۲، صححہ الالبانی [2] سنن نسائی: ۵۴۴۱، اسنادہ حسن

صلی اللہ علیہ وسلم اس انگلی پر جہاں اس نے ڈسا تھا ڈالنے لگے، اسے ملنے لگے اور معوذ تین کے ذریعہ اس سے پناہ طلب کرنے لگے۔[1]

مذکورہ بالا احادیثِ نبویہ معوذ تین کی فضیلت و اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان احادیث کے اندر معوذ تین کے فضائل وبرکات سے متعلق جو باتیں کہی گئی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(1) یہ دونوں سورتیں انتہائی بلیغ و بے مثال ہیں۔

(2) معوذ تین اور سورۂ اخلاص جیسی سورتیں، توریت زبور اور انجیل کیا قرآن کریم میں بھی نہیں ہیں۔

(3) سونے سے پہلے انھیں اور سورۂ اخلاص کو تین مرتبہ پڑھ کر ہاتھ میں پھونکنا اور ہاتھ کو چہرے اور پورے بدن پر ملنا مسنون ہے۔

(4) نیز صبح وشام انھیں تین تین بار پڑھنا ہر چیز کے لیے کافی ہونے کا ذریعہ ہے۔

(5) انھیں مریض و بیمار شخص پر پڑھ کر دم کرنا مسنون ہے۔

(6) جنوں اور انسانوں کے نظر بد سے بچنے کے لیے یہ سورتیں اللہ سے پناہ مانگنے کا عمدہ ذریعہ ہیں۔

(7) ہر نماز کے بعد ان کا پڑھنا مسنون ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کو اس کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح نمازوں میں بھی انھیں پڑھنا مسنون ہے، حتیٰ کہ نمازِ فجر میں بھی آپ نے اس کی تلاوت فرمائی ہے، جیسا کہ عقبہ رضی اللہ عنہ کی دیگر روایتوں میں اس کی صراحت موجود ہے۔

(8) پناہ مانگنے کے لیے سب سے افضل کلمات ہیں۔

(9) بچھو وغیرہ کے ڈسنے پر اس کے ذریعہ دم کرنا شفایابی کا ذریعہ ہے۔

(10) یہ دونوں سورتیں جادو کے توڑ کے لیے بھی تریاق ہیں، جیسا کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کا بیان ہوا ہے۔ وغیرہ

---

[1] شعب الایمان للبیہقی: ۲۵۷۵، مصنف ابن ابی شیبۃ: ۲۳۵۵۳، حافظ زبیر علی زئی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح مترجم بتحقیق زبیر علی زئی ج۲ ص: ۱۳۰۷ ح: ۴۵۶۷، اور طبرانی میں ”قل یا ایھا الکافرون“ کا بھی ذکر ہے۔ دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۵۴۸

فصلِ پنجم: پس منظر اور معوذتین کے مضامین

نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں سے اسلام پوری تیزی و تندی کے ساتھ پھیلنے لگا، آئے دن لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار اور اسلام کی صداقت و حقانیت سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہونے لگے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ سامنے آیا کہ اسلام اور مسلمانوں کی جمعیت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ اسلام اور مسلمانوں کی یہ بادِ بہاری اور مضبوطی کافروں بالخصوص مدینہ کے یہودیوں سے دیکھی نہیں گئی، سدا کے عیار و مکار، چال باز و دغاباز یہودیوں کے لیے دینِ اسلام کی یہ سربلندی ایک آنکھ نہ بھائی اور ان کے لیے چیلنج کا مسئلہ بن گئی۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتمہ کی پلاننگ کرنے لگے یا پھر ایسی تدبیر کے لیے سرگرداں ہو گئے، جس سے اسلام کا خاتمہ ہو جائے یا پھر اسلامی تعلیمات مشکوک ہو کر رہ جائیں۔ ان لوگوں نے خفیہ مکر و فریب کے ذریعہ اپنے اس ناپاک عزائم اور منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی بارہا کوشش کی، مگر انھیں ہر بار منہ کی کھانی پڑی۔ سچ ہے:

خدا کی مصلحت ہوتی ہے، جن پھولوں کے کھلنے میں
کبھی وہ دھوپ کی شدت سے، کمہلایا نہیں کرتے

اسی سلسلے کی ایک کڑی فریب خوردہ لبید بن اعصم نامی منافق کا کارنامہ بھی ہے، اس نے رؤسائے یہود کی مرضی و منشا کے مطابق رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا اور ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اثر بھی ہوا۔ ایسی نازک گھڑی میں اللہ تعالیٰ نے معوذتین کو نازل فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے تمام مسلمانوں کو ابتداءً عمومی طور پر مخلوقات کے جملہ شرور سے اللہ کی پناہ مانگنے کی تاکید فرمائی اور پھر خصوصی طور پر عظیم تر شرور کا تذکرہ فرمایا۔

سورۂ فلق کے اندر اوّلاً : تمام مخلوقات کے شر سے عمومی طور پر پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا۔ اس عموم میں انس و جن اور شیاطین و حیوانات نیز ہر اس چیز سے پناہ مانگنے کا حکم ہے، جس سے انسان کو کسی بھی طرح کا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اس عموم میں جہنم اور ابلیس و اولاد ابلیس بھی داخل ہیں۔

ثانیاً : اندھیری رات کے شر سے جب کہ وہ پھیل جائے، پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا۔ کیوں کہ عموماً رات کی تاریکی ہی میں شر پسند عناصر کو ابھرنے کا موقع ملتا ہے اور جرائم پیشہ افراد بھی اپنے ناپاک و مذموم ارادوں کو عموماً رات ہی میں عملی جامہ پہناتے ہیں، اندھیری رات ہی میں درندے اور موذی جانور نمودار ہوتے ہیں، نیز رات کی گھٹاٹوپ تاریکی میں ہر چہار جانب ڈر و خوف کا اندیشہ رہتا ہے۔ یہاں ان باتوں سے یہ غلط فہمی بھی نہیں ہونی چاہیے کہ رات میں خیر کا نزول ہی نہیں ہوتا ہے۔ رات کی تاریکی سے متعلق سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا كَانَ جُنْحُ اللَّيْلِ أَوْ أَمْسَيْتُمْ، فَكُفُّوا صِبْيَانَكُمْ، فَإِنَّ الشَّيَاطِينَ تَنْتَشِرُ حِينَئِذٍ، فَإِذَا ذَهَبَ سَاعَةٌ مِنَ اللَّيْلِ فَحُلُّوهُمْ فَأَغْلِقُوا الْأَبْوَابَ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَابًا مُغْلَقًا، وَأَوْكُوا قِرَبَكُمْ، وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ، وَخَمِّرُوا آنِيَتَكُمْ، وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ، وَلَوْ أَنْ تَعْرُضُوا عَلَيْهَا شَيْئًا، وَأَطْفِئُوا مَصَابِيحَكُمْ))

ترجمہ: ”جب رات کی ابتدا ہو یا جب تم شام کرو تو اپنے بچوں کو (گھروں میں) روک لو (باہر نہ نکلنے دو) کیوں کہ اس وقت شیاطین پھیل جاتے ہیں۔ پھر جب رات کی ایک گھڑی گزر جائے تو انھیں چھوڑ دو اور دروازے بند کر لو اور اللہ کا نام لو، اس لیے کہ شیطان بند دروازے کو نہیں کھولتا ہے، اپنے مشکیزوں کا منہ باندھ دو اور اللہ کا نام لو، اور اللہ کا نام لے کر اپنے برتنوں کو ڈھک دو خواہ کسی چیز کو چوڑائی میں رکھ کر ہی ڈھکو، اور اپنے چراغوں کو بجھا دو۔“ [1]

---

[1] صحیح بخاری : ۵۶۲۳، صحیح مسلم : ۲۰۱۲

ثالثاً : گرہوں میں پھونکنے والی جادوگرنیوں اور جادوگروں کے شر سے پناہ مانگنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ آیت کریمہ میں واقع لفظ ''نفاثات'' سے قطعی طور پر جادوگر مراد ہیں، خواہ یہ عورتیں ہوں جیسا کہ لفظ ہی سے ظاہر ہے اور خواہ یہ مرد ہوں بایں معنیٰ کہ نفاثات کو جماعات یا نفوس کی صفت مانا جائے، بہر صورت یہ لفظ مرد و عورت دونوں کو شامل ہے اور جادو کرنے والی عورتوں اور مردوں کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس کی تفسیر مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادۃ اور ضحاک رحمہم اللہ وغیرہم نے ''سواحر'' سے کی ہے۔

رابعاً : حاسد کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ کسی کی نعمت کے زوال کی آرزو اور تمنا کرنے کو حسد کہتے ہیں۔ حاسد جب حاسدانہ کارروائی کرنے لگے اور جوشِ حسد میں کوئی غلط اقدام کر گزرنے کی تاک میں ہو تو ایسے موقع پر حاسد اور اس کے شرور وفتن اور اذیتوں سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے، وہی حسد اور جملہ شرور سے پناہ دے سکتا ہے۔ اور حاسد کے اندر عائن بھی داخل ہے، کیوں کہ شریر الطبع اور خبیث النفس حاسد ہی سے حسد اور نظرِ بد کا صدور ہوتا ہے۔

بہر حال یہ سورۂ کریمہ عام طور پر اور خاص طور پر تمام طرح کے شر سے استعاذہ کو شامل ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اللہ رب العالمین پر اپنا ایمان و عقیدہ مضبوط رکھیں اور ہر مصیبت وبلا اور شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور اس کی حفاظت طلب کریں، کسی اور سے پناہ نہ مانگیں۔ ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگ ایسے پائے جاتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں مُردوں، مجذوبوں اور نام نہاد ولیوں سے پناہ طلب کرکے اپنا ایمان و عقیدہ خراب کرتے ہیں، بلکہ بہت سے لوگ اس قدر ضعیف الاعتقاد ہوتے ہیں کہ مزاروں کے جھنڈوں، قبروں کے خس و خاشاک اور ولیوں کے آثار کو پناہ طلبی کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اور انہی چیزوں پر بھروسہ کرتے ہوئے ان سے اپنی امیدیں وابستہ رکھتے ہیں، جب کہ استعاذہ کے یہ کلمات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ صرف اور صرف اللہ رب العالمین

سے پناہ طلب کی جائے اور اسی کو اپنا ملجا و ماویٰ سمجھا جائے اور ہر طرح کی مدد و حفاظت کے لیے صرف اور صرف اسی پروردگارِ عالم کو پکارا جائے۔

جس طرح سورۂ فلق استعاذہ پر مشتمل ہے، سورۂ ناس بھی استعاذہ پر مشتمل ہے اور اس سورہ شریفہ کے اندر اللہ تعالیٰ کو اس کی تین مہتم بالشان صفات، ربوبیت، ملکیت اور معبودیت سے یاد کرکے وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس سورہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس میں اللہ تعالیٰ عزوجل کی تین صفتیں بیان ہوئی ہیں، پالنے اور پرورش کرنے کی، مالک اور شہنشاہ ہونے کی، معبود اور لائق عبادت ہونے کی، تمام چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں، اسی کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی غلامی میں مشغول ہیں، پس وہ حکم دیتا ہے کہ ان پاک اور برتر صفات والے اللہ کی پناہ میں آجائے، جو بھی پناہ اور بچاؤ کا طالب ہو، شیطان جو انسان پر مقرر ہے، اس کے وسوسوں سے بچانے والا ہے، ہر انسان کے ساتھ یہ ہے۔ برائیوں اور بدکاریوں کو خوب مزین کرکے لوگوں کے سامنے وہ پیش کرتا رہتا ہے اور بہکانے میں، راہ راست سے ہٹادینے میں کوئی کمی نہیں کرتا، اس کے شر سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے، جسے اللہ بچالے۔“ [1]

اس سورۂ مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے اور پیچھے ہٹ جاتا ہے، یعنی بندۂ مومن جب اللہ سے غافل ہوتا ہے تو شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے اور جب اللہ کو یاد کرتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ رب العالمین نے فرمایا:

﴿وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ ٱلرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُۥ شَيْطَٰنًا فَهُوَ لَهُۥ قَرِينٌ﴾

ترجمہ: ”اور جو شخص رحمان کی یاد سے غفلت برتتا ہے، ہم اس پر ایک شیطان مقرر کردیتے ہیں، پس وہی اس کا ساتھی ہوجاتا ہے۔“ [الزخرف:۳۶]

سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

[1] تفسیر ابن کثیر ۵/ ۶۶۳

((الشیطانُ جاثمٌ علیٰ قلبِ ابنِ آدمَ، فَإذا سَهَا و غَفَلَ وَسْوَسَ وَإذا ذَکر الله خنسَ))

ترجمہ: ”شیطان اولادِ آدم کے دل پر بیٹھ جاتا ہے، پس جب بندے سے بھول ہوئی اور غفلت میں پڑا تو شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے اور جب بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔“ [1]

اسی طرح سورت کی آخری آیت سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ وسوسہ اندازی شیاطین الجن اور شیاطین نما انسانوں کی جانب سے بھی ہوتی ہے، اسی لیے دونوں کے شرور سے اس سورہ میں اللہ کی پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

سورۂ فاتحہ اور معوذتین میں مناسبت

قرآن کریم کی ابتداء سورۂ فاتحہ اور انتہا معوذتین پر ہوئی ہے۔ سورۂ فاتحہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، اس کی تحمید و تمجید، توحید اور دعا پر مشتمل ہے، اسی طرح معوذتین بھی دعا و استعاذہ اور اللہ رب العالمین کی توحید پر مشتمل ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے اندر توحید کی تینوں قسموں کا بیان ہے۔ چناں چہ ﴿ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾ سے توحید الوہیت کا اثبات ہو رہا ہے اور ﴿رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾ نیز ﴿ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ﴾ سے توحید اسماء و صفات کا اثبات ہو رہا ہے۔ ﴿مَٰلِكِ يَوْمِ ٱلدِّينِ﴾ سے توحید ربوبیت اور ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ سے توحید الوہیت کا اثبات ہو رہا ہے۔

جس طرح سورۂ فاتحہ کے اندر توحید کی تینوں قسموں کا بیان ہے، اسی طرح سورۂ ناس کے اندر بھی توحید کی تینوں قسموں کا بیان ہے۔ چناں چہ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ ٱلْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ ٱلنَّاسِ﴾ جو کہ سپیدۂ سحر کو ظلمتِ شب سے نمودار کرنے والے لوگوں کے رب سے استعاذہ پر مشتمل ہے، اور اللہ سے استعاذہ طلب کرنا عبادت ہے، جس سے توحید الوہیت کا اثبات ہو رہا ہے اور ﴿بِرَبِّ ٱلنَّاسِ﴾ سے توحید ربوبیت اور توحید اسماء و صفات دونوں کا

[1] تفسیر طبری جامع البیان ۲۴/ ۷۵۴

اثبات ہورہاہے، کیوں کہ "رب" اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک ہے اور وہ ہر ایک شی کا رب ہے۔ نیز ﴿مَلِكِ ٱلنَّاسِ﴾ توحید ربوبیت اور توحید اسماء و صفات پر دلالت کرتی ہے۔ اور ﴿إِلَٰهِ ٱلنَّاسِ﴾ توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات پر دلالت کرتی ہے۔ یہیں سے اس بات کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ توحید ربوبیت اور توحید اسماء و صفات یہ دونوں قسمیں توحید الوہیت کو شامل ہیں اور توحید الوہیت بھی ان دونوں قسموں کو شامل ہے۔

سورۂ فاتحہ کے اندر مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرکے اس کی حمد و ثنا کرتے ہوئے ﴿ٱهۡدِنَا ٱلصِّرَٰطَ ٱلۡمُسۡتَقِيمَ﴾ کہہ کر صراطِ مستقیم کی رہنمائی کے لیے اللہ رب العالمین سے دعا مانگی گئی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے پورا قرآن دیا اور اخیر میں اس بات کی وضاحت کردی گئی کہ ہدایت و صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے اور فتن و شرور سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ تمام فِتَن و شرور سے اللہ رب العالمین کی پناہ طلب کی جائے، بطور خاص خود اپنے نفس کے وسوسے اور جن و شیاطین نیز دیگر انسانوں کے وسوسوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جائے۔

قرآن کریم کا آغاز اللہ رب العالمین کے حمد سے ان لفظوں ﴿ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ﴾ کے ذریعہ ہوا ہے، یہ اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ ہر کام کی ابتدا میں بالخصوص دعا وغیرہ کے شروع میں رب العالمین کی ستائش اور حمد وثنا کا بیان اور اس کے نام کا ذکر ہونا ضروری ہے۔ اور قرآن کا اختتام ﴿مِنَ ٱلۡجِنَّةِ وَٱلنَّاسِ﴾ پر ہوا ہے، اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ قرآن کا نزول جن وانس دونوں کے لیے ہوا ہے، وہی اس کے مخاطب ہیں اور تمام مخلوقات میں یہی دونوں ایسی مخلوق ہیں، جنھیں ان احکام کا پابند بنایا گیا ہے، اس سے تمام مخلوقات میں ان کی برتری ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ وہ شیطانی اور نفسانی وساوس سے خود کو بچائیں۔

توحید کی قسمیں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں توحید کی تینوں قسموں کی مختصر تشریح و وضاحت کر دی جائے۔ توحید کی تینوں قسموں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

توحید ربوبیت: توحید ربوبیت کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اس بات کا پختہ یقین و اعتماد رکھے کہ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق، مالک، رازق، متصرف اور مدبر و کارساز ہے، وہی زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے، وہ اپنے افعال میں یکتا و یگانہ ہے، اس کا کوئی شریک و مساوی اور مماثل و مشابہہ نہیں ہے، اور زمین و آسمان کا پورا نظام اسی کے اشارے سے رواں دواں ہے۔

توحید الوہیت: اس کو توحیدِ عبادت بھی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کی جملہ اقسام کا حقیقی مستحق تنہا اللہ تعالیٰ ہے، وہی ساری کائنات کا الٰہ ہے، اسی کے لیے تمام طرح کی ظاہری و باطنی اور قولی و عملی عبادتیں روا ہیں، اللہ کے سوا کوئی اور اس کا مستحق نہیں ہے۔

توحید اسماء و صفات: اس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنتِ صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے جو اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ علیا بیان ہوئے ہیں ان پر ایمان لایا جائے اور اس بات کا پختہ یقین و اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام اسماء و صفات میں منفرد و یکتا اور بے مثال ہے، اور کسی بھی شخص کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات تسلیم نہ کی جائے، اور ان اسماء و صفات کو اسی طرح تسلیم کیا جائے جس طرح کتاب و سنت میں ان کا بیان ہوا ہے، اپنی طرف سے ان میں تاویل نہ کی جائے اور نہ ان کی کیفیت بیان کی جائے اور اس سلسلے میں تحریف، تعطیل، تفویض اور تمثیل کا طریقہ بھی نہ اپنایا جائے۔

باب دوم

مضامینِ معوذتین

(پہلے باب میں معوذتین کی تفسیر و وضاحت کی جا چکی ہے، جس میں معوذتین میں بیان ہوئے موضوعات کا ذکر اجمالی طور پر آچکا ہے۔ یہاں اس باب کے اندر معوذتین کے اندر بیان ہوئے مضامین پر قدرے تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔ اِن شاء اللہ)

فصلِ اوّل: تعوُّذ و استعاذہ

معوذ تین کا بنیادی اور مرکزی مضمون تعوُّذ و استعاذہ ہے، اس لیے سب سے پہلے آنے والے سطور میں اسی کے متعلق قدرے تفصیلی گفتگو کی جائے گی اور پھر اس کے بعد والی دیگر فصول میں معوذ تین کے دوسرے مضامین و اہداف پر گفتگو کی جائے گی۔ اِن شاء اللہ

غیر اللہ سے استعاذہ شرک ہے

تعوُّذ و استعاذہ کا لغوی معنٰی ہے پناہ لینا، لازم پکڑنا اور بچاؤ کے لیے کسی کی حفاظت میں جانا، کسی کی پناہ میں آنا۔ اور شرعاً پناہ طلب کرنا عبادت کی ایک قسم ہے، جو صرف اللہ رب العالمین کا حق ہے اور اس کے علاوہ کسی اور سے پناہ طلب کرنا جائز اور درست نہیں ہے، بلکہ غیر اللہ سے استعاذہ شرک ہے۔ سورۂ فلق اور سورۂ ناس کے اندر جو پناہ مانگی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استعاذہ دعا و عبادت ہے، اور غیر اللہ کے لیے عبادت کا بجالانا شرک ہے۔

در حقیقت استعاذہ اور پناہ طلبی سے مراد اللہ تعالیٰ سے اس کی حفاظت اور اس کی پناہ طلب کرنے کے لیے دعا کرنا ہے اور جب یہ دعا ہے تو عبادت بھی ہے اور یہ معلوم بات ہے کہ ہر طرح کی عبادت کا مستحق اور حق دار صرف اور صرف اللہ ہے اور کسی بھی طرح کی عبادت کو کسی غیر اللہ کے لیے بجالانا شرک ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی بیش تر آیات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں، انبیائے کرام کی بعثت بھی اسی لیے ہوئی کہ وہ انسانوں کو خالص اللہ کی عبادت کی طرف بلائیں اور انھیں طاغوت کی پرستش سے روکیں اور تمام مسلمانوں کا بھی اس بات پر اتفاق ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اللہ رب العالمین کے علاوہ دوسری مخلوقات سے استعاذہ اور پناہ طلب کرنا شرکِ اکبر ہے۔

دراصل پناہ اسی وقت طلب کی جاتی ہے، جب پناہ طلب کرنے والا کسی چیز سے ڈر اور خوف محسوس کرتا ہے، اور پھر وہ ایسی ذات کی طرف رجوع کرتا ہے، جو اسے پناہ دے سکے، جو اس کی حفاظت کر سکے، جو اسے بچا سکے اور جس میں اتنی طاقت ہو کہ وہ پیش آمدہ خطرات کو ٹال سکے، اس طرح پناہ طلب کرنے والا، جس سے پناہ طلب کرتا ہے اس پر اس کا مکمل اعتماد و بھروسہ ہوتا ہے اور اس سے وہ دلی وابستگی رکھتا ہے۔ اور یہ سب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے روا ہے اور وہی اس کا مستحق ہے، وہی شر سے پناہ دیتا ہے اور کسی میں تاب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں پناہ دے سکے۔ اللہ تعالیٰ ہی امراض اور پریشانیوں کو دور کرنے والا ہے، وہ کسی کے ساتھ بھلائی یا نقصان کرنا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا ہے۔ اسی لیے صرف اور صرف اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے، اسی سے مدد اور اسی کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

● ﴿وَإِن يَمْسَسْكَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُۥٓ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾﴾ ”اور اگر اللہ تمھیں کسی طرح کا کوئی نقصان پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں اور اگر وہ تمھیں کوئی بھلائی عطا کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ [الانعام:١٧] ● ﴿وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ﴾ ”اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جاتی۔“ [المومنون:٨٨]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (ساتھ سواری پر) پیچھے تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے! بے شک میں تمھیں چند کلمات بتا رہا ہوں:

((احْفَظْ اللَّهَ يَحْفَظْكَ احْفَظْ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ)) ترجمہ: ”تم اللہ (کے احکام) کی حفاظت کرو وہ تمھاری حفاظت فرمائے گا، تم اللہ (کے حقوق) کا خیال رکھو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم

(کچھ) مانگو تو صرف اللہ سے مانگو، جب تم مدد طلب کرو تو صرف اللہ سے مدد طلب کرو، اور یہ بات جان لو کہ اگر پوری امت بھی جمع ہو کر تمھیں کچھ نفع پہنچانا چاہے تو وہ تمھیں اس سے زیادہ کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتی، جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر وہ تمھیں کچھ نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو اس سے زیادہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی، جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لیے گئے اور (تقدیر کے) صحیفے خشک ہو گئے۔" [1]

استعاذہ کے ارکان

استعاذہ میں ایک چیز وہ ہوتی ہے، جس سے ڈر کر پناہ مانگی جاتی ہے اور بچاؤ کی دہائی دی جاتی ہے، یعنی مستعاذ منہ، اور یہ مختلف نوعیت کی ہو سکتی ہے۔ مثلاً: بیماری، دکھ، تکلیف، دشمن کا خوف، درندے کا پھاڑ کھانا، طوفان، ظالم کا ظلم اور معاصی و گناہ وغیرہ۔

دوسرے بذاتِ خود استعاذہ یعنی پناہ طلب کرنا ہے۔ اور انسان اسی وقت پناہ طلب کرتا ہے، جب وہ کسی چیز سے خوف زدہ ہوتا ہے۔

تیسرے وہ ذات، جس سے پناہ طلب کی جاتی ہے، یعنی مستعاذ بہٖ۔ ظاہر سی بات ہے، جس سے پناہ مانگی جائے گی پناہ مانگنے والے کے ذہن میں اس کی عظمت و سربلندی اور اس کی سطوت و بے پناہ قوت کا تصور موجود ہو گا، اور اس سے اس کا دلی لگاؤ بھی ہو گا۔

اور چوتھے خود پناہ مانگنے والے کی ذات ہوتی ہے کہ وہ کسی مصیبت و تکلیف سے پناہ چاہتا ہے، یعنی مستعیذ۔

اس طرح پناہ مانگنے والا شخص اپنے رب، معبود اور مالک کی طرف بھاگتا ہے اور ہلاک کرنے والی چیزوں سے اس کی پناہ مانگتا ہے۔ کبھی اس کی ذات کے ذریعہ تو کبھی اس کی صفاتِ عالیہ کے ذریعہ۔ اس لیے جس طرح کسی اور کے لیے سجدہ کرنا، کسی اور کے لیے قیام کرنا، کسی اور سے دعائیں مانگنا، کسی اور کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنا، اللہ کی طرح کسی اور کی تعظیم کرنا، اللہ

[1] جامع ترمذی :۲۵۱۶، مسند احمد:۲۶۶۹، مشکوۃ المصابیح مترجم بتحقیق زبیر علی زئی:۵۳۰۲، حسن عندہ

کی طرح کسی اور سے محبت کرنا وغیرہ شرک ہے اسی طرح اللہ رب العزت کے علاوہ کسی اور سے پناہ مانگنا بھی شرک ہے۔ شیخ عبد الرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"پناہ اس وقت مانگی جاتی ہے، جب انسان کو کوئی ایسا خطرہ در پیش ہو، جس کی مدافعت کرنے کی وہ اپنے آپ میں ہمت نہ پاتا ہو۔ اور اس ہستی سے پناہ مانگی جاتی ہے، جو نہ صرف یہ کہ پناہ مانگنے والے سے زیادہ طاقت ور ہو بلکہ اس چیز سے بھی طاقت ور ہو، جس سے حملہ یا تکلیف کا خطرہ در پیش ہے۔ اور سب سے زیادہ طاقت ور اور ظاہری اسباب کے علاوہ باطنی اسباب پر حکمراں اللہ کی ذات ہے۔ لہٰذا پناہ صرف اسی سے مانگنی چاہیے۔ بالخصوص اس صورت میں جب کہ ظاہری اسباب مفقود ہوں۔ ایسی صورت میں اللہ کے علاوہ کسی دوسرے سے پناہ مانگنا شرک ہے، جیسا کہ دور جاہلیت میں لوگ جب کسی جنگل میں مقیم ہوتے تو اپنے مزعومہ عقائد کے مطابق وہاں کے جنوں کے بادشاہ سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ ہاں اگر ظاہری اسباب کی بنا پر کسی سے پناہ مانگی جائے تو یہ جائز ہے۔ تاہم بھروسہ صرف اللہ کی ذات پر ہی کرنا چاہیے۔" [1]

استعاذہ کی جوازی صورت

نفع و ضرر کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس کے سوا کوئی نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے، ہاں ظاہری اسباب کی حد تک اللہ تبارک و تعالیٰ کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کا سبب بنا سکتا ہے، اس لیے ظاہری اسباب کا سہارا لینا یا کسی کی مدد کرنا یا کسی سے مدد لینا جائز ہے۔ اسی طرح ظاہری اسباب کو بروئے کار لا کر کسی کا سہارا لینا یا کسی سے مدد کی درخواست کرنا یا کسی کی پناہ لینا مثلاً شدتِ دھوپ سے بچنے کے لیے کسی درخت یا عمارت کے سائے میں پناہ لینا، بیماری کے وقت دوا کا سہارا لینا، ظالم کے خلاف حاکم و عدالت کا سہارا لینا اور اس سے مدد کی اپیل کرنا شرعاً جائز اور مباح ہے۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿وَتَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰۖ وَلَا تَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ﴾ ترجمہ: "نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں آپس

[1] تیسیر القرآن ۴/ ۷۱۳

میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ وزیادتی کے کاموں میں کسی کی مدد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرو یقیناً اللہ کی سزا بہت سخت ہے۔" [المائدۃ:۲]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((...وَاللهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ أَخِيْهِ...)) ترجمہ: "اللہ بندے کی مدد میں رہتا ہے، جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔" [1]

معلوم ہوا کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا جائز اور مستحسن عمل ہے۔ ایسے ہی مخلوقات میں سے کسی آدمی کی پناہ پکڑنا، جو اس کے بس میں ہو اور جس کے ذریعہ محفوظ ہو جانا ممکن ہو، یا کسی محفوظ مقام کی پناہ میں آنا یا کسی سائے کی پناہ لینا، جن کے ذریعہ محفوظ ہو جانا ممکن ہو تو شرعاً ایسا کرنا جائز و درست اور مستحسن عمل ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((سَتَكُونُ فِتَنٌ، الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي، مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ، فَمَنْ وَجَدَ فِيهَا مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهِ))

ترجمہ: "عنقریب فتنے ہوں گے، ان میں بیٹھا رہنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہو گا، اور ان میں کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہو گا، اور ان میں چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا، جو ان کی طرف جھانکے گا بھی وہ اسے اوندھا کر دیں گے اور جس کو اس کے درمیان بچنے کی کوئی جگہ یا کوئی پناہ گاہ مل جائے وہ اس کی پناہ حاصل کرے۔" [2]

مگر یہ بات ذہن میں رہے کہ حقیقی پناہ اور سہارا دینے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کی مشیت اور حکم کے بغیر کوئی کسی بھی فرد کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔ ظاہری اسباب کو اپنانا اور توکل و اعتماد اللہ پر رکھنا ضروری ہے، توکل یہ نہیں ہے کہ آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہے اور نتیجہ و ثمرہ اللہ کے حوالے کر دے، بلکہ توکل یہ ہے کہ آدمی اسباب کو بروئے کار لائے، محنت وتگ و دو کرے اور پھر نتیجہ اللہ کے حوالے کر دے۔ اس لیے انسان کے لیے اللہ

[1] صحیح مسلم : ۲۶۹۹ [2] صحیح بخاری : ۷۰۸۱، صحیح مسلم : ۲۸۸۶

رب العالمین کے علاوہ کسی اور ہستی سے کسی ایسی چیز کے بارے میں پناہ طلب کرنا جس پر اللہ کے سوا کوئی اور قادر نہیں ہے جائز و حلال نہیں ہے، مثلاً مُردوں اور غائب زندوں کو مدد کے لیے پکارنا، مصیبتوں اور تکلیفوں کو دور کرنے کے لیے ان سے پناہ مانگنا وغیرہ، جو پناہ دینے پر قدرت نہ رکھتے ہوں۔ شیخ صالح بن عبد العزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ جو چیز مخلوق کے بس میں ہے اس کی پناہ مخلوق سے مانگنا جائز ہے تو یہ اس وجہ سے کہ ایسے دلائل موجود ہیں، جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ مخلوق سے پناہ، محض زبانی طور پر مانگی جاتی ہے، دلی طمانیت اور لگاؤ اللہ عزوجل ہی کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ حسنِ ظن ہوتا ہے کہ یہ بندہ تو محض ایک سبب ہے، در حقیقت پناہ دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لہٰذا جب ظاہری طور پر مخلوق سے پناہ مانگی جائے اور دلی رجحان اور توجہ مخلوق کی طرف نہ ہو تو پھر مخلوق سے پناہ مانگنا جائز ہو گا۔ اسی لیے اہلِ خرافات کا یہ قول باطل ہے کہ مُردوں، جنات، اولیاء کرام اور دیگر مخلوق سے ان چیزوں کی پناہ مانگنا جائز ہے، جو ان کی قدرت اور طاقت میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں پناہ دینے کی قدرت بھی دے رکھی ہے۔" [1]

غیر شرعی استعاذہ

موجودہ دور میں ہمارے معاشرے کے اندر ایسی بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں جو عقیدۂ توحید کے خلاف ہیں۔ چناں چہ استعاذہ کے متعلق بھی اسی طرح کی متعدد خامیاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً مصیبت و پریشانی کے وقت ظاہری اسباب کو ترک کر کے کسی پیر بزرگ سے پناہ طلب کی جاتی ہے، نبی کی ذات کو مختارِ کل سمجھا جاتا ہے، اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو مدد و پناہ کے لیے پکارا جاتا ہے، مُردوں اور غیر حاضر زندوں سے پناہ طلب کی جاتی ہے، بیماریوں کو دور کرنے کے لیے طرح طرح کے شرکیہ ہتھکنڈے اپنائے جاتے ہیں، کوئی امام ضامن لٹکائے ہوئے ہے تو کوئی سیپی گھونگھا یا کوڑی کا ہار گلے میں لٹکائے ہوئے ہے، کوئی شرکیہ قسم کی جھاڑ پھونک کے خرافات میں مبتلا ہے تو کوئی خرافات پر مشتمل تعویذ گنڈا کا سہارا لیے ہوئے ہے اور کوئی قرآنی تعویذ کے

[1] غایۃ المرید شرح کتاب التوحید، ص:۸۹

نام پر شرکیہ تعویذات کو حرزِ جاں بنائے ہوئے ہے۔ اور پھر عقیدہ یہ رکھا جاتا ہے کہ ہمیں اس سے نجات مل جائے گی، اور اسی سے تکلیفوں کا مداوا ہوگا۔ حالاں کہ مصیبتوں میں ہمیں اللہ کو پکارنا چاہیے، پریشانیوں اور بیماریوں سے اس کی پناہ طلب کرنی چاہیے، کیوں کہ وہی حقیقی پناہ دینے والا ہے، وہی شفا دینے والا ہے، وہی قادرِ مطلق اور مسبب الاسباب ہے، اور سب اس کے محتاج ہیں۔ جو لوگ اللہ رب العالمین کے در کو چھوڑ کر کسی اور سے پناہ مانگتے ہیں وہ گمراہ اور راہِ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ کفارِ مکہ یہی تو کرتے تھے کہ جب کہیں کسی وادی میں پڑاؤ ڈالتے تو جنوں سے پناہ طلب کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل عقیدے کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿وَأَنَّهُۥ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ ٱلْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ ٱلْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ۝٦﴾ ترجمہ: ”اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ بعض جنوں کی پناہ مانگا کرتے تھے، اس سے جنوں کی سرکشی اور بڑھ گئی تھی۔“ [الجن:٦]

آج بھی یہ بیماری عام ہے کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے تعوّذ و استعاذہ اور اس سے دعا و استمداد کے بجائے شیطانی ہتھکنڈوں کو اپنایا جاتا ہے، اور انھیں پر اعتماد و بھروسہ کیا جاتا ہے۔

انسانی دشمن سے بچاؤ کی تدبیر

شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہے، وہ ہمیشہ انسان کو گمراہ کرنے کی تاک میں لگا رہتا ہے، اور اس کے لیے مختلف ہتھکنڈے اپناتا ہے تاکہ انسانوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا کر گمراہ کر سکے۔ اسی لیے قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ میں شیاطین کے دامِ فریب سے بچنے اور ان کے جملہ شرور سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ رب العالمین کی پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿خُذِ ٱلْعَفْوَ وَأْمُرْ بِٱلْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ ٱلْجَٰهِلِينَ ۝١٩٩ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ نَزْغٌ فَٱسْتَعِذْ بِٱللَّهِ ۚ إِنَّهُۥ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝٢٠٠﴾ ”(اے نبی!) عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کرو، نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے منھ موڑ لیا کرو۔ اور اگر تمھیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آجائے تو اللہ کی پناہ مانگو، بے شک وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔“ [الاعراف:١٩٩-٢٠٠]

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ٱدۡفَعۡ بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُ ٱلسَّيِّئَةَۚ نَحۡنُ أَعۡلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ۝٩٦ وَقُل رَّبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنۡ هَمَزَٰتِ ٱلشَّيَٰطِينِ ۝٩٧ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَن يَحۡضُرُونِ ۝٩٨﴾ ترجمہ: ”برائی کو بھلائی سے ٹال دو، جو کچھ باتیں وہ بناتے ہیں ہم خوب جانتے ہیں۔ اور کہو کہ اے میرے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے میرے رب! اس سے بھی میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔“ [المومنون:۹۶تا۹۸]

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَسۡتَوِي ٱلۡحَسَنَةُ وَلَا ٱلسَّيِّئَةُۚ ٱدۡفَعۡ بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُ فَإِذَا ٱلَّذِي بَيۡنَكَ وَبَيۡنَهُۥ عَدَٰوَةٞ كَأَنَّهُۥ وَلِيٌّ حَمِيمٞ ۝٣٤ وَمَا يُلَقَّىٰهَآ إِلَّا ٱلَّذِينَ صَبَرُواْ وَمَا يُلَقَّىٰهَآ إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٖ ۝٣٥ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ ٱلشَّيۡطَٰنِ نَزۡغٞ فَٱسۡتَعِذۡ بِٱللَّهِۖ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡعَلِيمُ ۝٣٦﴾ ترجمہ: ”نیکی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی ہیں، (برائی کو اس بھلائی کے ساتھ) دفع کرو، جو بہت اچھا ہو، (آپ دیکھو گے کہ) تم میں اور جس دوسرے شخص میں دشمنی تھی وہ تمھارا انتہائی قریبی دوست ہے۔ یہ صفت صبر کرنے والوں کو ملتی ہے اور جو بڑے نصیب والے ہیں انھیں یہ مقام حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر تمھیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آ جائے تو اللہ کی پناہ مانگو، بے شک وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔“ [حٰم السجدۃ:۳۴تا۳۶]

مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے بہت ہی اہم اخلاقی تعلیمات کی ہدایت فرمائی ہے۔ ان آیات کے اندر شیطان نما انسانوں کے چال سے بچنے کے لیے حسنِ خلق، نرمی، ترکِ انتقام اور صبر کی تلقین کی گئی ہے کہ اگر انسانوں میں سے کوئی شخص دشمنی پر آمادہ ہو جائے تو اس کا دفاع حسنِ سلوک اور اچھائی کے ساتھ کرو اور اس کی زیادتی کا جواب عفو و درگزر سے دو، اس کی بے ہودگی پر صبر سے کام لو اور جاہلوں کی جہالت و نادانی سے منھ موڑ لو، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ظلم و زیادتی کرنے والا شخص شرمندگی محسوس کرے گا اور اپنی زیادتی اور دشمنی سے باز آجائے گا، بلکہ وہ انتہائی قریبی

دوست بن جائے گا۔ جب کہ اس کے بالمقابل شیطان کے دفاع کے لیے استعاذہ کی تعلیم دی گئی ہے کہ اس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو کیوں کہ یہ ایسا دشمن ہے، جو سلوک و احسان کے ذریعہ اپنی دشمنی سے باز نہیں آسکتا ہے، اسے حسنِ خلق کے ذریعہ رام نہیں کیا جا سکتا ہے، انسان سے اس کی دشمنی ازلی ہے اور اسے انسانوں کو گمراہ کرنے ہی میں مزہ آتا ہے اور اس کی ہر ممکن کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ انسانوں کو راہِ حق سے بھٹکا دے۔

تلاوتِ قرآن سے پہلے استعاذہ کا حکم اور اس کے حِکَم و فوائد

قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے تعوُّذ و استعاذہ [یعنی: أَعوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجيم یا أَعوذُ بِاللهِ السَّميعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجيمِ یا أَعوذُ بِاللهِ السَّميعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجيمِ مِنْ همزه ونَفْخِه ونَفْثِه. پڑھنا] مسنون اور مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِذَا قَرَأْتَ ٱلْقُرْءَانَ فَٱسْتَعِذْ بِٱللَّهِ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ ﴿٩٨﴾﴾ ''پھر جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطانِ رجیم سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔'' [النحل:۹۸]

آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ تلاوتِ قرآن سے پہلے مردود شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔ قرآن کریم کے اس حکم کو علمانے استحباب پر محمول کیا ہے۔ اور جب آدمی تلاوتِ قرآن سے قبل اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائے گا تو شیطان اس پر وسوسہ اندازی نہیں کرپائے گا اور اسے یادِ الٰہی سے غافل نہیں کرپائے گا۔ اس طرح انسان قرآن کریم کے سرچشمۂ ہدایت و رحمت سے خوب خوب فیض یاب ہو گا اور نہایت یکسوئی اور حضورِ قلب کے ساتھ ذکرِ الٰہی سے مستفید و مستنیر ہو گا۔ تلاوتِ قرآن کے وقت شیطانِ مردود سے پناہ مانگنے کے حِکَم و مصالح اور فوائد کو علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے درج ذیل نکات میں بیان کیا ہے:

(1) قرآن سینوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ شیطان ان میں جو وسوسے، شہوات اور برے ارادے ڈالتا ہے ان کو وہ دور کر دیتا ہے۔ شیطان ان میں جو حکم ڈالتا ہے یہ اس کی دوا

ہے۔ حکم دیا گیا ہے کہ وہ بیماری کا مادہ پھینک دے اور اس سے دل کو خالی کر دے تاکہ دوا خالی جگہ پر پہنچ جائے، وہاں جگہ پکڑے اور اس میں اثر کرے۔

② قرآن دل میں ہدایت، علم اور خیر کا مادہ ہے۔ جس طرح پانی نبات (جڑ) کا مادہ ہے، شیطان آگ ہے، جو جڑ کو اول اول جلاتا ہے۔ جب بھی وہ خیر کی جڑ کو محسوس کرتا ہے اس کے جلانے اور خرابی کی کوشش کرتا ہے۔ حکم فرمایا گیا ہے کہ اس سے اللہ کی پناہ پکڑو تاکہ جو کچھ قرآن سے حاصل ہوتا ہے وہ اس پر خراب نہ ہو جائے۔ اس وجہ اور پچھلی وجہ کے مابین فرق یہ ہے کہ پہلی وجہ میں پناہ مانگنے سے فائدہ حاصل کرنا قرآن کے لیے ہے۔ دوسری وجہ میں اس فائدہ کی بقا، اس کی حفاظت اور اس کے ثبات کے لیے ہے۔

③ فرشتے قرآن پڑھنے والے کے قریب ہوتے ہیں، اس کی قرأت کو غور سے سنتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ جب وہ قرآن پڑھ رہے تھے، انھوں نے چھتری کی مانند چیز دیکھی، جس میں چراغ بھی تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ فرشتے تھے۔“ [1] اور شیطان فرشتے کی ضد اور اس کا دشمن ہے۔ اللہ نے قاریِ قرآن کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ سے اس کے دشمن کو دور کرنے کی دعا کرے حتیٰ کہ اس کے خاص بندے اور اس کے فرشتے اس کے پاس آسکیں۔ یہ ایسا مرتبہ ہے، جس میں ملائکہ اور شیاطین اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

④ شیطان قاری پر اپنے سوار اور پیادے دوڑاتا ہے تاکہ وہ اسے مقصودِ قرآن سے ہٹا دے۔ وہ اس کا تدبر اور فہم ہے، نیز اس بات کی معرفت کہ اس کی متکلم ذات پاک نے اس سے کیا ارادہ کیا ہے۔ وہ اپنی کوشش سے حرص کرتا ہے کہ وہ آدمی کے دل اور مقصودِ قرآن کے مابین حائل ہو جائے۔ قاری اس سے کامل نفع نہ پا سکے تو تلاوت کے شروع میں حکم دیا گیا کہ بندہ شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرے۔

[1] صحیح بخاری: ۵۰۱۸، صحیح مسلم: ۷۹۶

(5) قاری اللہ کے کلام کے ذریعے اس سے سرگوشی کرنے والا ہے۔ ”اللہ تعالیٰ اچھی آواز والے قاری کے قرآن کو اس سے بڑھ کر سنتا ہے، جو کوئی گانے والی سے گانا سنتا ہے۔“ [1] شیطان کی قرأت تو شعر اور گانے ہیں۔ قاری کو حکم دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کے وقت اس شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کر کے اسے دور کرے، نیز جب کہ اللہ تعالیٰ اس کی قرأت کو غور سے سنتا ہے۔

(6) اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ اس نے جو بھی رسول اور نبی بھیجا ہے، جب اس نے تمنا کی، شیطان نے اس کی تمنا میں اپنی بات ڈالی۔ جب شیطان کا پیغمبروں کے ساتھ یہ رویہ ہے تو دوسروں کے ساتھ کیسا ہو گا؟ اس لیے کبھی وہ قاری سے غلطی کرواتا ہے، کبھی اس پر قرأت کو خلط ملط کرتا ہے، کبھی اس کو پریشان کرتا ہے، اس کی زبان سے غلطی کرواتا ہے اور کبھی اس کے فہم اور دل کو پریشان کرتا ہے۔ جب قرأت پر وہ حاضر ہو قاری اِس سے یا اُس سے بچتا نہیں۔ کبھی دونوں باتیں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ اس لیے یہ ایک اہم بات ہے کہ قرأت کے وقت شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑی جائے۔

(7) شیطان کی انسان کے خلاف سب سے بڑی کوشش اس وقت ہوتی ہے، جب وہ خیر کا اردہ کرتا ہے، اور اسے شروع کرتا ہے۔ وہ اس پر اس حالت میں سخت حملہ کرتا ہے تاکہ اسے اس سے ہٹا دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ”گزشتہ رات ایک شیطان نے مجھ پر حملہ کر دیا، اس نے چاہا کہ مجھ پر میری نماز میں رکاوٹ ڈال دے۔“ [2] چناں چہ شیطان ہر نیکی پر گھات لگائے بیٹھا ہے، خاص طور پر قرأتِ قرآن کے وقت۔ اس ذاتِ پاک نے بندے کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اس دشمن سے لڑے، جو اس کا راستہ کاٹتا ہے، پہلے اس سے پناہ پکڑے، پھر چلنا شروع کرے۔ جیسے اگر مسافر کے راستے میں ڈاکو آجائے تو پہلے وہ اس کو دور کرنے کا کام کرتا ہے، پھر اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ : ۱۳۴۰، اسنادہ ضعیف [2] صحیح بخاری : ۴۶۱

قرأت سے قبل پناہ طلب کرنا ایک عنوان اور اعلان ہے کہ اس کے بعد آنے والا قرآن ہے۔اس لیے کسی اور کے کلام سے قبل یہ استعاذہ مشروع نہیں کیا گیا،بلکہ استعاذہ ایک طرح کا مقدمہ اور سامع کے لیے تنبیہ ہے کہ اس کے بعد تلاوت آرہی ہے۔جب سامع استعاذہ کو سنے گا،وہ کلام اللہ کو غور سے سننے کے لیے مستعد ہو جائے گا پھر اس کو قاری کے لیے مشروع کیا گیا گو وہ اکیلا ہی ہو۔[1]

تعویذ گنڈا کی شرعی حیثیت

تعویذ عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے لغوی معنٰی پناہ لینے کے ہیں۔ اور ہمارے یہاں تعویذ اس مربع نما چیز کو بولتے ہیں، جسے حصولِ مراد یا مختلف پریشانیوں سے تحفظ و بچاؤ کی خاطر گلے میں لٹکایا جاتا ہے، نیز بازو یا جسم کے کسی حصہ پر باندھا جاتا ہے۔ اور اس میں شرکیہ کلمات ہوتے ہیں، یا سمجھ میں نہ آنے والے کلمات ہوتے ہیں، یا قرآن کریم کی آیات و ادعیہ اور حدیث سے ماثور دعاؤں پر مشتمل ہوتے ہیں، جسے اعداد و نقش کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔

اسی طرح تعویذوں کو پہننے کے علاوہ کبھی کبھی حصولِ مراد کے لیے اسے دریابرد کیا جاتا ہے، یا کسی کنویں میں ڈالا جاتا ہے، یا زمین میں دفن کیا جاتا ہے، یا اسے جلایا جاتا ہے۔ مقصد اس کا تحفظ و پناہ کا حصول یا آئی ہوئی مصیبت کو دفع کرنا ہوتا ہے۔

گویا تعویذ بھی استعاذہ ہی کی ایک غلط شکل ہے، جو ہمارے سماج و معاشرے میں بکثرت رواج پذیر ہے۔ کسی کو کوئی تکلیف پہنچی فوراً اس کے لیے تعویذ کو گلے لگاتا ہے۔ بلکہ اس عمل نے تو تجارت کی شکل اختیار کرلی ہے، اخبارات میں آئے دن اس طرح کے اشتہارات آتے رہتے ہیں کہ فلاں پیر صاحب ہیں، جو نہایت مجرب تعویذ بناتے ہیں، فلاں صاحب تعویذوں کے ذریعہ بیماری کو دور کرنے کی گارنٹی لیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ہر جگہ آپ کو تعویذ بنانے والے اور اس کا کاروبار کرنے والے مل جائیں گے، جو درحقیقت عامل نہیں بلکہ جادوگر اور کاہن ہوتے ہیں، اور بھولے بھالے عوام کو اپنی شعبدہ بازی، جادوئی عمل اور شیطانی داؤ پیچ سے دھوکا

[1] ماخوذ و مستفاد از:اغاثة اللهفان فی مصائد الشیطان مترجم ص:۱۵۷تا۱۶۰ مختصراً

دے کر ان کا جیب اینٹھتے ہیں۔ اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ جتنے بھی لوگ اس قسم کے دھندے میں لگے ہوئے ہیں ان میں سے تقریباً زیادہ تر لوگ دین و اسلام سے کوسوں دور ہوتے ہیں، نماز روزہ سے ان کا کچھ لینا دینا نہیں ہوتا ہے۔ یہی شیطان نما انسان ہیں، جو بھولے بھالے مسلمانوں کے دین و عقیدہ کو تباہ و برباد کرتے ہیں یعنی خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ اللہ مسلمانوں کو اس عظیم وبا سے بچائے۔ آمین!

تعویذ کی حرمت پر دلالت کرنے والی احادیث

اس سلسلے میں کسی طرح کی گفتگو سے پہلے آیئے اس کے متعلق رسول پاک صلی اللہ علیہ و سلم کی چند احادیث اور آثار کا مطالعہ کرتے ہیں، جس سے ہم تعویذات کی صحیح صورتِ حال کا اندازہ کر سکیں گے:

جناب قیس بن سکن اسدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے پاس آئے تو دیکھا کہ ان کی بیوی نے خسرہ بیماری کی وجہ سے تعویذ لٹکا رکھا ہے، انھوں نے اسے نہایت سختی سے کاٹ دیا اور فرمایا: عبد اللہ کی آل و اولاد شرک سے بے نیاز ہے، اور کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے یہ یاد رکھا ہے کہ:

((إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ)) ترجمہ: ”بے شک جھاڑ پھونک، تعویذات نیز جادو منتر اور اعمالِ حُب شرک ہیں۔“ [1]

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے عرض کیا: آپ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ اللہ کی قسم میری آنکھ درد کی شدت سے نکلی آتی تھی اور میں فلاں یہودی کے پاس دم کرانے آتی تھی تو جب وہ دم کر دیتا تھا تو مجھے آرام ہو جاتا تھا، عبد اللہ بن

---

[1] مستدرک حاکم ۴/۲۱۷، رقم: ۷۵۰۵، الصحیحۃ: ۲۹۷۲، انوار الصحیفۃ (ص: ۱۳۹، حدیث نمبر: ۳۸۸۳ کے تحت) میں حافظ زبیر علی زئی نے بھی حاکم کی اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ دخل عبدالله بن مسعود رضي الله عنه على امرأة فرأى عليها حرزاً من الحمرة فقطعه قطعًا عنيفًا ثم قال : إن آل عبدالله عن الشرك أغنياء ، وقال : كان مما حفظنا عن النبي صلى الله عليه و سلم.......(صرف مرفوع ٹکڑا صحیح ہے)

مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یہ کام تو شیطان ہی کا تھا، وہ اپنے ہاتھ سے آنکھ چھوتا تھا، اس طرح جب وہ دم کر دیتا تھا تو وہ اس سے رک جاتا تھا، تیرے لیے تو بس ویسا ہی کہنا کافی تھا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے:

((أَذْهِبِ الْبَاسَ، رَبَّ النَّاسِ، اشْفِ أَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا)) ترجمہ: ”لوگوں کے رب! بیماری کو دور فرما! شفا دے! تو ہی شفا دینے والا ہے، ایسی شفا جو کسی بیماری کو نہ رہنے دے۔“ [1]

سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: دس افراد پر مشتمل لوگوں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے کے لیے حاضر ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے نو لوگوں سے تو بیعت لے لی اور ایک آدمی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے تو نو آدمیوں سے بیعت کر لی اور اس آدمی کو چھوڑ دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر تعویذ ہے۔ اس نے اپنے ہاتھ کو اندر داخل کیا اور تعویذ کو کاٹ ڈالا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بیعت کی، اور فرمایا:

((مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ)) ترجمہ: ”جس نے کوئی تمیمہ لٹکایا تو درحقیقت اس نے شرک کیا۔“ [2]

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أَتَمَّ اللَّهُ لَهُ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلَا وَدَعَ اللَّهُ لَهُ)) ”جو کوئی تمیمہ لٹکائے اللہ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جو کوئی ودعہ (کوڑی یا سیپ یا دھاگا) لٹکائے اللہ اسے آرام نہ دے۔“ [3]

[1] سنن ابوداؤد: ۳۸۸۳، یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ یہ انتہائی مستبعد اور منکر بات ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا جیسی جلیل القدر صحابیہ ایک یہودی کے پاس جا کر اس سے جھاڑ پھونک کی طلب گار ہوں!! دیکھیے: تراجع العلامۃ الالبانی: ۱۴۲، انوار الصحیفۃ ص: ۱۳۹، و ۵۰۴، البتہ بخاری (۵۶۷۵) اور مسلم (۱۲۹۱) وغیرہ میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مریض کے پاس تشریف لے جاتے یا کوئی مریض آپ کے پاس لایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ دعا فرماتے تھے۔ [2] مسند احمد: ۱۷۴۲۲، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۴۹۲

[3] مسند احمد: ۱۷۴۰۴، سندہ حسن عند زئی، فتاویٰ علمیہ ج ا ص: ۴۶۸، اور شیخ البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، سلسلۃ الضعیفۃ: ۱۲۶۶

سیدنا عمران بن حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں پیتل کا کڑا دیکھا تو دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اس آدمی نے جواب دیا کہ: یہ کمزوری دور کرنے کے لیے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَمَا إِنَّهَا لَا تَزِيدُكَ إِلَّا وَهْنًا، انبِذْهَا عَنْكَ، فَإِنَّكَ لَوْ مِتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ، مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا)) ترجمہ: ”خبر دار! یہ کڑا تمھاری کمزوری میں مزید اضافہ کرے گا، تم اسے اتار دو کیوں کہ اگر تم اس حال میں مرگئے کہ یہ کڑا تمھارے جسم پر باقی رہا تو تم کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔“ [1]

سیدنا ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک سفر میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قاصد کو بھیجا۔ (راوی عبد اللہ بن ابو بکر کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ انھوں نے کہا کہ لوگ اپنی اپنی سونے کی جگہ میں پہنچ چکے تھے۔) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا:

((لَا يَبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ أَوْ قِلَادَةٌ إِلَّا قُطِعَتْ)) ترجمہ: ”کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا پٹا یا کوئی بھی پٹا نہ چھوڑا جائے، مگر اسے کاٹ دیا جائے۔“ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: میرے خیال میں یہ نظر بد سے بچانے کے لیے تھے۔ [2]

سیدنا رویفع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَا رُوَيْفِعُ، لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُولُ بِكَ بَعْدِي، فَأَخْبِرِ النَّاسَ أَنَّهُ: مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ، أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا، أَوِ اسْتَنْجَى بِرَجِيعِ دَابَّةٍ، أَوْ عَظْمٍ فَإِنَّ مُحَمَّدًا بَرِيءٌ مِنْهُ)) ترجمہ: ”اے رویفع! شاید کہ میرے بعد تمہاری زندگی لمبی ہو، لہٰذا تم لوگوں کو بتا دینا کہ جس شخص نے اپنی داڑھی میں گرہ لگائی یا جانور کے گلے میں تانت کا حلقہ ڈالا یا جانور کے گوبر، یا ہڈی سے استنجاء کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے بری ہیں۔“ [3]

جناب سعید ابن جبیر تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

---

[1] مسند احمد: ۲۰۰۰۰، اسنادہ ضعیف، شیخ البانی (الضعیفة: ۱۰۲۹) اور زبیر علی زئی رحمہما اللہ (انوار الصحیفة ص: ۵۰۴) نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

[2] صحیح بخاری: ۳۰۰۵، صحیح مسلم: ۲۱۱۵

[3] سنن ابو داؤد: ۳۶، سنن نسائی: ۵۰۶۷، صحیح

((مَنْ قَطَعَ تَمِيمَةً عَنْ إِنْسَانٍ، كَانَ كَعَدْلِ رَقَبَةٍ)) ترجمہ: ”جو کوئی کسی آدمی سے تمیمہ (تعویذ) کاٹ کر پھینک دے اسے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔“ [1]

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک بیمار شخص کے پاس گئے، اس کے بازو پر ایک دھاگا بندھا ہوا دیکھ کر آپ نے اسے توڑ دیا اور قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ایمان دار ہوتے ہوئے بھی مشرک بنتے ہو؟:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ ترجمہ: ”ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں۔“ [یوسف:١٠٦] [2]

معلوم ہوا نظر بد یا بیماری اور مصائب و تکالیف سے محفوظ رہنے کے لیے یا بیماریوں اور مصیبتوں کو دور کرنے کے لیے یا آسیب وغیرہ کے ضرر سے بچنے کے لیے تمیمہ، منکا، گھونگھا، سیپ، کڑا، چھلا، زنجیر، حلقہ اور دھاگا وغیرہ پہننا شرکیہ عمل ہے۔ اسی طرح نظر بد یا حادثات سے بچنے کے لیے سواری و گاڑی یا مکان و دکان وغیرہ پر گھوڑے کی نعل (کھر) یا پرانے جوتے لٹکانا، اور درختوں کی ثمر آوری کے لیے اس پر مٹی کی کالی ہنڈیا لٹکانا شرک ہے۔ اسی طرح کاغذ وغیرہ پر شرکیہ کلمات لکھ کر گلے یا بازو میں لٹکانا اور نجوم و نچھتر کی مدد سے زائچہ تیار کر کے دکان و مکان پر لٹکانا بھی شرکیہ عمل ہے۔

تمیمہ کی تشریح و وضاحت

تمیمۃ کی جمع **تمائم** آتی ہے۔ اور تمیمہ اس تعویذ گنڈا کو کہتے ہیں، جسے اہل عرب نظر بد سے بچانے اور جنوں کے شر سے محفوظ رکھنے کی خاطر بچوں کے گلے میں لٹکایا کرتے تھے۔ اور پھر اس کا اطلاق ہر طرح کی تعویذ پر کیا جانے لگا۔ جیسا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ تمیمہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ رقم:٢٣٤٧٣

[1] بحوالہ تفسیر ابن کثیر ٣/٢٧

”اصل میں یہ وہ خرزات (گھونگھے) ہیں، جنھیں اہلِ عرب اپنے بچوں کے سر پر نظر بد کے اثر کو دور کرنے کے لیے لٹکاتے تھے، پھر اس میں وسعت اختیار کی گئی اور ہر تعویذ پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ میں کہتا ہوں: بعض لوگوں کا گھر کے دروازے یا مکان کے سامنے والے حصے میں گھوڑے کے کھر کا لٹکانا، اور بعض ڈرائیوروں کا گاڑی کے اگلے یا پچھلے حصے کے ساتھ جوتا لٹکانا یا ڈرائیور کے سامنے اسکرین کے اندرونی حصے میں نیلے رنگ کے دانوں کا لٹکانا بھی اسی قبیل سے ہے، یہ ساری چیزیں ان کے زعم و خیال کے مطابق نظر بد سے بچنے کے لیے کی جاتی ہیں۔“ [1]

تعویذ کی قسمیں:

اوپر تعویذ کی جو وضاحت و تفصیل بیان کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے میں رائج و منتشر تعویذوں کی مندرجہ ذیل دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:

قرآنی آیات، اسمائے حسنیٰ و صفاتِ عالیہ اور مسنون و ماثور دعاؤں پر مشتمل تعویذ:

جنھیں لوگ شفایابی، رفعِ بلا، دفعِ ضرر یا آسیب و نظر بد سے بچنے اور شیطانوں کو دور بھگانے کے لیے گلے میں لٹکاتے ہیں، بدن کے کسی حصے پر باندھتے ہیں یا دکان و مکان میں خیر و برکت کے لیے لٹکاتے ہیں۔ اس طرح کی تعویذوں کے سلسلے میں علمائے امت کی دو رائیں ہیں:

پہلی رائے:

علما کے ایک گروہ نے اس طرح کی تعویذات کو جائز قرار دیا ہے، انھوں نے نہی و منع والی احادیث کو قرآنی تعویذ کے بجائے شرکیہ تعویذ پر محمول کیا ہے یعنی ان کے نزدیک جن احادیث میں تعویذ لٹکانے سے روکا گیا ہے ان کا تعلق شرکیہ تعویذات سے ہے۔

[1] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ج ا ص: ۶۵۰

دوسری رائے:

علما کے دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ قرآنی آیات و احادیث پر مشتمل تعویذات سے بچنا اور انھیں استعمال میں نہ لانا ہی افضل و بہتر ہے۔ اور یہی مسلک راجح بھی ہے، اس کی راجحیت کے اسباب و وجوہات درج ذیل ہیں:

پہلی وجہ:

تعویذوں کی ممانعت اور اس کے شرک ہونے کی احادیث عام ہیں اور ان کی عمومیت کو خاص کرنے والی کوئی دلیل بھی موجود نہیں ہے اس لیے قرآنی تعویذوں کا پہننا بھی درست نہیں ہے۔ اور اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ قرآنی آیات و احادیث پر مشتمل تعویذات پر "تمیمة" کا اطلاق درست نہیں ہے، پھر بھی قرآنی آیات و احادیث پر مشتمل تعویذ کے جواز کے لیے شرعی دلیل کا ہونا ضروری ہے، جب کہ اس کے متعلق کوئی بھی شرعی دلیل موجود نہیں ہے، اور چوں کہ یہ دعا و استعاذہ ہی کی ایک صورت ہے، جو کہ عبادت ہے اور عبادات توقیفی ہیں لہٰذا اس کے لیے شرعی دلیل کا ہونا ضروری ہے، اور اس مخصوص صفت سے متعلق کوئی بھی شرعی دلیل نہیں پائی جاتی ہے۔ اس لیے دلیل نہ ہونے کی صورت میں اس کا اپنانا بھی درست نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر یہ مستحسن امر ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعویذ لکھنے اور لکھوانے کو اچھا سمجھتے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتے، جب کہ اس طرح کے مواقع کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کچھ بھی مروی و ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے برخلاف لٹکائی جانے والی چیزوں کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عام ہے:

((مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِّلَ إِلَيْهِ)) "جس نے کوئی چیز لٹکائی تو وہ اسی کے سپرد کیا جائے گا۔" [1]

---

[1] جامع ترمذی: ۲۰۷۰، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ جب کہ شیخ زبیر علی زئی نے اس کی تضعیف کی ہے، انوار الصحیفة ص: ۲۴۲، فتاویٰ علمیہ ج ۲ ص: ۴۶۸

نیز ابو مجلز تابعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: ((مَنْ تَعَلَّقَ عِلَاقَةً وُكِّلَ إِلَيْهَا)) ''جو آدمی کوئی چیز لٹکائے گا وہ اسی کے سپرد کر دیا جائے گا۔'' [1]

شیخ ابو عمار عمر فاروق سعیدی حفظہ اللہ، ابن اثیر کے حوالے سے تمیمہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وہ منکے جو عرب لوگ اپنے بچوں کو نظرِ بد سے بچانے کے لیے پہناتے تھے تمیمہ اور تمائم کہلاتے ہیں۔ اس معنٰی میں وہ کوڑیاں، منکے، پتھر، لوہا، چھلے، انگوٹھیاں، لکڑی اور دھاگے وغیرہ سب چیزیں شامل ہیں، جو جاہل لوگ بغرضِ علاج پہنتے پہناتے ہیں۔ اس میں وہ تعویذات بھی آتے ہیں جو کفریہ، شرکیہ اور غیر شرعی تحریروں پر مشتمل ہوں، لیکن ایسے تعویذات جو آیاتِ قرآنیہ اور مسنون دعاؤں پر مشتمل ہوں انھیں ''**تمیمة**'' کہنا قرآن و سنت کی ہتک ہے۔ اس پاکیزہ کلام کو یہ برا نام دینا ناروا غلو ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کریم یا دعائیں لکھ کر لٹکانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی طرح ثابت نہیں، حالاں کہ اُس دور میں کاغذ، قلم، سیاہی اور کاتب سبھی مہیا تھے اور مریض بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے، مگر آپ نے کبھی کسی کو یہ طریقۂ علاج ارشاد نہیں فرمایا۔ آپ نے انھیں دم کیا یا مختلف اذکار بتائے یا کوئی مادی علاج تجویز فرما دیا۔'' [2]

مفسرِ قرآن شیخ عبد الرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''...... اگر قرآنی آیات یا مسنون دعائیں بھی لکھی جائیں، جن میں شرک کا شائبہ تک نہ ہو تب بھی یہ خلافِ سنت، بدعت اور ناجائز ہیں۔ اور ہم انھیں بدعت اور ناجائز اس لیے کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح تعویذ لکھنے اور لکھوانے کو اچھا سمجھتے تو اُس دور میں بھی لکھوا سکتے تھے اور اس میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ لہٰذا ایسے سب طریقے ناجائز اور خلافِ سنت ہیں اور بدعت کی تعریف میں آتے ہیں۔'' [3]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبۃ: ۲۳۴۶۶، یہ اثر صحیح ہے، دیکھیے: فتاویٰ علمیہ ج ۲، ص: ۴۶۸

[2] دیکھیے: حواشی: سنن ابو داؤد مع ترجمہ و فوائد جلد چہارم ص: ۴۷ [3] تیسیر القرآن جلد چہارم ص: ۷۱۸

تنبیہ:

قرآنی آیات یا ادعیہ ماثورہ پر مشتمل تعویذ کو جائز کہنے والے کچھ لوگ حرزِ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ والی طویل روایت سے دلیل پکڑتے ہیں۔ جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کے لیے جنوں کے نام ایک خط لکھوایا تھا، جسے وہ اپنے سر کے نیچے رکھ کر جب سوئے تو انھیں جنوں سے نجات مل گئی۔ واضح رہے کہ یہ روایت موضوع یعنی من گھڑت ہے، لہٰذا اس سے دلیل پکڑنا جائز و درست نہیں ہے۔ خود امام بیہقی، ابن الجوزی، حافظ سیوطی، محمد طاہر پٹنی اور حسن بن محمد حسن صاغانی حنفی رحمہم اللہ وغیر ہم نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ [1]

محدثِ عصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق اس مزعومہ روایت کے دو طریق ہیں۔ اور آپ نے اس من گھڑت روایت کے دونوں طریق کا تحقیقی دراسہ کرتے ہوئے ان کو موضوع قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں: ”اس روایت کی دونوں سندیں آپ نے دیکھ لیں کہ موضوع یعنی من گھڑت (جھوٹی) ہیں۔“ [2]

لہٰذا بہت سے قصہ گو واعظین، جو یہ موضوع روایت بیان کرتے ہیں، اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے کہ تعویذ پہننا مسنون عمل ہے۔

دوسری وجہ:

قرآنی آیات اور ادعیہ ماثورہ پر مشتمل تعویذوں کو جائز قرار دینے سے صریح طور پر شرکیہ تعویذوں کا لٹکانا عام ہو جائے گا، اور دونوں میں امتیاز و تمیز کرنا دشوار ہو جائے گا، اس طرح معاملہ خلط ملط اور مشتبہ ہو جائے گا، اور پھر خود قرآنی تعویذوں کا پہننے والا شخص بھی غیر قرآنی تعویذوں کے پہننے پر آمادہ ہو گا، بلکہ عملاً اکثر ایسا ہی ہوتا ہے اور یہ عام مشاہدہ ہے کہ سماج

---

[1] الموضوعات لابن الجوزی ۳/ ۱۶۹، تذکرۃ الموضوعات للفتنی ۱/ ۲۱۲، الموضوعات للصغانی ص:۲۹ رقم:۱۳

[2] سند کی مکمل تحقیق و تنقید کے لیے دیکھیے: تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات جلد:۶، ص:۳۵۱ تا ص:۳۵۵

و معاشرے میں قرآنی تعویذ کے نام پر شرکیہ تعویذات عام ہیں اور لوگ دونوں کے درمیان کوئی تمیز نہیں کرتے ہیں۔ لہٰذا شرک کی راہوں کو بند کرنے کے لیے بطور سدِّ ذریعہ ان سے اجتناب و دوری اختیار کرنا ہی بہتر و مناسب اور اولیٰ ہے۔ علامہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی رحمہ اللہ (۱۸۳۲ء- ۱۸۹۰ء) لکھتے ہیں:

"بعض اہلِ علم نے ازالۂ مرض کے لیے ایسے تعویذ اور گنڈے باندھنا جائز قرار دیا ہے، جو کسی آیت یا حدیث سے ماخوذ ہے، لیکن بہتر بلکہ ضروری یہ ہے کہ تعلیق (لٹکانے، باندھنے) سے پرہیز کیا جائے، کیوں کہ صدرِ اوّل میں ہر قسم کے امراض و آفات موجود تھے، لیکن وہ لوگ کتاب و سنت سے حصولِ شفاء کا عمل اس طرزِ تعلیق سے نہیں کرتے تھے، بلکہ آیات و احادیث کو پڑھ کر دوسرے پر پھونک دیتے تھے۔ ان کے یہاں یہ دستور نہ تھا کہ تعویذ بنا کر گلے میں لٹکائیں یا بازو پر باندھیں یا ہاتھ پاؤں میں کوئی چھلا پہنیں۔ بالفرض یہ بات فی الجملہ جائز بھی ہو تو شرک کے خطرات و مشتبہات میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم کسی امرِ مباح کے ترک پر مشرک ہو سکتے ہیں نہ مبتدع، ہاں جس کام کی اجازت ہم کو شارع کی طرف سے صراحتاً نہیں ہے، بلکہ شارع نے ہم کو ان امور سے منع کیا ہے، ان کو کرنے میں ہمیں یہ خوف ہے کہ مبادا کہیں شرک یا کفر ہو کہ ہم تو اس دھوکے میں رہیں کہ یہ بات جائز ہے اور دوسری طرف ہمارا ایمان شرکِ خفی یا کفرِ خفی کے سبب جاتا رہے اور زمانۂ اسلام کا سارا کیا کرایا عمل اکارت ہو جائے، کیوں کہ شرک اتنا باریک ہے کہ اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی اور پوشیدہ چیز ہے، لیکن اکثر لوگ اس نکتے کو نہیں سمجھتے اور اقوالِ ضعیفہ پر اعتماد کر کے ایسی آفتوں میں پھنس کر اپنا ایمان تباہ، اسلام برباد اور اخلاص فنا کر دیتے ہیں۔ اللھم وفقنا للخیر" [1]

تیسری وجہ:

قرآنی تعویذوں کے پہننے سے قرآن پاک کی توہین و بے حرمتی اور ناقدری ہوتی ہے، کیوں کہ اکثر و بیش تر تعویذ لٹکانے والے لوگ انھیں قضائے حاجت اور استنجا و پیشاب کے وقت

[1] مجموعہ رسائلِ عقیدہ جلد دوم ص: ۵۱۳ و ۵۱۴

اپنے ساتھ رکھتے ہیں، حتّٰی کہ حیض و نفاس کی حالت میں عورتیں اور مرد حضرات بھی ناپاکی کی حالت میں انھیں لٹکائے پھرتے ہیں اور نادان بچے تو ہر حالت میں اس سے چمٹے رہتے ہیں، جب کہ یہ ساری باتیں قطعاً درست نہیں ہیں، بلکہ ناجائز ہیں، اس لیے مناسب اور بہتر یہی ہے کہ اس طرح کی تعویذات کو لٹکانے سے بچا جائے۔

چوتھی وجہ:

قرآنی تعویذ لٹکانے کے بہتیرے دینی نقصانات بھی ہیں۔ مثلاً ایک اچھا بھلا آدمی ماثور و مسنون دعاؤں، شرعی دم اور علاج و معالجہ کو ترک کر کے صرف اور صرف انھیں تعویذوں پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہتا ہے، انھیں سے امیدیں وابستہ کر لیتا ہے اور نفع و ضرر کا مالک بھی انھیں سمجھنے لگتا ہے، جب کہ امیدیں صرف اللہ سے وابستہ کرنی چاہییں، اسی پر توکل و بھروسہ رکھنا چاہیے، اسی کو نفع و ضرر کا مالک اور بلاؤں و مصیبتوں کا ٹالنے والا سمجھنا چاہیے اور تکالیف و مصائب سے اسی کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ أَفَرَءَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ إِنْ أَرَادَنِىَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَـٰشِفَـٰتُ ضُرِّهِۦٓ أَوْ أَرَادَنِى بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَـٰتُ رَحْمَتِهِۦ ۚ قُلْ حَسْبِىَ ٱللَّهُ ۖ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ ٱلْمُتَوَكِّلُونَ﴾ ترجمہ: ”آپ ان سے کہیں کہ بھلا دیکھو تو جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس کے نقصان کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اگر اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیجیے! کہ اللہ مجھے کافی ہے، بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔“ [الزمر:۳۸]

﴿وَإِن يَمْسَسْكَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُۥٓ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهِۦ ۚ يُصِيبُ بِهِۦ مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ ۚ وَهُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ﴾

ترجمہ: ”اور اگر اللہ تمھیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کو دور کرنے والا اللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہے اور اگر تمھیں کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا

نہیں ہے، وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچاتا ہے، اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے۔“ [یونس:۱۰۷]

پانچویں وجہ:

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی قرآنی تعویذ کا ناپسندیدہ ہونا ثابت ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق جلیل القدر تابعی ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((كَانُوا يَكْرَهُونَ التَّمَائِمَ كُلَّهَا، مِنَ الْقُرْآنِ وَغَيْرِ الْقُرْآنِ)) ترجمہ: ”وہ لوگ یعنی صحابۂ کرام قرآنی اور غیر قرآنی تعویذوں کو ناپسند کرتے تھے۔“ [1]

جب کہ اس کے برخلاف سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے بارے میں تعویذ کے متعلق جو کچھ مروی ہے، وہ ضعیف ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ڈر یا گھبراہٹ سے (بچنے کے لیے) یہ کلمات سکھلاتے تھے:

((أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَنْ يَحْضُرُونِ)) ”میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کامل کلمات کی اس کے غضب سے، اس کے بندوں کے شر سے، شیاطین کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ وہ (شیاطین) میرے پاس آئیں۔“

[راوی کا بیان ہے کہ :] ((وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو يُعَلِّمُهُنَّ مَنْ عَقَلَ مِنْ بَنِيهِ وَمَنْ لَمْ يَعْقِلْ كَتَبَهُ فَأَعْلَقَهُ عَلَيْهِ)) ”سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے سمجھ دار بچوں کو یہ دعا سکھلاتے تھے اور جو نا سمجھ ہوتے تو ان کے گلے میں اسے لکھ کر لٹکا دیتے۔“ [2]

مذکورہ بالا روایت سے گلے وغیرہ میں تعویذ لٹکانے کے جواز کا استدلال درست نہیں ہے، کیوں کہ اس روایت کی سند میں محمد بن اسحاق نامی ایک راوی ہیں، جو کہ مدلس ہیں اور انھوں نے بصیغۂ عن اس حدیث کو روایت کیا ہے، اس لیے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا یہ اثر لائقِ استناد اور قابلِ حجت نہیں ہے۔ جیسا کہ حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا

....

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ج:۵/ ۳۶/ ۲۳۴۶۷، وروی ابو عبید فی فضائل القرآن بسند صحیح / الکلم الطیب ص:۸۵ [2] ابو داوٗد : ۳۸۹۳، ترمذی : ۳۵۲۸

ہے۔ اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کی تدلیس اور حدیث کے منجملہ تمام طرق میں ان کے تفرد کی وجہ سے ابن عمرو رضی اللہ عنہما کے اثر والی زیادتی کو منکر قرار دیا ہے۔[1] نیز اس اثر کے متعلق آپ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”اس اثر کی سند ابن عمرو تک صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق نامی راوی مدلس ہیں اور انھوں نے اسے عنعنہ سے روایت کیا ہے، اس لیے اس کے ذریعہ قرآنی تعویذات کو لٹکانے کے جواز پر حجت پکڑنا جائز نہیں ہے، بالخصوص جب یہ موقوف ہے تو قابلِ حجت نہیں ہے۔ شوکانیؒ کہتے ہیں: ”تعویذات لٹکانے کے عدمِ جواز کے متعلق جو کچھ وارد ہے اس پر عبد اللہ بن عمرو کا قول حجت نہیں ہو سکتا ہے۔“ تابعین وغیرہ سلف صالحین اس بارے میں مختلف فیہ ہیں، بعض لوگوں نے اسے جائز قرار دیا ہے اور دیگر دوسرے لوگ اسے ناپسند کرتے تھے، اور اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عدمِ ثبوت کی وجہ سے یہی ہمارے نزدیک مختار ہے، کیوں کہ اسے جائز قرار دینے کی صورت میں مسنون معوّذات وغیرہ کے ذریعہ رقیہ و دم کرنا معطل و بے معنٰی ہو کر رہ جاتا ہے۔“ [2]

اور اگر اس اثر کو صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی اس سے قرآنی تعویذ کے جواز کی دلیل نہیں ملتی ہے، کیوں کہ وہ دعا کے کلمات کو تختی پر چھوٹے بچوں کے گلے میں اس لیے لٹکاتے تھے تاکہ وہ اسے یاد کر لیں نہ کہ بطورِ تعویذ گلے میں پہناتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نیز تمیمہ کی بابت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول: ((ليس التَّميمةُ ما يُعلَّقُ به بعدَ البلاءِ، إنما التَّميمةُ ما يُعلَّقُ به قبلَ البلاءِ))[3] بھی قرآنی تعویذ کو لٹکانے کے جواز

[1] انوار الصحیفۃ، ص:۱۳۹، و۲۹۹، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ج ۱ ص:۵۲۸ رقم الحدیث:۲۶۴

[2] الکلم الطیب بتحقیق الالبانی، ص:۸۴-۸۵، حدیث نمبر:۴۹ کا حاشیہ نمبر:۳۹

[3] ”تمیمہ یعنی تعویذ وہ نہیں ہے جو بلا نازل ہونے کے بعد لٹکائی جائے بلکہ تمیمہ وہ ہے جو بلا نازل ہونے سے پہلے لٹکائی جاتی ہے۔“ [أخرجه الحاكم (۷۵۰۶) واللفظ له، وأبو نعيم في (تاريخ أصبهان) (۱/۱۳۷)، والبيهقي (۲۰۰۹۲) صحیح موقوف، دیکھیے: صحیح الترغیب للالبانی (۳۴۵۸) یعنی نزولِ بلا سے پہلے ہی بلا کو روکنے کی خاطر لٹکائی جانے والی چیز تمیمہ کہلاتی ہے اور جو نزولِ مصیبت کے بعد لٹکائی جائے انھیں تمیمہ نہیں کہا جائے گا۔ واللہ اعلم

کی دلیل نہیں بن سکتی ہے، کیوں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس قول میں صرف تمیمہ کی ماہیت کا ذکر ہے۔ اور اس میں اجمال و احتمال بھی پایا جاتا ہے، یعنی قرآنی تعویذ کے لٹکانے پر یہ قول صراحتاً دلالت نہیں کرتا ہے۔ اس لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس مبہم قول کی بنا پر سیدہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف قرآنی تعویذ کو لٹکانے کے جواز کا انتساب کیا جائے۔ اگر اس قول سے جواز کا فتویٰ کشید کیا جائے گا تو یہ بھی احتمال ہے کہ لوگ اسی قول سے غیر قرآنی تعویذوں کو تکلیف و پریشانی کی حالت میں لٹکانے کا جواز اخذ کر سکتے ہیں، حالاں کہ یہ بالاتفاق درست نہیں ہے۔ مزید یہ کہ ذرا آپ موجودہ معاشرے کا جائزہ لیں تو آپ اکثر و بیش تر لوگوں کو پائیں گے کہ وہ لوگ قرآنی آیات پر مشتمل تعویذوں کو مصیبتیں آنے کے بعد نہیں بلکہ ہر وقت لٹکائے پھرتے ہیں!!

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا اسباب و وجوہات اور قرآنی آیات و ادعیہ ماثورہ پر مشتمل تعویذات کے دینی مفاسد و نقصانات کے پیش نظر، اس کے عدمِ جواز کا مسلک ہی راجح ہے، نیز تقویٰ و اخلاص کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس سے بچا جائے۔ لہٰذا اس سے اجتناب و احتراز ہی اولیٰ و افضل ہے۔ شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارک پوری رحمہ اللہ قرآنی تعویذ سے متعلق لکھتے ہیں:

> ”ہمارے نزدیک ہر قسم کا تعویذ باندھنے اور لٹکانے سے پرہیز کرنا ہی ٹھیک ہے۔ اگرچہ ان میں قرآنی آیات یا ادعیہ ماثورہ یا غیر ماثورہ معلوم المعنی غیر شرکیہ و کفریہ کیوں نہ ہوں؟ احتیاط اور تقویٰ کا تقاضا یہی ہے۔ منع کی روایتیں مطلق ہیں اور پیشاب پائخانہ وغیرہ کی حالت میں تعویذوں کے اتارنے کی پابندی نہیں ہو سکتی اور اس لیے بھی کہ بالعموم عوام کا تعویذ اور گنڈے وغیرہ کے بارے میں ایسا یقین اور اعتماد ہوتا ہے، جو توکل کے بالکل منافی بلکہ شرک کی سرحد تک پہنچ جاتا ہے۔“ [1]

[1] فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری ۱/ ۳۷

قرآن کریم کے شفا ہونے کا مطلب

قرآن کریم کی ایک صفت و خصوصیت شفا بتلائی گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝٥٧﴾ ”اے لوگو! تحقیق کہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے نصیحت، دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنین کے لیے ہدایت اور رحمت آچکی ہے۔“ [یونس:۵۷]

آیتِ کریمہ کے اندر قرآن کریم کو دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا قرار دیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دلوں میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، نیز کفر و شرک، ریا و نفاق، تکبر و عُجب، عناد و سرکشی اور بغض و حسد کی جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، قرآن کریم ان کے لیے شفا ہے، اس کی تلاوت سے یہ سارے روگ دور ہو جاتے ہیں۔ علامہ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ ”وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”وہ یہی قرآن ہے، جو امراضِ قلب، مثلاً امراض شہوات، جو شریعت کی اطاعت سے روکتے ہیں، اور امراضِ شبہات، جو علم یقینی میں قادح ہیں، کے لیے شفا ہے۔ اس کتابِ کریم کے اندر مواعظ، ترغیب و ترہیب اور وعد و وعید کے جو مضامین ہیں، وہ بندے کے لیے رغبت و رہبت کے موجب ہیں۔ جب آپ اس کتابِ کریم میں بھلائی کی طرف رغبت، برائی سے ڈر اور قرآن کے معانی میں بہ تکرار ایسا اسلوب پاتے ہیں، تو یہ چیز اللہ تعالیٰ کی مراد کو نفس کی مراد پر مقدم رکھنے کی موجب بنتی ہے اور بندۂ مومن کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی رضا شہوت نفس سے زیادہ محبوب بن جاتی ہے۔ اسی طرح اس کے اندر جو دلائل و براہین ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے ذکر کیا ہے اور انھیں بہترین اسلوب میں بیان کیا ہے، جو ایسے شبہات کو زائل کر دیتا ہے، جو حق میں قادح ہیں اور اس کے ذریعے سے قلب یقین کے بلند ترین مراتب پر پہنچ جاتا ہے اور جب قلب اپنی بیماری سے صحت یاب ہو جاتا ہے اور وہ لباس عافیت کو زیب تن کر لیتا ہے، تو جوارح

اس کی پیروی کرتے ہیں، اس لیے کہ جوارح، دل کی درستی سے درست رہتے ہیں، اگر دل فاسد ہوجاتا ہے تو جوارح بھی خرابی کا شکار ہوجاتے ہیں۔" [1]

قرآن کے شفا ہونے کے متعلق ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ ٱلْقُرْءَانِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ ٱلظَّٰلِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ۝٨٢﴾ ترجمہ: "اور ہم قرآن میں جو کچھ نازل کررہے ہیں وہ مومنوں کے لیے تو شفا اور رحمت ہے، مگر ظالموں کے حق میں خسارہ ہی میں اضافہ کرتا ہے۔" [الاسراء: ۸۲]

فرمانِ باری تعالیٰ سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم مومنین کے لیے ہدایت و شفا ہے۔ اور یہاں بغیر کسی تخصیص و تقیید کے شفا کی بات کہی گئی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم مومنین کے جسمانی و روحانی دونوں طرح کے امراض کے لیے شفا ہے۔ اس کی تلاوت سے دلوں کو شکوک و شبہات، ضلالت و گمراہی، شہوات و شیطانی وساوس، جہالت و نادانی، بغض و حسد، ریاو نمود اور کفر و نفاق جیسی روحانی بیماریوں سے شفا ملتی ہے اور یہ انسان کے اخلاق و عادات کو درست کرتی ہے اور اسے ہر طرح کی فکری و اخلاقی گمراہیوں سے بچاتی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کی صفتِ شفا کی عمومیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسمانی امراض و آلام سے شفا کو بھی متضمن ہے اور اس سے روحانی شفا کے ساتھ ساتھ جسمانی شفا بھی حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ صحیح حدیثوں میں مروی ہے کہ سورۂ فاتحہ کے دم سے سانپ کا زہر اتر گیا [2] وغیرہ، مگر اس سے وہی لوگ شفا حاصل کرتے ہیں یا وہی لوگ اس چشمۂ صافی سے مستفید و فیض یاب ہوتے ہیں، جو صحیح معنوں میں مومن ہیں اور جو لوگ حقیقت میں اس کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں۔

قرآن کے شفا ہونے کے متعلق مذکورہ بالا قرآنی آیات کو دلیل بنا کر قرآنی آیات پر مشتمل تعویذوں کے پہننے کو جائز قرار دیا جاتا ہے۔ جب کہ یہ تو قرآنی حقیقت اور ثابت شدہ

[1] تفسیر سعدی ص: ۱۱۴۷

[2] صحیح بخاری: ۵۰۰۷-۵۷۳۶

بات ہے کہ قرآن کریم، امراضِ جسمانی وروحانی کے لیے شفا ہے، مگر اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ اس کی تلاوت کے بجائے اس کی آیتوں اور سورتوں کو تعویذ بنا کر گلے میں لٹکایا جائے یا ہاتھوں پر باندھا جائے یا اس کا نقشہ وزائچہ بنا کر گھر و مکان میں خیر وبرکت کے لیے لٹکایا جائے یا اسے ابجدی گنتیوں کی شکل دے کر گاڑیوں میں لٹکایا جائے۔ اس سے تو خود قرآن کریم کی اہانت وناقدری ہوتی ہے۔ نزولِ قرآن کا مقصد تو یہ ہے کہ اس سے ہدایت حاصل کی جائے، اس کی تلاوت کی جائے، اس کے معانی و مفاہیم اور قصص و عبر پر غور و تدبر کر کے عبرت و نصیحت حاصل کی جائے، اس کے اوامر ونواہی پر عمل کیا جائے، دنیائے انسانیت کو اس کی روشن تعلیمات سے روشناس کرایا جائے اور خود بھی اس کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالا جائے۔ مذکورہ تمام باتوں کو بروئے کار لاکر اس سے خیر و برکت حاصل کی جائے۔ تلاوتِ قرآن وغیرہ سے دوری اختیار کر کے صرف اس کی تعویذ بنا کر پہن لینے سے خیر وبرکت نہیں حاصل ہوگی۔ قرآن کریم جس طرح دلوں کے روگ یعنی شرک وکفر، ریا ونفاق، تکبر وعناد، بغض وحسد، حرص ولالچ اور شقاوت وخود غرضی کے لیے شفا ہے، ویسے ہی ظاہری وجسمانی بیماریوں کے لیے بھی شفا ہے۔ جیسا کہ معوذتین، سورۂ فاتحہ اور دیگر بہت سی قرآنی آیات نیز معوذات کے سلسلے میں اس طرح کی نبوی تعلیمات موجود ہیں۔ جب کہ اس کے برعکس قرآنی آیات یا ادعیہ ماثورہ کو تعویذ بنا کر پہننے کا ذکر کہیں بھی موجود نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے لیے اس طرح کا طریقۂ علاج بھی تجویز نہیں فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں ذرا شہد کے متعلق غور کریں کہ قرآن کریم میں اسے بھی شفا کہا گیا ہے تو کیا بدن کے ساتھ لٹکا کر اس سے شفا حاصل کی جائے؟ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ ٱلثَّمَرَٰتِ فَٱسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنۢ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَٰنُهُۥ فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَءَايَةً لِّقَوْمٍ

يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾ ترجمہ: ''اور ہر قسم کے میوے کھا اور اپنے رب کی ہموار راہوں پر چلتی رہ۔ ان کے پیٹ سے رنگ برنگ کا مشروب نکلتا ہے، جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے، جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں ان کے لیے اس میں ایک نشانی ہے۔'' [النحل:٦٩]

آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شہد میں لوگوں کے لیے بہت سی بیماریوں کی شفا موجود ہے۔ تو کیا اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں یہ مفہوم لینا درست ہوگا کہ شہد کو کسی بوتل اور شیشی میں بھر کر اس کو گلے میں لٹکانے سے شفا حاصل ہوگی اور اس سے مختلف طرح کی بیماریاں دور ہوں گی؟ کیا کسی نے کبھی شفا حاصل کرنے کے لیے اسے اپنے گلے میں لٹکایا ہے؟ یقیناً نہیں! امت کا کوئی بھی فرد اس بات کا قائل نہیں ہے اور کوئی بھی دانش مند شخص ایسا نہیں کر سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دست کے مریض کے لیے شہد پینے کا علاج تجویز فرمایا ہے، نہ کہ تعلیق کا نسخہ تجویز فرمایا۔ یہی حال قرآن کریم کا بھی ہے کہ اس کی تلاوت یا دم وغیرہ سے شفا حاصل ہوگی نہ کہ محض لٹکانے سے شفا حاصل ہوگی۔ شیخ غازی عزیر حفظہ اللہ کہتے ہیں:

''پس اگر کوئی شہد کو استعمال کرنے کے بجائے اس کی بوتل گردن یا بازو یا کمر میں لٹکا کر گھومتا پھرے تو کیا اس کو شفا مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم صرف اسی وقت شفا بن سکتا ہے، جب کہ اسے بطور تعویذ لٹکانے کے بجائے اس طرح استعمال کیا جائے، جس طرح کہ اللہ عزوجل اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے، یعنی اس کی تلاوت کرنا، اس سے نصیحت حاصل کرنا، اس سے اپنے عقائد و اعمال اور افکار کی اصلاح کرنا، اس کی آیات پر تفکر و تدبر کرنا، اس کے قصص و امثال سے عبرت حاصل کرنا، اور اسے اپنی زندگی کا محور بنا کر اس کی تعلیمات کو ہر شعبۂ حیات میں عملاً نافذ کرنا۔ نزولِ قرآن کے اس عظیم مقصد کو چھوڑ کر اگر کوئی اسے گلے، بازو اور کمر میں لٹکا کر اس سے شفا حاصل کرنے کا متمنی ہو تو اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ کوئی بیمار کسی ڈاکٹر کا نسخہ، یا اس کی دی ہوئی دوا کو استعمال کرنے کی بجائے اپنے گلے یا بازو یا کمر میں لٹکا کر افاقہ کا متلاشی ہو۔''[1]

[1] جادو کی حقیقت، ص:۳۰۴، نقشِ ثانی

مولانا ماہر القادری رحمہ اللہ نے ”قرآن کی فریاد“ کے نام سے قرآن کریم کی اس مظلومیت اور ناقدری کا رونا رویا ہے، اور قرآن کریم سے مسلمانوں کی دوری و بد عملی اور مسلمانوں کے حالتِ زار کی کیا خوب ترجمانی کی ہے: ؎

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں، آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویذ بنایا جاتا ہوں، دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں

جزدان حریر و ریشم کے، اور پھول ستارے چاندی کے
پھر عطر کی بارش ہوتی ہے، خوشبو میں بسایا جاتا ہوں

جس طرح سے طوطے مینا کو، کچھ بول سکھائے جاتے ہیں
اس طرح پڑھایا جاتا ہوں، اس طرح سکھایا جاتا ہوں

جب قول و قسم لینے کے لیے، تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے، ہاتھوں پہ اُٹھایا جاتا ہوں

دل سوز سے خالی رہتے ہیں، آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں
کہنے کو میں اک اک جلسہ میں، پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں

نیکی پہ بدی کا غلبہ ہے، سچائی سے بڑھ کر دھوکا ہے
اک بار ہنسایا جاتا ہوں، سو بار رُلایا جاتا ہوں

یہ مجھ سے عقیدت کے دعوے، قانون پہ راضی غیروں کے
یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں، ایسے بھی ستایا جاتا ہوں

کس بزم میں مجھ کو بار نہیں، کس عُرس میں میری دُھوم نہیں
پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں، مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

قرآنی تعویذ اور قلبی سکون و راحت

بعض عوام و خواص کے یہاں قرآنی تعویذ سے متعلق یہ غلط فہمی بھی پائی جاتی ہے کہ اس کے استعمال سے قلبی راحت ملتی ہے، بیماریاں دور ہوتی ہیں اور تکلیف و پریشانی سے شفا حاصل ہوتی

ہے، اس لیے اس کا پہننا اور ازراہِ تعاون اس کا بنانا جائز ہے۔ حالاں کہ وقتی فائدہ حاصل ہونے کی وجہ سے اس کے دینی مفاسد و نقصانات کو نظر انداز کرکے اسے جائز کہنا درست نہیں ہے۔ اگر وقتی فائدہ ہی کو معیار بنالیا جائے تو اس طرح تو سود اور شرکیہ تعویذ وغیرہ بھی جائز قرار پائیں گے!!!

شیخ صالح الفوزان رحمہ اللہ اس غلط فہمی کے متعلق اپنے ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

> ”رہا معاملہ کہ تعویذوں سے نفسی راحت اور سکون حاصل ہوتا ہے، اور بیماری سے شفا مل جاتی ہے تو اس سے بھی تعویذوں کا جواز ثابت نہیں ہوتا ہے۔ کیوں کہ ان تعویذوں کے لٹکانے کے بعد راحت کا حاصل ہونا یا بیمار کو شفا مل جانا کبھی تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ تعویذ اس وقت پہنائے جاتے ہیں، جب اللہ کی قضا و قدر میں اسے راحت یا بیماری سے شفا حاصل ہونا مقدر کیا گیا ہوتا ہے اور لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ تعویذ پہننے کی وجہ سے راحت اور شفا حاصل ہوتی ہے۔ اور کبھی ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اس سے بھی بدتر گناہ میں ملوث ہو جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان پر کوئی عذاب نازل کرتا ہے۔ لہٰذا انسان کو اس طرح کے غیر مشروع چیزوں پر عمل کرنے سے مقصود کا حاصل ہو جانا ان کے جائز ہونے پر دلالت نہیں کرتا ہے۔ کیوں کہ اس سے یا تو لوگوں کو مہلت اور ڈھیل دی جاتی ہے اور پھر سزا دی جاتی ہے، یا اللہ کی تقدیر میں پہلے ہی سے تعویذ پہننے والے کے حق میں راحت اور شفا مقدر کر دی گئی ہوتی ہے، اس کا تعویذ پہننے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جب کہ لوگ یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ تعویذ پہننے سے ایسا ہوا ہے، اور یوں وہ آزمائش اور فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔“ [1]

دوسری قسم:

غیر قرآنی آیات واحادیث پر مشتمل تعویذ: تعویذ کی اس قسم میں تمام طرح کی لٹکانے اور باندھنے والی چیزیں شامل ہیں، جنھیں لوگ شفایابی، رفعِ بلا یا دفعِ ضرر اور آسیب، نظرِ بد و جادو کے

[1] المنتقی من فتاویٰ الشیخ الفوزان ۱/ ۱۶۲، بحوالہ: ۴۵۰ سوال وجواب برائے صحت وعلاج ص: ۳۷۷

کاٹ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً ٹھیکرے، کوڑی، ہڈیاں، چمڑے، سیپ، دھاگے، کڑے، جوتیاں، کیلیں، طلسم، اور شیاطین و جنوں کے نام کی تعویذ وغیرہ۔ اس طرح کی تعویذات مذکورہ بالا دلائل کی وجہ سے قطعی طور پر حرام و ناجائز ہیں، ان کا شمار شرکِ اصغر میں ہو گا اور اگر اس طرح کی تعویذوں کو لٹکانے والا شخص یہ اعتقاد و عقیدہ رکھے کہ یہ تعویذ تکلیف اور بیماریوں کو دور کرتی ہے، اس کی وجہ سے مصیبتیں ٹلتی ہیں اور اللہ رب العزت کی مشیئت و اذن کے بغیر تعویذ موئثر ہوتی ہے اور اس کی حفاظت کرتی ہے تو اس کا شمار شرک اکبر میں ہو گا۔

گذشتہ تفصیلات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ معاشرے میں پھیلے تعویذات کی کیفیات و بناوٹ اور مقاصد مختلف ہوتے ہیں، اس لیے ہر طرح کی تعویذوں پر ایک ہی طرح کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ ان کے شرک یا حرام ہونے کی نوعیت و تفصیل حسب ذیل ہو گی:

1. شرک: وہ تعویذات جو کتاب و سنت کے کلمات کے بجائے شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوں اور ان کے مندرجات جن و شیاطین اور دیگر مخلوقات سے مدد و استعانت پر مشتمل ہوں تو بلاشبہ ایسے تعویذوں کا پہننا حرام ہے اور یہ شرکیہ عمل ہے، کیوں کہ ان میں مخلوقات کو مدد کے لیے پکارا جاتا ہے، جب کہ مدد کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

2. حرام: ایسے تعویذات، جو سمجھ میں نہ آنے والے نقش و نگار اور غیر واضح مبہم کلمات پر مشتمل ہوں تو تعویذ کی یہ شکل حرام ہو گی، ان کا شمار ممنوع تعویذ میں ہو گا اور یہ شرکِ اکبر کے ارتکاب کا سبب بھی بن سکتے ہیں، جب کہ انھیں بذاتہ موثر مانا جائے۔

3. ترک کرنا بہتر ہے: ایسے تعویذات جو قرآن کریم کی آیات یا مسنون اذکار وغیرہ پر مشتمل ہوں ان کو ترک کر دینا ہی بہتر ہے، کیوں کہ یہ بھی مذکورہ دونوں صورتوں کا سبب بن سکتے ہیں۔ جیسا کہ تفصیل سے اس کا بیان ہوا۔ یہ حقیقت ہے کہ زیادہ تر تعویذ وہی لٹکاتے ہیں، جن کا ایمان و عقیدہ کمزور ہوتا ہے اور ایسے لوگ وہمی مریض ہوتے ہیں۔

رقیہ کی تشریح ووضاحت

دم، جھاڑ پھونک اور منتر کو ''رقية'' کہتے ہیں اور اس کی جمع ''رقیٰ'' آتی ہے۔ دم اور جھاڑ پھونک اگر شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوں تو شرک ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کے شرک ہونے کی بات کہی گئی ہے۔ اسی طرح اگر جھاڑ پھونک سمجھ میں نہ آنے والے کلمات پر مشتمل ہوں اور صرف جھاڑ پھونک ہی پر بھروسہ کر لیا جائے تو یہ بھی جائز و درست نہیں ہے۔

رقیہ شرعیہ

لیکن اگر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے دم اور جھاڑ پھونک قرآنی آیات نیز اذکار و ادعیہ ماثورہ اور سمجھ میں آنے والے جائز و مباح کلمات کے ذریعہ کیا جائے تو بلاشبہ یہ جائز ہے۔ جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت و رخصت دی ہے، بلکہ اس کے سیکھنے کی بھی ترغیب دی ہے اور معوذات وغیرہ پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا دم کرنا بھی ثابت ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

((اعْرِضُوا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقَى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ شِرْكٌ)) ''تم اپنے جھاڑ پھونک کو میرے سامنے پیش کرو، جس جھاڑ پھونک میں شرکیہ کلمات نہ ہوں اس میں کوئی حرج و قباحت نہیں ہے۔''[1]

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے منع فرمادیا تو سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے خاندان والے آئے اور عرض کیا: اے

[1] صحیح مسلم: ۲۲۰۰

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے پاس ایک دم تھا، جس سے ہم بچھو کے کاٹنے کو جھاڑتے تھے، اور آپ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمادیا ہے۔ پھر انھوں نے وہ دم، جسے وہ پھونکتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا أَرَى بَأْسًا مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ)) ترجمہ: ”میں اس میں کوئی قباحت نہیں پاتا، تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ ضرور فائدہ پہنچائے۔“ [1]

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر ایک بچی کو دیکھا جس کا چہرہ زرد تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلن نے فرمایا:

((اسْتَرْقُوا لَهَا فَإِنَّ بِهَا النَّظْرَةَ)) ترجمہ: ”اس کے لیے جھاڑ پھونک کرو کیوں کہ اس کو نظر بد لگی ہے۔“ [2]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((رَخَّصَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ وَالْحُمَةِ وَالنَّمْلَةِ)) ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر بد، زہریلے جانور کے کاٹنے اور نملہ یعنی پہلو کی بیماریوں کے علاج کے سلسلے میں جھاڑ پھونک کی رخصت دی ہے“ [3]

سیدہ شفا بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میں حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا تُعَلِّمِينَ هَذِهِ رُقْيَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِيهَا الْكِتَابَةَ)) ترجمہ: ”نملہ کا جھاڑ پھونک کیوں نہیں انھیں سکھا دیتیں، جس طرح کہ تم نے انھیں لکھنا سکھایا ہے۔“ [4]

مذکورہ بالا احادیث رقیہ شرعیہ کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں، مگر ان کے علاوہ دیگر کچھ احادیث کے اندر بلا حساب کتاب جنت میں داخل ہونے والوں کی ایک صفت یہ بیان کی

[1] صحیح مسلم : ۲۱۹۹ [2] صحیح بخاری : ۵۷۳۹، صحیح مسلم : ۲۱۹۷ [3] صحیح مسلم : ۲۱۹۶، وغیرہ

[4] سنن ابوداؤد : ۳۸۸۷، صحیح، نملہ ایک قسم کی ایسی بیماری، جس میں جسم کے دونوں پہلوؤں میں پھنسیوں کے مانند دانے نکلتے ہیں۔

گئی ہے کہ وہ جھاڑ پھونک نہیں کرواتے۔ جیسا کہ سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ، هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ)) ترجمہ: ”میری امت کے ستر ہزار لوگ بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے، جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے نہ شگون لیتے ہیں اور اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔“ [1]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ فَأَخَذَ النَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْأُمَّةُ، وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ النَّفَرُ، وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْعَشَرَةُ، وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْخَمْسَةُ، وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ وَحْدَهُ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ كَثِيرٌ قُلْتُ: يَا جِبْرِيلُ: هَؤُلَاءِ أُمَّتِي، قَالَ: لَا، وَلَكِنِ انْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ، فَنَظَرْتُ: فَإِذَا سَوَادٌ كَثِيرٌ، قَالَ: هَؤُلَاءِ أُمَّتُكَ، وَهَؤُلَاءِ سَبْعُونَ أَلْفًا قُدَّامَهُمْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ، قُلْتُ: وَلِمَ، قَالَ: كَانُوا لَا يَكْتَوُونَ وَلَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ، فَقَامَ إِلَيْهِ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ، فَقَالَ: ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، قَالَ: اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ، ثُمَّ قَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ آخَرُ، قَالَ: ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، قَالَ: سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ)) ترجمہ: ”مجھ پر (پچھلی) امتیں پیش کی گئیں، کسی نبی کے ساتھ پوری امت گزری، کسی نبی کے ساتھ چند آدمی گزرے، کسی نبی کے ساتھ دس آدمی گزرے، کسی نبی کے ساتھ پانچ آدمی گزرے اور کوئی نبی تنہا گزرا۔ پھر میں نے دیکھا تو انسانوں کی ایک بہت بڑی جماعت دور سے نظر آئی۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: کیا یہ میری امت ہے؟ انھوں نے کہا نہیں بلکہ افق کی طرف دیکھیے۔ میں نے دیکھا تو ایک بڑی زبردست جماعت دکھائی دی۔ فرمایا کہ یہ ہے آپ کی امت اور یہ جو آگے آگے ستر ہزار کی تعداد ہے ان لوگوں سے نہ حساب لیا جائے گا اور نہ ان پر عذاب ہوگا۔ میں نے پوچھا: ایسا کیوں ہوگا؟ انھوں نے کہا کہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ

[1] صحیح بخاری: ۶۴۷۲، وصحیح مسلم: ۲۱۸ عن عمران بن حصين وفيه: ولا يكتوون

داغ نہیں لگواتے تھے، دم جھاڑ نہیں کرواتے تھے، شگون نہیں لیتے تھے، اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے تھے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ اٹھ کر بڑھے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان لوگوں میں کر دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ: اے اللہ! انھیں بھی ان میں سے کر دے۔ اس کے بعد ایک اور صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا: میرے لیے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عکاشہ اس میں تم سے آگے بڑھ گئے۔" [1]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا حدیثِ نبوی بھی بظاہر دم سے متعلق دیگر احادیث کے مخالف نظر آتی ہے۔ ان کے درمیان تطبیق کی بہتر صورت یہی ہے کہ ممنوع جھاڑ پھونک سے وہ جھاڑ پھونک مراد لیا جائے، جو شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوں، جن کا مفہوم واضح نہ ہو اور جو مجہول و ذو معنیٰ کلمات پر مشتمل ہوں وغیرہ۔ چناں چہ جھاڑ پھونک کی احادیث سے متعلق علامہ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"جھاڑ پھونک سے متعلق احادیث میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ جن احادیث میں جھاڑ پھونک ترک کرنے کی تعریف ہے اس سے مراد وہ دم ہے، جو کافروں کے کلام سے کیا جائے یا مجہول کلمات کے ذریعہ ہو یا غیر عربی زبان میں ہو، جس کا معنیٰ سمجھ میں نہ آئے، تو اس طرح کے جھاڑ پھونک مذموم و ناپسندیدہ ہیں، کیوں کہ ان کے اندر کفر یا کفر سے قریب تر بات یا مکروہ ہونے کا احتمال ہے۔ اور رہا قرآنی آیات اور معروف اذکار کے ذریعہ دم کرنا تو یہ ممنوع نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ بعض لوگوں نے دونوں طرح کی احادیث کے مابین تطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے کہ: جھاڑ پھونک ترک کرنے کی جو مدح کی گئی ہے یہ افضلیت کی بنا پر ہے اور توکل کو واضح کرنا ہے، اور جن احادیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم کیا اور اس کی اجازت مرحمت فرمائی تو یہ بیانِ

[1] صحیح بخاری: ۶۵۴۱، صحیح مسلم: ۲۲۰، واللفظ للبخاری

جواز کے لیے ہے جب کہ جھاڑ پھونک کا ترک کر دینا ہی افضل ہے۔ یہی بات ابن عبد البر نے کہی ہے اور کچھ دیگر لوگوں نے بھی بیان کیا ہے۔ حالاں کہ پہلی تطبیق ہی بہتر و پسندیدہ ہے۔ قرآنی آیات اور اللہ تعالیٰ کے اذکار کے ساتھ جھاڑ پھونک کے جواز پر اجماع نقل کیا گیا ہے۔“ [1]

جائز دم کی شرائط

شرکیہ و مجہول اور سمجھ میں نہ آنے والے کلمات پر مشتمل جھاڑ پھونک کے علاوہ دیگر دموں کے لیے درج ذیل تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، اور ان تین شرطوں کی موجودگی کی صورت میں جھاڑ پھونک کے جواز پر علما کا اجماع ہے:

1. دم اللہ تعالیٰ کے کلام یا اس کے اسماء وصفات پر مبنی ہو۔
2. دم کے کلمات عربی زبان میں ہوں یا پھر عربی کے علاوہ ایسی زبان میں ہو، جس کے معنیٰ واضح ہوں سمجھ میں آئیں اور وہ شریعت کے مخالف نہ ہوں۔
3. یہ عقیدہ رکھا جائے کہ دم بذاتِ خود موثر نہیں ہے، بلکہ نفع دینے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اگر وہ چاہے گا تو دم کا اثر ہو گا۔ [2]

علاوہ ازیں دم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے اندر ذرہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہو اور نہ ہی وہ فحش کلام پر مشتمل ہو، اور دم کرنے والا شخص ساحر و کاہن اور فریبی و شعبدہ باز ہونے کے بجائے صحیح العقیدہ انسان ہو، اس میں کسی طرح کا شرعی عیب نہ پایا جائے اور پھر وہ غیر شرعی طریقے پر دم نہ کرتا ہو، مثلاً ناپاکی کی حالت میں یا ناپاک جگہوں میں یا ناپاک چیزوں کی مدد کے ذریعہ دم کرنا وغیرہ۔ کیوں کہ ایسے لوگ شرعی راقی کے بجائے کاہن و ساحر ہوتے ہیں۔

---

[1] المنہاج فی شرح صحیح مسلم للنووی ص:۱۳۶۶

[2] ان شرائط کے لیے دیکھئے: فتح الباری ۱۰/ ۱۹۵، فتح المجید میں شیخ عبد الرحمٰن بن حسن آل الشیخ نے ان شرائط کو سیوطی کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

جائز دم کی صورتیں

دم اور جھاڑ پھونک کے بارے میں جتنی احادیث آئی ہیں ان کے مطالعہ سے جائز دم کے بارے میں درج ذیل نبوی تعلیمات ورہنمائی ملتی ہے:

۱ – قرآنی سورتیں، قرآنی آیات اور دیگر نبوی دعائیں پڑھ کر بذاتِ خود اپنے آپ پر دم کرنا، اور اپنے ہاتھ پر دم کرکے پورے بدن پر پھیرنا۔ دم کی یہ سب سے افضل اور بہترین صورت ہے۔ انسان اگر خشوع و خضوع کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی سنے گا، اور خشوع و خضوع کے بڑھانے کا یہ اہم ترین ذریعہ ہے۔ اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کا معمول بھی یہی تھا، جیسا کہ اس سے متعلق کئی روایات بیان کی جاچکی ہیں۔

۲ – مریض کے مطالبہ کے بغیر دم کرنا، مثلاً بیمار کے یہاں گئے تو ازخود مریض کے مطالبہ کے بغیر نبوی تعلیمات کے مطابق عیادت کی مخصوص دعائیں پڑھ کر مریض پر دم کرنا۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں کئی دعائیں ثابت ہیں۔ اسی طرح والدین کا اپنے بچوں پر قرآنی آیات یا دعائیں وغیرہ پڑھ کر دم کرنا۔ دم کی یہ صورت بھی بلاشبہ جائز اور درست ہے۔

۳ – دکھ و تکلیف کا اظہار کرنے والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ دعائیں بتلانا اور سکھلانا تاکہ وہ ازخود دم کرسکیں۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سکھلایا کرتے تھے۔ اسی طرح اگر کوئی دم کا مطالبہ کرے تو انھیں بھی سکھایا جائے تاکہ وہ خود دم کرسکیں۔ ہم اگر اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو بیشتر دعا کرنے والوں کو پائیں گے کہ دم کے کلمات کو ازخود بتانے سے تو رہے مطالبہ کرنے پر بھی ظاہر نہیں کریں گے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایسے لوگ جادوگر اور کاہن قسم کے ہوتے ہیں، جو اپنے شرکیہ کلمات کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے، اور اگر کاہن و ساحر نہیں ہوتے ہیں تو پھر اپنی جہالت و نادانی کی بنا پر بتلانے اور سکھلانے سے گریز کرتے ہیں۔ اِن شاء اللہ جادوگر و کاہن کی شناخت کے بارے میں اگلی فصل کے اندر گفتگو ہوگی۔

۴ – مریض کا کسی دوسرے شخص سے دم کا مطالبہ کرنا اور اس سے دم اور جھاڑ پھونک کروانا۔ اس صورت کے بارے میں ضروری ہے کہ ہم دم کرنے والے کے بارے میں اچھی طرح واقفیت رکھتے ہوں کہ وہ موحد و متبع سنت ہو نیز شرک و بدعات سے دور رہ کر کتاب و سنت پر عمل پیرا ہو۔ کسی مجہول اور مشرک و بدعتی شخص سے دم نہیں کروانا چاہیے۔

دم اور جھاڑ پھونک کی مذکورہ بالا چاروں صورتیں بلاشبہ جائز و درست ہیں، جیسا کہ اوپر اس سے متعلق کچھ دلائل و نصوص کا بیان ہوا ہے۔ مگر انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ہمارے یہاں مذکورہ صورتوں میں سے پہلی تین صورتیں چھوڑ کر صرف چوتھی صورت رائج ہے اور زیادہ تر لوگ اسی پر عمل پیرا ہیں، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اس ترقی یافتہ دور میں بھی بہتیرے نادان ایسے ہیں، جو بیماریوں کو دوا اور دعا و استغفار نیز صدقہ و خیرات سے دور کرنے کے بجائے دھوکہ باز قسم کے عاملوں اور فریبی باباؤں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بالآخر اپنا دین و ایمان بیچنے کے ساتھ ساتھ مال و دولت بھی ضائع کرتے ہیں، بلکہ بسا اوقات گھر کی خواتین کی عزتیں بھی نیلام کر آتے ہیں۔ اللہ ہمیں ایسی جہالت و نادانی اور بدعقیدگی سے بچائے اور ہمیں دعا کے ساتھ دوا اور توبہ و استغفار نیز صدقہ و خیرات کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے ایمان و عقیدے کو کتاب و سنت کے مطابق مضبوط بنائے۔ آمین!

جھاڑ پھونک سے متعلق عوام میں موجود ایک غلط فہمی کا ازالہ

اسلام نے مختلف امراض کے علاج کے لیے ذکر و دعا اور معوذات کے ساتھ ساتھ جائز دواؤں کو بھی اپنانے کی ترغیب دی ہے۔ جیسا کہ متعدد احادیثِ نبویہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالی نے ہر مرض و بیماری کے لیے دوا نازل فرمائی ہے، جس کے استعمال سے اللہ تعالیٰ کے حکم و مرضی سے شفا حاصل ہو گی، اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی بیماریوں کے متعلق اپنے اصحاب کے لیے دواؤں کی تشخیص فرمائی ہے، جیسا کہ علامہ ابن قیم

الجوزیہ رحمہ اللہ نے اپنی معرکہ آرا کتاب "زاد المعاد من ھدی خیر العباد" کی چوتھی جلد میں بڑی تفصیل سے اس کو بیان فرمایا ہے، کتاب کا یہ حصہ الگ سے "طب نبوی" کے نام سے اردو زبان میں بھی مطبوع ہے۔ آنے والے سطور میں دوا اور علاج سے متعلق چند احادیث ذکر کی جا رہی ہیں، جن سے دوا اور علاج سے متعلق اسلامی تعلیمات کو سمجھنے میں آسانی ہو گی:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا أَنْزَلَ اللَّهُ دَاءً إِلاَّ أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً)) ترجمہ: "اللہ نے کوئی ایسی بیماری نہیں نازل کی جس کے لیے شفا یعنی دوا نہ نازل کی ہو۔" [1]

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَإِذَا أُصِيبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَأَ بِإِذْنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ)) ترجمہ: "ہر بیماری کے لیے دوا ہے جب بیماری کی دوا (انسان کے جسم میں) پہنچتی ہے تو اللہ عزوجل کے حکم سے شفا ہو جاتی ہے۔" [2]

سیدنا اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے اصحاب اس طرح بیٹھے ہوئے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ میں نے سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ اتنے میں ادھر ادھر سے کچھ دیہاتی آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم دوا کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تَدَاوَوْا، فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ دَوَاءً غَيْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ الْهَرَمُ)) ترجمہ: "دوا کرو اس لیے کہ اللہ نے کوئی ایسی بیماری نہیں بنائی ہے کہ جس کے لیے دوا نہ بنائی ہو سوائے ایک بیماری کے اور وہ بڑھاپا ہے۔" [3]

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] صحیح بخاری: ۵۶۷۸ [2] صحیح مسلم: ۲۲۰۴ [3] سنن ابو داود: ۳۸۵۵، صحیح

((مَا أَنْزَلَ اللَّهُ دَاءً إِلاَّ أَنْزَلَ لَهُ دَوَاءً، عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ، وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ))

ترجمہ: ”اللہ نے کوئی ایسی بیماری نہیں نازل کی، جس کے لیے دوا نہ نازل کی ہو، جنھوں نے جاننا چاہا اللہ نے انھیں بتایا اور جنھوں نے نہیں جانا انھیں ناواقف رکھا۔“ [1]

نیز قرآن کریم سے علاج کرنے کے متعلق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور وہ ایک عورت کا علاج کر رہی تھیں یا اس پر جھاڑ پھونک کر رہی تھیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَالِجِيْهَا بِكِتَابِ اللهِ)) ”کتاب اللہ سے اس کا علاج کرو۔“ [2]

لہٰذا کسی بھی بیماری کے لیے شرعی دم و جھاڑ پھونک اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ دواؤں کا بھی استعمال کرتے رہنا چاہیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ دونوں طریقوں کو اپنانا چاہیے۔ جب کہ موجودہ دور میں ہمارے یہاں یہ بہت بڑی کمی پائی جاتی ہے کہ کسی ایک ہی طریقۂ علاج پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ کسی طرح کی کوئی بھی بیماری لاحق ہوئی فوراً اس کے لیے شرکیہ جھاڑ پھونک اور تعویذوں کا سہارا لیتے ہیں یا کوئی پیچیدہ قسم کی بیماری ہے تو اسے جادو اور آسیب قرار دے لیتے ہیں اور جاہل و مشرک قسم کے دُوَاڑیوں کے پیچھے لگ کر اپنے ایمان و عقیدے کو برباد کرتے نظر آتے ہیں۔ اگر جادو یا آسیب کا ہونا قرائن و شواہد سے ثابت ہو جائے تو شرعی طریقوں کو اپنا کر خود سے ہی اس کا علاج کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر کسی عامل کے پاس جانے کی ضرورت ہی ہے تو پہلے اس کے بارے میں مکمل جان کاری لے لینی چاہیے کہ کہیں وہ کاہن و جادوگر تو نہیں ہے؟ یا کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ مال و زر اینٹھنے کے لیے صرف اور صرف ڈھکوسلا اور شعبدہ بازی سے کام لیتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ان کے پاس جانے سے بچیں۔ جھاڑ پھونک پر اگرچہ اجرت لینے کی اجازت دی گئی ہے، مگر اسے کسبِ زر کا ذریعہ بنا کر بطور پیشہ اپنانا قطعاً درست نہیں ہے، یہ عمل کتاب و سنت اور سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے۔

[1] مسند احمد: ۳۹۲۲، سنن ابن ماجہ: ۳۴۳۸ مختصراً، صحیح

[2] صحیح ابن حبان: ۶۰۹۸، الصحیحۃ: ۱۹۳۱

پانی میں دم کرنے کی شرعی حیثیت

شرعاً دم کرنا اور کرانا، اس کے ذریعہ اپنے بھائی کو نفع پہنچانا اور پھر اس کا سیکھنا سکھلانا جائز و درست ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں تفصیل سے اس کی وضاحت کی جاچکی ہے۔ اوپر دم کے تعلق سے پانی میں پھونکنے کی بات کہی گئی ہے، یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اس کے جواز کی دلیل سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے مروی سنن ابوداؤد کی مندرجہ ذیل حدیث سے لی جاتی ہے، اسی طرح شرکیہ کلمات سے پاک دم کے جواز پر دلالت کرنے والی تمام روایتوں سے پانی میں دم کرنے کا استدلال بھی کیا جاتا ہے۔

سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں تشریف لائے جب کہ وہ بیمار تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ((اكْشِفِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ)) ”(اے) لوگوں کے رب! ثابت بن قیس سے (بیماری کو) دور فرمادے۔“ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی بطحان کی (تھوڑی سی) مٹی لی اور اسے ایک پیالے میں رکھا پھر اس پر پانی کے ساتھ دم کیا اور اسے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پر ڈال دیا۔[1]

بعض سلف صالحین بھی پانی پر دم کے جواز کے قائل اور اس پر عمل پیرا رہے ہیں۔ مصری عالم شیخ ابو منذر خلیل کہتے ہیں:

> ”میں نے شیخ عبد اللہ بن الجبرین اور شیخ محمد بن صالح العثیمین سے یہ سوال کیا کہ مریض کے لیے پانی پر اور تیل پر قرآن سے دم کرنا کیسا ہے؟ تو ان دونوں حضرات نے جواب دیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ ایسا کرنا مشروع ہے اور بعض سلف سے ثابت ہے۔“ [2]

علاوہ بریں بعض علما پانی میں دم کے عدمِ جواز کے قائل ہیں، ان کی دلیل درج ذیل حدیث نبوی ہے:

---

[1] سنن ابوداؤد: ۳۸۸۵، یہ روایت شیخ البانی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک سنداً ضعیف ہے، جب کہ حافظ ابن حجر اور شیخ ابن باز رحمہما اللہ وغیرہما کے نزدیک حسن وجید ہے۔

[2] جادو اور آسیب کا کامیاب علاج، ص:۱۴۹

سیدنا ابو قتادہ حارث بن ربعی سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: ((إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ)) ترجمہ: ”جب تم میں سے کوئی شخص پانی پیے تو برتن میں پھونک نہ مارے۔“ [1]

نیز سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔ کہتے ہیں:

((نَهَى أَنْ يُتَنَفَّسَ فِي الْإِنَاءِ أَوْ يُنْفَخَ فِيهِ)) ترجمہ: ”برتن میں سانس لینے یا اس میں پھونکنے سے منع فرمایا ہے۔“ [2]

جب کہ برتن میں سانس لینے یا اس میں پھونکنے سے متعلق روایات پانی پینے کے ساتھ خاص ہیں کہ پانی پیتے وقت پینے والے برتن میں سانس نہ لی جائے، بلکہ منہ الگ کرکے سانس لی جائے، اسی طرح اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ پانی کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اس میں پھونک نہ مارا جائے اور اس میں گری پڑی چیز کو دور کرنے کے لیے اس میں پھونک نہ ماری جائے۔ بطور علاج پانی میں قرآنی آیات اور دعائیں پڑھ کر اس میں دم کرنے سے ان احادیث کا تعلق نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی افضل و اولیٰ اور راجح بات یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو پانی میں دم کرنے سے بچا جائے، کیوں کہ اس بارے میں صراحتاً پیارے حبیب صلی اللہ علیہ و سلم سے پانی میں دم کرنا ثابت نہیں ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ قرآنی آیات اور دعائیں وغیرہ پڑھ کر براہ راست مریض پر یا مریض کے متاثرہ مقام پر پھونک ماری جائے یہی افضل و بہتر عمل اور نبوی طریقہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

تولہ کی تشریح

جادو منتر کے وہ اعمال جنھیں میاں بیوی کے درمیان محبت پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے اسے **تِوَلَة** کہتے ہیں۔ بطور خاص مشرکین اس طرح کا خاص عمل کرکے یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کا یہ

---

[1] صحیح بخاری: ۱۵۳، ۵۶۳۰، صحیح مسلم: ۲۶۷

[2] جامع ترمذی: ۱۸۸۸، صححہ الالبانی

عمل میاں بیوی میں سے ایک دوسرے کو محبوب بنانے کا ذریعہ ہے۔ یہ جادو کی ایک قسم ہے اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شرک قرار دیا ہے۔ صحابیِ رسول سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کی بیوی نے تولۃ کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ:

((شیٔ تصنعه النساء یتحببن إلیٰ أزواجهن)) ترجمہ: ”یہ وہ چیز ہے، جسے عورتیں کرتی ہیں تاکہ وہ اپنے شوہروں کے نزدیک محبوب ہو جائیں۔“ [1]

چند نبوی معوذات

انسانوں کو جو تکلیف و مصیبت پہنچتی ہے یا وہ کسی بیماری و پریشانی کے شکار ہوتے ہیں تو ایسے مواقع پر بھی ہمارے یہاں اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کے بجائے مختلف قسم کی شرکیہ وسائل کو اپنایا جاتا ہے۔ جب کہ مختلف طرح کی بیماریوں اور پریشانیوں کے لیے نبوی معوِّذات موجود ہیں ہمیں انھیں اپنا کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اپنے آپ کو شرک کی آلودگیوں سے دور رکھنا چاہیے۔

آیئے ہم چند نبوی معوذات کا مطالعہ کرتے ہیں کہ کس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مختلف بیماریوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہنے کے لیے معوذات سکھلائی ہیں:

کردہ و ناکردہ گناہوں سے استعاذہ:

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ، اللَّهُمَّ آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا، وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا، أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا))

---

[1] صحیح ابن حبان : ۶۰۹۰، مستدرک حاکم، بحوالہ فتح المجید ص:۱۰۴، صحیح الترغیب والترھیب للالبانی رقم:۳۴۵۷

ترجمہ: ''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں عاجزی اور سستی سے، بزدلی اور بخل سے، بڑھاپے اور عذابِ قبر سے۔ اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما اور اس کا تزکیہ فرما تو بہترین تزکیہ کرنے والا ہے، تو اس کا کارساز اور اس کا مالک ہے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع بخش نہ ہو، ایسے دل سے جو ڈرتا نہ ہو، ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسی دعا سے جو قبول نہ کی جائے۔'' [1]

مسند احمد میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ دعا سکھلاتے تھے اور ہم تم لوگوں کو یہ دعا سکھلا رہے ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ، وَشَرِّ مَا لَمْ أَعْمَلْ)) ''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس کام کی برائی سے، جو میں نے کیا ہے اور اس کام کی برائی سے، جو میں نے نہیں کیا۔'' [2]

سیدنا قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَهْوَاءِ)) ترجمہ: ''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں برے اخلاق، برے اعمال اور بری خواہشات سے۔'' [3]

دکھ و تکلیف اور بری بیماریوں سے استعاذہ:

سیدنا عثمان بن ابو العاص ثقفی رضی اللہ عنہ نے اپنے جسم میں ہونے والے اس درد کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی، جو انھیں اس وقت سے ہوتا تھا جب سے انھوں نے اسلام قبول کیا تھا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''جسم کے جس مقام پر درد ہوتا ہے تم وہاں اپنا ہاتھ رکھ کر تین بار بسم اللہ پڑھو اور سات بار یہ کہو:

((أَعُوذُ بِاللَّهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ)) ترجمہ: ''میں اللہ اور اس کی قدرت کی پناہ میں آتا ہوں اس چیز کے شر سے، جو میں پاتا ہوں اور جس کا مجھے ڈر ہے۔'' [4]

---

[1] صحیح مسلم : ۲۷۲۲، مسند احمد: ۱۹۳۰۸ [2] صحیح مسلم : ۲۷۱۶ [3] جامع ترمذی: ۳۵۹۱، صحیح [4] صحیح مسلم : ۲۲۰۲

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جہاں کہیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑاؤ ڈالتے میں آپ کی خدمت کرتا تھا، میں نے آپ کو بکثرت یہ دعا کرتے ہوئے سنا:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ، وَ ضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ)) ترجمہ: ”اے اللہ! میں غم سے، رنج سے، عاجز ہونے سے، سستی و بخیلی سے، بزدلی سے، قرض کے بوجھ سے اور لوگوں کے غلبہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔“ [1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُنُونِ وَالْجُذَامِ، وَمِنْ سَيِّئِ الْأَسْقَامِ)) ”اے اللہ! میں برص و دیوانگی اور جُذام (کوڑھ) سے، اور بری بیماریوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“ [2]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُوعِ؛ فَإِنَّهُ بِئْسَ الضَّجِيعُ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ؛ فَإِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ)) ترجمہ: ”اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بھوک سے کیوں کہ وہ بری ساتھی ہے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں خیانت سے کیوں کہ وہ بری خصلت ہے۔“ [3]

عذابِ قبر و دوزخ اور مسیح دجال سے استعاذہ:

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَعَذَابِ النَّارِ، وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، وَشَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَى وَشَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، اللَّهُمَّ اغْسِلْ قَلْبِي بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّ قَلْبِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ، وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ)) ترجمہ: ”اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں آگ کے فتنہ اور آگ کے عذاب سے، اور قبر کی آزمائش سے اور قبر کے عذاب سے، اور مال داری کی آزمائش کے

---

[1] صحیح بخاری: ۶۳۶۹

[2] ابوداؤد: ۱۵۵۴، صحیح عند الالبانی واسنادہ ضعیف عند زئی

[3] سنن ابوداؤد: ۱۵۴۷، حسن و ضعیف عند زئی

شر سے اور محتاجی کے فتنہ کے شر سے، اور مسیح دجال کی آزمائش کے شر سے، اے اللہ! میرے دل کو برف اور اولے کے پانی سے دھو دے، اور میرے دل کو گناہوں سے صاف کر دے، جس طرح تو سفید کپڑے کو میل سے صاف کرتا ہے، اور میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنی دوری کر دے جتنی دوری تو نے مشرق و مغرب کے درمیان کی ہے، اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں سستی سے، گناہ سے اور قرض سے۔" [1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ، ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ))

ترجمہ: "اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں مسیح دجال کے فتنے سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی و موت کے فتنے سے۔ اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔" [2]

نظرِ بد اور شیطانی شرور سے استعاذہ:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے لیے پناہ مانگا کرتے تھے اور کہتے تھے: "بے شک تم دونوں کے دادا (ابراہیم علیہ السلام بھی) اسماعیل و اسحاق علیہما السلام کے لیے ان کلمات کے ذریعہ پناہ طلب کیا کرتے تھے:

((أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ)) ترجمہ: "میں اللہ کے کامل ترین کلمات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں ہر ایک شیطان اور زہریلے جانور سے، اور ہر نقصان پہنچانے والی نظر سے۔" [3]

---

[1] صحیح بخاری: ۶۳۷۷، مسلم: ۵۸۹
[2] صحیح بخاری: ۸۳۲، صحیح مسلم: ۵۸۹، واللفظ لہ
[3] صحیح بخاری: ۳۳۷۱

سیدہ خولہ بنت حکیم سُلمیّہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و سلم کو فرماتے ہوئے سنا: ”جب کوئی کسی مقام پر اترے تو چاہیے کہ وہ یہ دعا کرے:

((أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ)) ترجمہ: ”میں اللہ کی کامل کلمات کے ذریعہ مخلوق کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔“ تو اس کو وہاں سے کوچ کرنے تک کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔“ [1]

سیدنا ابو الیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم دعا مانگتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَدْمِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ التَّرَدِّي، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَالْهَرَمِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ يَتَخَبَّطَنِي الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ فِي سَبِيلِكَ مُدْبِرًا، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أَمُوتَ لَدِيغًا)) ترجمہ: ”اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں (اپنے اوپر کسی مکان یا دیوار کے) گرنے سے، اور بلند مقام سے گر پڑنے سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں، میں تیری پناہ مانگتا ہوں ڈوبنے، جل جانے اور بہت بوڑھا ہو جانے سے، میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ موت کے وقت شیطان مجھے حیران کرے۔ میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں تیری راہ میں پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوئے مارا جاؤں، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں (کسی زہریلے جانور کے) ڈسنے سے مروں۔“ [2]

ایک شخص نے سیدنا عبد الرحمٰن بن خنبَش رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ: جب شیاطین رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے قریب آئے تھے تو آپ نے کیا کیا تھا؟ انھوں نے کہا: اس رات شیاطین مختلف وادیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس آئے اور مختلف پہاڑوں سے آکر کے آپ پر ٹوٹ پڑے، انھیں میں سے ایک شیطان کے پاس آگ کا شعلہ تھا وہ اس کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو جلانا چاہتا تھا، انھوں نے کہا: پس وہ ڈر گیا۔ راویٔ حدیث جعفر کا کہنا ہے کہ: میرا خیال ہے کہ انھوں نے کہا کہ وہ پیچھے ہٹنے لگا۔ پھر جبریل علیہ السلام حاضر

---

[1] صحیح مسلم: ۲۷۰۸

[2] سنن ابو داؤد: ۱۵۵۲، سنن نسائی: ۵۵۳۱، صحیح

ہوئے اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) آپ پڑھیے، آپ نے فرمایا : میں کیا پڑھوں؟

جبریل علیہ السلام نے کہا: پڑھیے:

((أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ الَّتِي لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيهَا، وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَأَ فِي الْأَرْضِ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا، وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ إِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ، يَا رَحْمٰنُ)) ترجمہ: ”میں اللہ کے ان مکمل کلمات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں، جن سے کوئی نیک اور بد تجاوز نہیں کر سکتا، ہر اس شر سے جسے اس نے پیدا کیا ہے، اور ہر اس شر سے جو آسمان سے اترتی اور اسی میں چڑھتی ہے، اور اس شر سے جو زمین میں پیدا ہوتی اور اس سے نکلتی ہے، اور رات و دن کے فتنوں کی برائی سے، اور رات و دن کو آنے والے سبھی حادثات سے، مگر یہ کہ وہ حادثہ خیر کے ساتھ وقوع پذیر ہو، اے رحمان!“

پس (استعاذہ پر مشتمل یہ دعا پڑھنے سے) شیاطین کی آگ بجھ گئی اور اللہ عز و جل نے شیطانوں کو پسپا کر دیا۔“ [1]

دنیاوی فتن و شرور سے استعاذہ:

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے بچوں کو یہ کلمات سکھاتے تھے، جس طرح کہ معلم لڑکوں کو لکھنا سکھاتا ہے، اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان کلمات کے ذریعہ نماز کے بعد پناہ مانگا کرتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ)) ترجمہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں بزدلی سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ ارذل عمر (نکمی عمر) میں پہنچا دیا جاؤں اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں دنیا کے فتنوں سے اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے۔“

---

[1] مسند احمد: ۱۵۴۶۱، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۲۹۹۵، ۸۴۰

یہ نبوی استعاذہ اس طرح بھی مروی ہے: ((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ)) [1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پناہ مانگتے تھے اور کہتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ)) ترجمہ: "اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں سستی سے، اور میں تیری مانگتا ہوں بزدلی سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں بڑھاپے سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں بخیلی سے۔" [2]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ، وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ، وَجَمِيعِ سَخَطِكَ)) ترجمہ: "اے اللہ! میں تیری نعمت کے زائل ہونے سے، اور تیری عافیت کے پلٹ جانے سے، اور تیرے اچانک آنے والے عذاب سے، اور تیری ہر قسم کی ناراضی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔" [3]

سیدنا شکل بن حمید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا تعوّذ سکھایئے کہ میں اس کے ذریعہ پناہ حاصل کیا کروں؟ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا پکڑا اور فرمایا کہ کہو:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِي وَمِنْ شَرِّ بَصَرِي وَمِنْ شَرِّ لِسَانِي وَمِنْ شَرِّ قَلْبِي وَمِنْ شَرِّ مَنِيِّي)) ترجمہ: "اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے کان کے شر

[1] صحیح بخاری: ۲۸۲۲، ۶۳۷۰
[2] صحیح بخاری: ۶۳۷۱
[3] صحیح مسلم: ۲۷۳۹

سے، اور اپنی آنکھ کے شر سے، اپنی زبان کے شر سے، اپنے دل کے شر سے، اور اپنی منی یعنی شرم گاہ کے شر سے۔" [1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْقِلَّةِ وَالذِّلَّةِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ))

ترجمہ: "اے اللہ! میں محتاجی و کمی اور ذلت سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور میں پناہ مانگتا ہوں کہ میں کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے۔" [2]

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان کلمات کے ساتھ دعا کرتے تھے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ، وَغَلَبَةِ الْعَدُوِّ، وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ)) "اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں قرض کے غلبے سے، دشمن کے غلبے سے اور مصیبت میں دشمنوں کی خوشی سے۔" [3]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي)) "اے اللہ! میں تیری عظمت کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اچانک اپنے نیچے سے پکڑ لیا جاؤں۔ (یعنی زمین میں دھنسا دیا جاؤں)" [4]

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا تو میں آپ کو ڈھونڈنے لگی، میرا ہاتھ آپ کے دونوں پاؤں کے تلوے پر پڑا، آپ سجدے میں تھے اور آپ کے دونوں پاؤں کھڑے تھے، اور آپ یہ دعا کر رہے تھے:

((اللَّهُمَّ أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ، لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ)) "اے اللہ! میں تیرے غصے سے تیری رضامندی

[1] ترمذی: ۳۴۹۲، صحیح [2] ابوداؤد: ۱۵۴۴، نسائی: ۵۴۶۰، صحیح [3] نسائی: ۵۴۷۵، صحیح [4] نسائی: ۵۵۲۹، ۵۵۳۰، صحیح

کی پناہ مانگتا ہوں، اور تیری سزا سے تیری بخشش کی پناہ مانگتا ہوں، اور میں تجھ سے تیری ہی پناہ مانگتا ہوں، میں تیری تعریف شمار نہیں کر سکتا، تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے خود اپنی ثنا بیان کی ہے۔"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ یہ چند نبوی معوذات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام طرح کے شرور و فتن سے اللہ رب العالمین کی پناہ مانگنا نبوی طریقہ ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہر طرح کی پریشانی و تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں اور استعاذہ کے غیر شرعی طریقوں سے اجتناب و دوری اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین

مذکورہ بالا معوذاتِ نبویہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات کی پناہ طلب کی جائے اور اسی پر اعتماد و بھروسہ رکھا جائے، یا پھر اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ اور اسمائے حسنیٰ کے ذریعہ اس کی پناہ طلب کی جائے۔ اس کے سوا پناہ طلبی کے اور جتنے بھی طریقے ہیں حرام و ناجائز ہیں۔ مثلاً جنوں سے پناہ طلب کرنا، مُردوں سے پناہ طلب کرنا اور پناہ کی قدرت نہ رکھنے والے غائب زندوں سے پناہ طلب کرنا۔ یہ سب شرک ہیں ان سے بچنا چاہیے ورنہ ہمارے سارے اعمالِ صالحہ اکارت جائیں گے۔ شرک کی سنگینی کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے لگائیے کہ مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ذَٰلِكَ هُدَى ٱللَّهِ يَهۡدِي بِهِۦ مَن يَشَآءُ مِنۡ عِبَادِهِۦۚ وَلَوۡ أَشۡرَكُواْ لَحَبِطَ عَنۡهُم مَّا كَانُواْ يَعۡمَلُونَ ﴿٨٨﴾﴾ ترجمہ: "یہ اللہ کی ہدایت ہی ہے، جس کے ذریعہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور اگر بالفرض وہ لوگ بھی شرک کرتے تو جو کچھ وہ لوگ عمل کرتے تھے، وہ سب ضائع ہو جاتے۔" [الانعام:۸۸]

[1] صحیح مسلم: ۴۸۶

فصلِ دوم: جادو کی حقیقت، اس کا حکم، بچاؤ کی احتیاطی تدابیر اور علاج

جادو کی لغوی و اصطلاحی تعریف

جادو کے لیے قرآن کریم میں ''سحر'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اور جس کا سبب خفیف و پوشیدہ اور لطیف و باریک ہو لغت میں اسے سحر یعنی جادو کہتے ہیں۔ مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی رحمہ اللہ نے اس کے لغوی معنٰی یہ بتلائے ہیں:

''ہر وہ چیز جس کا کوئی مخفی سبب ہو اور وہ اپنی حقیقت کے خلاف ظاہر ہو۔ (۲) ہر وہ چیز جس کے حصول میں شیطانی ذرائع سے مدد لی جائے، جس کا مأخذ انتہائی لطیف و رقیق ہو، جادو، ٹوٹکا نظر بندی (کسی چیز کا خلافِ حقیقت نظر آنا) (۳) دھوکا ملمع سازی (۴) دل کشی، سحر انگیزی۔'' [1]

اور اصطلاحی طور پر جادو ایسے علم کو کہتے ہیں، جس کے ذریعہ جادوگر ایسے عجیب و غریب کام انجام دے، جن کا سبب مخفی و پوشیدہ ہو، اور جادو اُن تعویذ گنڈوں، منتروں اور گرہوں میں پھونکی جانے والی شیطانی چالوں اور وہم و فریب میں مبتلا کرنے والی شعبدہ بازیوں کو بھی کہتے ہیں، جس کی وجہ سے شوہر بیوی کے درمیان علیحدگی پیدا ہو جاتی ہے اور ذہن و دماغ پر اثر انداز ہو کر جسمانی بیماری کا سبب بنتی ہے، نیز سوچ و فکر اور نگاہوں پر اثر انداز ہو تو نگاہوں کے سامنے کی موجود چیزیں کچھ کا کچھ نظر آتی ہیں۔ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''جادو ان عزائم (تعویذات)، منتروں اور گرہوں کو کہتے ہیں، جو دلوں اور جسموں پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جسمانی طور پر بیماری اور قتل کا سبب بنتے ہیں اور شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی پیدا کرتے ہیں، جسے میاں بیوی میں سے کوئی ایک جادوگر سے حاصل کرتا ہے۔'' [2]

[1] القاموس الوحید مادہ س ح ر، ص: ۷۵۰

[2] الکافی لابن قدامہ ۵/ ۳۳۱

جادو سے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا بیان

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ سحر کے معانی اور اس کی حقیقت و تاثیر وغیرہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''راغب وغیرہ کا کہنا ہے کہ سحر کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے:

اوّل: (ہر وہ چیز) جو لطیف اور دقیق ہو۔ اسی مفہوم میں ہے: ''سحرتُ الصبیَّ'' (میں نے بچے پر جادو کیا) یعنی میں نے اسے دھوکا دیا اور اسے اپنی طرف مائل کیا، اور ہر وہ شخص جو کسی کو اپنی طرف مائل کرلے تو اس نے اس پر جادو کیا۔ اسی قبیل سے شعراء کا ''جادو بھری آنکھ'' کا بولنا ہے، کیوں کہ جادو بھری آنکھیں نفوس کو اپنی طرف مائل کرلیتی ہیں۔ اسی مفہوم میں اطباء کا یہ قول بھی ہے: ''الطبیعة ساحرة'' (مزاج جادوگرانہ ہے۔) اسی مفہوم میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُورُونَ﴾ ''بلکہ ہم لوگوں پر جادو کردیا گیا ہے'' [الحجر:١٥] یعنی ہم لوگ معرفت سے پھرے ہوئے ہیں۔ اسی مفہوم میں یہ حدیث بھی ہے: ((إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا)) ''بے شک بعض بیان میں جادو ہوتا ہے''

دوم: جو چیزیں فریب اور تخییلات (وہم و دھوکا دہی) سے وقوع پذیر ہوں اور ان کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ جیسے: جو کچھ شعبدہ باز لوگ، لوگوں کی نگاہیں پھیر کر اپنے ہاتھ کی صفائی کے ذریعہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ان فرامین میں اسی جانب اشارہ ہے:

﴿يُخَيَّلُ إِلَيۡهِ مِن سِحۡرِهِمۡ أَنَّهَا تَسۡعَىٰ﴾ ''ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ایسی لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔'' [طٰہ:٦٦] ﴿سَحَرُوٓاْ أَعۡيُنَ ٱلنَّاسِ﴾ ''انھوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کردیا۔'' [الاعراف:١١٦]

اسی وجہ سے انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ساحر کے نام سے موسوم کیا تھا۔ اس طرح کی شعبدہ بازی میں جادوگر ایسی چیزوں کی مدد لیتا ہے، جن میں کوئی خاصیت پائی جاتی ہے، جیسے: ایسا پتھر جس میں لوہے کو اپنی طرف کھینچنے کی خاصیت پائی جاتی ہے، جسے مقناطیس کہتے ہیں۔

سوم: وہ جادو جس میں شیطانوں کے ساتھ تقرب و قربت کے ذریعہ جادو گر کو شیطانوں کی مدد و معاونت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اسی جانب اشارہ ہے:
﴿وَلَٰكِنَّ ٱلشَّيَٰطِينَ كَفَرُواْ يُعَلِّمُونَ ٱلنَّاسَ ٱلسِّحۡرَ﴾ ”اور لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔“ [البقرۃ:۱۰۲]

چہارم: وہ چیز جو جادو گروں کو ان کے دعویٰ و گمان کے مطابق، ستاروں کو مخاطب کرکے اور ان کی روحانیت کو طلب کرکے حاصل ہوتی ہے۔..... اور کبھی کبھار بعض جادو گر اخیر کی ان دونوں قسموں یعنی شیاطین کی مدد و استعانت اور ستاروں سے مخاطبت کو بیک وقت جمع کرلیتے ہیں، جس کی وجہ سے یہ ان کے گمان کے مطابق انتہائی قوی تر ہوتا ہے۔

...... اور پھر سحر کا اطلاق اس آلہ پر بھی ہوتا ہے، جس کے ذریعہ جادو کیا جاتا ہے۔ اور کبھی ”سحر“ بول کر ساحر کا عمل و فعل مراد لیا جاتا ہے۔ نیز آلہ سحر کبھی فقط معنوی چیز ہوتی ہے۔ جیسے: جھاڑ پھونک منتر اور گرہوں میں پھونکنا۔ اور کبھی آلہ سحر کا تعلق محسوسات سے ہوتا ہے یعنی آلہ سحر حسی ہوتا ہے۔ جیسے: مسحور یعنی جس پر جادو کیا گیا ہے، کی صورت پر تصویر کشی کرنا۔ اور کبھی اس میں حسی اور معنوی دونوں چیزیں جمع کردی جاتی ہیں، اور جادو کی یہ صورت حد درجہ پُر اثر ہوتی ہے۔

نیز سحر کے متعلق اختلاف کیا گیا ہے: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ صرف تخییل (وہم و دھوکا) ہے۔ یہ شافعیہ میں سے ابو جعفر استر اباذی، احناف میں سے ابو بکر رازی، ابن حزم ظاہری اور ایک گروہ کا اختیار کردہ قول ہے۔ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”**صحیح بات یہ ہے کہ جادو کی حقیقت ہے، جمہور کے نزدیک یہ قطعی امر ہے اور عام علماء بھی اسی کے قائل ہیں، نیز کتاب اللہ اور مشہور صحیح سنت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔**“

لیکن محلِ نزاع یہ ہے کہ کیا جادو سے انقلابِ عین واقع ہوتا ہے یا نہیں؟ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ محض وہم و فریب ہے انھوں نے اس سے منع کیا ہے۔ اور جو لوگ جادو کی حقیقت کے قائل ہیں ان کے درمیان اس بات کا اختلاف ہے کہ کیا اس کے اندر

صرف ایسی تاثیر ہوتی ہے، جس سے مزاج بدل جاتا ہے۔ اس طرح یہ ایک قسم کا مرض ہوا؟ یا پھر اس کے اندر دوسری حالت کی طرف منتقل کرنے کی تاثیر پائی جاتی ہے، اس طرح کہ مثال کے طور پر جماد حیوان ہو جائے اور اس کے برعکس حیوان جماد ہو جائے؟ جمہور پہلی رائے پر ہیں اور ایک مختصر سی جماعت نے دوسری رائے کو اختیار کیا ہے۔ پس اگر قدرتِ الٰہیہ کا اعتبار کیا جائے تو یہ (رائے بھی) مسلم ہے اور اگر صرف امر واقع کے اعتبار سے ہو تو یہ محل اختلاف ہے، کیوں کہ بہتیرے لوگ جو اس کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اس پر دلیل نہیں قائم کر سکتے۔ خطابی نے لکھا ہے کہ: ایک جماعت نے مطلقاً جادو کا انکار کیا ہے، وہ لوگ جادو کے محض فریب و وہم ہونے کے قائلین کی طرح ہیں۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو یہ صرف مکابرہ یعنی کٹ حجتی ہے۔" [1]

جادو کی حقیقت اور اس کا وجود

دراصل جادو کی حیثیت ایک مرض و بیماری کی سی ہے، جس کا اثر انسان کی نفسیات پر ہوتا ہے اور اس کے واضح آثار انسانی جسم پر بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ اور اسی نفسیاتی اثر ہی کی وجہ سے انسان بیمار ہوتا ہے، سہو و نسیان کا شکار ہوتا ہے، اس سے بھول چوک ہوتی ہے، آپسی تعلقات کشیدہ ہوتے ہیں اور دیگر بہت سی نفسیاتی الجھنیں اور بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔ اسی طرح شعبدہ بازی، ہاتھوں کی صفائی، غیبت و چغل خوری اور جادو بیاں کلام وغیرہ کو بھی جادو کہا جاتا ہے، کیوں کہ یہ ساری چیزیں بھی خلافِ حقیقت مخفی طور پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

جادو کا وجود اور اس کا موثر ہونا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، بلکہ اس کا انکار خود قرآن اور حدیث کا انکار ہے۔ اور جادو بذاتِ خود موثر نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس کی تاثیر اللہ رب العالمین کے ارادہ و مشیت اور تقدیرِ کونی کے تحت ہوتی ہے۔ کتاب و سنت کے نصوص جادو کی حقیقت و تاثیر پر دلالت کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں آئے دن رونما ہونے والے واقعات اور لوگوں کے تجربات و مشاہدات جادو کے وجود و حقیقت کی تائید کرتے ہیں۔

[1] فتح الباری ۱۰/ ۲۲۲

سورۂ فلق میں اللہ رب العزت کے اس ارشاد گرامی: ﴿وَمِن شَرِّ ٱلنَّفَّٰثَٰتِ فِى ٱلْعُقَدِ﴾ میں گرہوں میں پھونک مارنے والے نفوس کے شر سے جو پناہ مانگی گئی ہے اس سے مراد جادو گر ہیں اور یہ جادو کے لیے استعارہ ہے، جیسا کہ پہلے ہی باب میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ قابل غور بات ہے کہ اگر جادو کی کوئی حقیقت و تاثیر نہ ہوتی تو جادو گروں کے شر سے اللہ کی پناہ نہیں مانگی جاتی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا حکم دیتا۔ اسی طرح تعلقات پر جادو کے اثر انداز ہونے کی تصدیق قرآن کریم کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

﴿فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِۦ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَزَوْجِهِۦ﴾ ”پھر وہ لوگ ان سے وہ چیز سیکھتے تھے، جس سے شوہر و بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیں۔“ [البقرة:۱۰۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے والی احادیث اور اس کے علاوہ اس موضوع سے متعلق وارد دیگر متعدد احادیث جادو کی حقیقت اور باذن اللہ اس کے موئثر ہونے کی واضح و قطعی دلیل ہیں۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ تَصَبَّحَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعَ تَمَرَاتٍ عَجْوَةً لَمْ يَضُرَّهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ))

ترجمہ: ”جو شخص روزانہ صبح سات عجوہ کھجوریں کھالے اس کو اس دن کوئی زہر اور جادو نقصان نہیں پہنچائے گا۔“ [1]

مذکورہ بالا حدیث میں زہر و جادو کے ضرر سے بچنے کے لیے عجوہ کھجور کھانے کی تعلیم دی گئی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ جادو کی حقیقت ہے اور وہ اللہ کے حکم سے اپنے اندر تاثیر بھی رکھتا ہے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو پھر اس کے ضرر سے بچاؤ کی یہ احتیاطی تدبیر بیان کرنے کی چنداں ضرورت ہی نہیں تھی۔

---

[1] صحیح بخاری:۵۴۴۵، صحیح مسلم:۲۰۴۷

جادو کوئی نئی دریافت نہیں ہے، بلکہ زمانۂ قدیم ہی سے سماج و معاشرے میں اس کا رواج چلا آرہا ہے، اور اس شیطانی فعل کے مرتکب سب سے زیادہ یہود و نصاریٰ ہوئے ہیں۔ چناں چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں بھی جادو کا رواج زوروں پر تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں وقت اور حالات کے اعتبار سے عصا اور ید بیضا کا عظیم الشان معجزہ عطا کیا گیا تھا۔ ان کے معجزے کو دیکھ کر ان کے مقابلے میں بھی جادو گر آئے اور انھیں منہ کی کھانی پڑی۔ اس سلسلے میں قرآن کریم کا بیان ہے:

﴿فَأُلْقِيَ ٱلسَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوٓاْ ءَامَنَّا بِرَبِّ هَٰرُونَ وَمُوسَىٰ ۝٧٠﴾ ترجمہ: ''پس تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے اور پکار اٹھے کہ ہم ہارون اور موسیٰ (علیہما السلام) کے رب پر ایمان لائے۔'' [طہ:٧٠]

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جب وقت کے جادوگر آئے اور ان لوگوں نے اپنی رسیوں اور لکڑیوں کو جادو کے بل پر ایسا کر دیا کہ وہ وہاں موجود لوگوں کو دوڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ عارضی اور وقتی طور پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر بھی اس کا اثر ہوا اور ان رسیوں اور لاٹھیوں کو سانپ کی شکل میں دیکھ کر آپ علیہ السلام پر دہشت طاری ہو گئی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کی منظر کشی اس طرح کی ہے:

﴿قَالَ بَلْ أَلْقُواْ ۖ فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ۝٦٦ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِۦ خِيفَةً مُّوسَىٰ ۝٦٧ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْأَعْلَىٰ ۝٦٨﴾ ترجمہ: ''(موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: نہیں بلکہ تم لوگ پھینکو، پھر یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ایسی آنے لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں، پس موسیٰ اپنے دل میں ڈر گئے، ہم نے کہا: مت ڈرو، بے شک تم ہی غالب ہو گے۔'' [طہ:٦٦ تا ٦٨]

اور فرمایا:

﴿قَالَ أَلْقُوا ۖ فَلَمَّآ أَلْقَوْا سَحَرُوٓا أَعْيُنَ ٱلنَّاسِ وَٱسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَآءُو بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴿١١٦﴾﴾ ”(موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: تم ہی لوگ پہلے پھینکو، پھر جب انھوں نے پھینکا تو لوگوں کے نگاہوں پر جادو کر دیا اور انھیں ڈرا دیا اور وہ لوگ بڑا جادو لے کر آئے۔“ [الأعراف:۱۱۶]

آیاتِ کریمہ سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک نبی پر بھی جادو کا اثر ہو سکتا ہے، وہیں اس واقعے سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ جادو ایک حقیقت ہے اور باذن اللہ اس کے اندر تاثیر بھی ہوتی ہے۔

سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک لمبی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہانِ قدیم اپنے پاس جادوگر اور کاہن رکھتے تھے اور اس قدر اس کا التزام ہوتا تھا کہ جادوگر بادشاہ کے واسطے اپنا یہ جادو اپنے بعد آنے والی دوسری نسل کی طرف بھی منتقل کرتے رہتے تھے، جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كَانَ مَلِكٌ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، وَكَانَ لَهُ سَاحِرٌ، فَلَمَّا كَبِرَ، قَالَ لِلْمَلِكِ: إِنِّي قَدْ كَبِرْتُ، فَابْعَثْ إِلَيَّ غُلَامًا أُعَلِّمْهُ السِّحْرَ، فَبَعَثَ إِلَيْهِ غُلَامًا يُعَلِّمُهُ.....))

ترجمہ: ”تم سے پہلے ایک بادشاہ تھا، جس کا ایک جادوگر تھا، جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو بادشاہ سے کہا کہ: میں بوڑھا ہو گیا ہوں اس لیے میرے پاس کوئی لڑکا بھیج دو تاکہ میں اسے جادو سکھلا دوں۔ چناں چہ بادشاہ نے اس کے پاس ایک لڑکا بھیجا، وہ اس کو جادو سکھلاتا تھا۔.....“ [1]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ زمانۂ قدیم ہی سے جادو کا وجود تھا۔ دراصل جادو کی حقیقت ایک اعتقادی مسئلہ ہے، اسی لیے کتبِ عقائد میں بھی اس کا تذکرہ ملتا ہے اور معتزلہ وغیرہ گمراہ فرقوں کو چھوڑ کر سلفِ صالحین اہل الحدیث اس کی حقیقت و تاثیر کو تسلیم کرتے رہے ہیں۔ علامہ ابو عثمان اسماعیل بن عبدالرحمٰن الصابونی رحمہ اللہ (۳۷۳-۴۴۹ھ) اپنی کتاب ”عقیدۃ السلف اصحاب الحدیث“ میں ”السحر والسحرۃ“ نامی باب کے تحت لکھتے ہیں:

[1] صحیح مسلم: ۳۰۰۳، اور جامع ترمذی (۳۳۴۰) میں ساحر کے بجائے کاہن کا ذکر ہے۔

”سلف اصحاب الحدیث اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ دنیا میں جادو اور جادو گروں کا وجود پایا جاتا ہے، مگر وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ﴿وَمَا هُم بِضَآرِّينَ بِهِۦ مِنۡ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذۡنِ ٱللَّهِۚ﴾ ”اور اللہ کے حکم کے بغیر وہ اس سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔“ اور جو کوئی جادو کرے اور جادو کو استعمال میں لائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر جادو نفع و نقصان پہنچاتا ہے تو اس نے کفر کیا.....“ [1]

جادو سے متعلق اہل سنت کا موقف

جادو سے متعلق عام اہل سنت کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ جادو ایک ثابت شدہ امر ہے اور اس کی حقیقت ہے۔ بیش تر معتزلہ اور شوافع میں سے ابو اسحاق استر ابازی کا یہ کہنا ہے کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے، یہ تو صرف حقیقتِ حال کے بر خلاف فریب و دھوکا دینا اور وہم پیدا کرنا ہے اور یہ کرتب سازی و شعبدہ بازی کی ایک قسم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يُخَيَّلُ إِلَيۡهِ مِن سِحۡرِهِمۡ أَنَّهَا تَسۡعَىٰ﴾ ”ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ایسی لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں“ [طٰہ:٦٦] یہاں یہ نہیں فرمایا کہ حقیقت میں وہ دوڑ رہی ہیں، بلکہ فرمایا: ﴿يُخَيَّلُ إِلَيۡهِ﴾ یعنی ان کے خیال میں دوڑ رہی ہیں۔ مزید فرمایا: ﴿سَحَرُوٓاْ أَعۡيُنَ ٱلنَّاسِ﴾ ”انھوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا“ [الاعراف:١١٦]

حالاں کہ ان آیات میں ان کے لیے حجت نہیں ہے، اس لیے کہ ہم اس تخیل کا انکار نہیں کرتے ہیں کہ منجملہ جادو میں تخیل نہیں ہوتا ہے، لیکن اس تخیل کے پیچھے بھی کچھ ایسی ثابت شدہ چیزیں ہیں، جسے عقل تسلیم کرتی ہے اور جس کے متعلق نقلی دلائل وارد ہوئے ہیں، جیسا کہ اسی آیتِ کریمہ ﴿يُعَلِّمُونَ ٱلنَّاسَ ٱلسِّحۡرَ﴾ میں سحر اور اس کا علم سیکھنے کا تذکرہ

[1] عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث مع التحقیق والدراسۃ، ص:٢٩٦

ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ سحر کی کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہے، اگر اس کی حقیقت نہ ہو تو پھر اس کا سیکھنا ممکن نہیں ہو گا، اسی طرح فرعونی جادوگروں کے قصے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَآءُو بِسِحْرٍ عَظِيمٍ﴾ ''اور وہ لوگ بڑا جادو لے کر آئے'' [الاعراف:۱۱۶] نیز سورۂ فلق جس کی شانِ نزول کے بارے میں مفسرین کا اتفاق ہے کہ جب لبید بن عاصم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا تو اس کے بارے میں یہ نازل ہوئی، جیسا کہ بخاری و مسلم وغیرہما میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: بنو زریق کے یہودیوں میں سے لبید بن عاصم نامی ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا.... الحدیث۔ اسی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سے جادو کا اثر ختم ہوا تو آپ نے فرمایا: ''إِنَّ اللهَ شَفَانِي'' (بے شک اللہ نے مجھے شفا عطا فرمائی) اور شفا اسی وقت حاصل ہوتی ہے، جب بیماری رفع ہو جاتی ہے اور مرض دور ہو جاتا ہے، پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جادو کی حقیقت ہے اور اس کا وجود پایا جاتا ہے اور اس کے وجود و وقوع کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خبروں سے ثابت ہے نیز اہلِ عقل و دانش کا اس پر اجماع منعقد ہے۔ لہٰذا اہل حل و عقد کے اتفاق کے بعد معتزلہ کی ہٹ دھرمی اور اہل حق کے ساتھ ان کی مخالفت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جادو تو پہلے زمانے سے ہی عام و مشہور ہے اور لوگوں نے اس کے بارے میں گفتگو کی ہے، اور پھر بنیادی طور پر صحابہ و تابعین میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا ہے۔'' [1]

جادو، کرامت اور معجزہ میں فرق

جو لوگ جادو کی حقیقت و تاثیر اور اس کے وجود کے منکر ہیں ان کا کہنا ہے کہ جادو کی حقیقت تسلیم کر لینے سے جادو اور معجزہ میں کوئی تفریق نہیں باقی بچتی ہے اور دونوں ایک ہی جیسی معلوم ہوتی ہیں۔ حالاں کہ دونوں کے بیچ انتہائی بُعد و دوری پائی جاتی ہے اور ہر کوئی صحیح الذہن شخص دونوں کے درمیان فرق کو سمجھ سکتا ہے۔ ایک شیطانی چال ہوتی ہے تو دوسرا الٰہی عطیہ ہوتا ہے،

[1] الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۲/۴۶

ایک کا مقصد انسانیت کی گمراہی ہوتی ہے تو دوسرے کا مقصد اس کے بالعکس انسانیت کی ہدایت و رہنمائی ہوتی ہے۔ چناں چہ جادو کا ظہور و صدور انتہائی بدترین و بدبخت قسم کے فاجر و فاسق شخص سے ہوتا ہے، اور اس کے لیے اسے اپنے دین و ایمان کو بیچ کر مختلف طرح کی ریاضت و مشق کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ایک فردِ واحد کے ساتھ خاص نہیں ہوتا ہے، بلکہ کوئی بھی شخص اپنے دین و ایمان کا سودا کر کے اسے سیکھ سکتا ہے اور اس طرح کے جادوئی کارنامے انجام دے سکتا ہے، جب کہ معجزے کا صدور اللہ رب العالمین کی طرف سے اس کے انتہائی مقرب و محبوب اور چنندہ بندے کے ہاتھوں بغیر کسی ظاہری سبب کے ظہور پذیر ہوتا ہے اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کی بالادستی اور رسول کی رسالت کی صداقت کا اظہار ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ معجزے کا ظہور اللہ رب العالمین کی طرف سے ہوتا ہے اور رسول کا اس کے ظہور میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ہے اور یہ ان کے اختیار میں نہیں ہوتا ہے، بلکہ رسول اسے اپنی رسالت کے سچے ہونے کی دلیل بناتے ہیں۔ قرآن کریم میں بعض رسولوں کے حوالے سے یہ بات کہی گئی ہے کہ :

﴿وَمَا كَانَ لَنَآ أَن نَّأۡتِيَكُم بِسُلۡطَٰنٍ إِلَّا بِإِذۡنِ ٱللَّهِۚ﴾ ترجمہ: "اور یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ ہم تمھارے لیے کوئی دلیل (معجزہ) اللہ کے اِذن کے بغیر لے آئیں۔" [ابراہیم:١١]

جب کہ جادو ایک فن ہے، جسے کوئی بھی بد دین انسان سیکھ کر مشق و ممارست کے ذریعہ جب چاہے انجام دے سکتا ہے، اگرچہ جادو کے اسباب عام لوگوں کی نگاہوں سے مخفی و پوشیدہ ہوتے ہیں، مگر اس فن کے ماہرین اس سے واقف ہوتے ہیں۔

اسی طرح کرامت کا ظہور اتفاقی طور پر اللہ کے نیک و صالح بندوں کے ہاتھوں ہوتا ہے، اس کے لیے اسے مشق و ممارست نہیں کرنی پڑتی ہے اور صاحبِ کرامت اس کا ڈھنڈورا بھی نہیں پیٹتا ہے، بلکہ اس طرح کی خرقِ عادت چیزوں کے ظہور کی وجہ سے اس کے ایمان کو جِلا ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کا اعتقاد اور مضبوط ہوتا ہے۔

اسی بنیادی فرق ہی کا نتیجہ ہے کہ جادو گران سر سے پاؤں تک گناہوں میں لت پت ہوتے ہیں اور کفریہ و شرکیہ اعمال کا سہارا لے کر لوگوں کو بھی گمراہی کی طرف بلاتے ہیں نیز مخلوق کو اللہ کی معصیت و نافرمانی پر ابھارتے ہیں۔ جب کہ ایک نبی خود صالحیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتا ہے اور بندگانِ الٰہ کو بھی اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کی طرف بلاتا ہے۔ اور صاحبِ کرامت کے اندر بھی خوف و خشیتِ الٰہی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے اور وہ کرامت کو اپنی شہرت و ناموری کا ذریعہ نہیں بناتا ہے۔ ہاں بوقت ضرورت اور دینِ حق کی نصرت کی خاطر وہ اس کا اظہار بھی کرتا ہے۔

ویسے انبیائے کرام علیہم السلام سے جو خرقِ عادات چیزیں ظاہر ہوئی ہیں کتاب و سنت میں ان کا نام معجزہ کے بجائے آیات، براہین اور بینات وغیرہ کا نام دیا گیا ہے اور انبیائے کرام ان آیات و بینات کے صدور کی وجہ سے اپنے علاوہ دیگر لوگوں سے ممتاز ہوا کرتے ہیں۔ انبیا و رسل کے ذریعہ ظاہر ہونے والی چھوٹی بڑی آیات و بینات ان کے نبوت و رسالت کی صداقت کی دلیل تو ہوتی ہیں، مگر ان کے ہاتھوں جو خارقِ عادات چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اس میں تحدی اور چیلنج یا اس طرح کی بات کہ اس کے مثل کوئی نہیں لا سکتا ہے، جیسا دعویٰ نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ تحدی اور معارضہ و مقابلہ سے خالی ہوتی ہیں، فقط ان کی نبوت و رسالت کی دلیل ہوا کرتی ہیں۔ نبینا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا، متعدد بار کھانے اور پینے کی چیزوں میں غیر معمولی اضافہ ہونا اور اسے کئی افراد کا کھانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارے سے چاند کا دو ٹکڑا ہونا وغیرہ ساری چیزیں آپ کی نبوت و رسالت کے دلائل و براہین ہیں اور اس میں کبھی آپ کی جانب سے تحدی و چیلنج کا اظہار نہیں کیا گیا، بلکہ اس طرح کی چیزیں اکثر عام مسلمانوں کی حاجات و ضروریات کے تحت ظہور پذیر ہوئیں۔ ہاں قرآن کریم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے چیلنج کی بات صرف معجزۂ قرآن کے متعلق ثابت ہے اور اسی کے ساتھ مختص بھی ہے اور یہ تحدی مشرکین کے اس افترا پردازی کے جواب میں دیا گیا تھا، جو یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گھڑا ہوا ہے،

ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور دیگر کسی بھی نبی سے دیگر الٰہی آیات و بینات کے تعلق سے چیلنج کی بات ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح معجزات کو انبیاورسل کی حیاتِ طیبہ اور ان کے زمانۂ نبوت کے ساتھ مُقیّد ماننا بھی درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ بات صحیح دلائل سے ثابت ہے کہ ولادت وبعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی آپ کے معجزات کا ظہور ہوا اور آپ کی وفات کے بعد بھی شر ور وفِتن اور علاماتِ قیامت وغیرہ سے متعلق بہت سے معجزات کا ظہور ہوا ہے اور ہو بھی رہا ہے۔

اللہ رب العالمین کی طرف سے انبیائے کرام علیہم السلام کو جو آیات و بینات عطا کی گئی تھیں ان میں سے کچھ بڑی تھیں مثلاً قرآن کریم جو چیلنج کے ساتھ مقرون ہے، چاند کا دو ٹکڑا ہونا، لکڑی کے منبر کا رونا، کنکروں کا سلام کرنا اور عصا کا سانپ میں بدلنا وغیرہ۔ اور کچھ چھوٹی چھوٹی تھیں مثلاً کھانے کا زیادہ ہونا، پانی کا بڑھنا اور بیماروں کی شفایابی وغیرہ۔ بڑی نشانیاں انبیاء و رسل کے ساتھ خاص ہیں، لیکن چھوٹی نشانیوں کی طرح صالحین کے کرامات بھی ہو سکتے ہیں، مگر کمیت و کیفیت کو نہیں پا سکتے یعنی انبیائے کرام کی بڑی نشانیاں تو ان کے ساتھ خاص ہی ہیں، مگر چھوٹی نشانیوں کی کمیت و کیفیت بھی ان کے ساتھ خاص ہے۔

جادو کا حکم

جادو کا سیکھنا سکھانا اور اسے عملی جامہ پہنانا حرام و ناجائز ہے اور کتاب و سنت کے دلائل کی رو سے یہ کبیرہ گناہ اور کفریہ عمل ہے، کیوں کہ جادوگر شیاطین کی خدمات حاصل کرتا ہے اور اپنی مختلف خود ساختہ شرکیہ کلمات و اعمال کے ذریعہ جنوں کو اپنا تابع فرمان بناتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ جادوگر علمِ غیب کا دعویٰ کرتے ہوئے کائنات میں تصرف کا بھی دعوے دار ہوتا ہے جو کہ صریح کفر و شرک ہے۔ قرآن کریم میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے :

﴿وَٱتَّبَعُواْ مَا تَتْلُواْ ٱلشَّيَـٰطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَـٰنَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَـٰنُ وَلَـٰكِنَّ ٱلشَّيَـٰطِينَ كَفَرُواْ يُعَلِّمُونَ ٱلنَّاسَ ٱلسِّحْرَ وَمَآ أُنزِلَ عَلَى ٱلْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ

هَٰرُوتَ وَمَٰرُوتَۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنۡ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَآ إِنَّمَا نَحۡنُ فِتۡنَةٞ فَلَا تَكۡفُرۡۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنۡهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِۦ بَيۡنَ ٱلۡمَرۡءِ وَزَوۡجِهِۦۚ وَمَا هُم بِضَآرِّينَ بِهِۦ مِنۡ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذۡنِ ٱللَّهِۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنفَعُهُمۡۚ وَلَقَدۡ عَلِمُواْ لَمَنِ ٱشۡتَرَىٰهُ مَا لَهُۥ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ مِنۡ خَلَٰقٖۚ وَلَبِئۡسَ مَا شَرَوۡاْ بِهِۦٓ أَنفُسَهُمۡۚ لَوۡ كَانُواْ يَعۡلَمُونَ﴿١٠٢﴾

ترجمہ: ”اور (یہ یہود تورات کے بجائے) ان چیزوں (جنتروں منتروں) کی پیروی کرنے لگے جنھیں شیاطین سلیمان (علیہ السلام) کی حکومت میں پڑھا کرتے تھے، حالاں کہ سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا، بلکہ شیطانوں نے کفر کیا کہ وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ اور (یہ یہود اس چیز کے بھی پیچھے لگ گئے) جو بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا، وہ دونوں فرشتے بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو محض ایک آزمائش ہیں اس لیے تم کفر نہ کرو، پھر بھی وہ لوگ ان سے وہ باتیں سیکھتے جن سے وہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیں، اور اللہ کے حکم کے بغیر وہ اس سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے، (اس کے باوجود بھی) وہ ایسی باتیں سیکھتے تھے، جو ان کے لیے نقصان دہ ہی تھیں اور نفع بخش نہیں تھیں، اور وہ خوب جانتے تھے کہ جو ایسی باتوں کا خریدار ہو گا آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں، اور کتنی بری چیز تھی وہ جسے انھوں نے اپنی جانوں کے بدلے میں خریدا تھا، کاش وہ جانتے ہوتے۔“ [البقرۃ:۱۰۲]

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں جہاں اس بات کا واضح ثبوت پایا جاتا ہے کہ جادو کی واقعی حقیقت ہے، وہیں اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ جادو کا سیکھنا سکھانا کفر ہے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات سے جس کفر کی نفی کی گئی وہ جادو ہے، جس سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ جادو کا عمل اختیار کرنے والا شخص کافر ہوتا ہے۔

جادو سے متعلق آیتِ کریمہ کی تفسیر

مذکورہ آیتِ کریمہ کی تفسیر میں علمائے تفسیر کے متعدد اقوال منقول ہیں، نیز ہاروت اور ماروت کے بارے میں بھی کئی باتیں کہی گئی ہیں اور اسرائیلی روایات کی تو بھر مار ہے، حالاں کہ ان سے

متعلق بیش تر باتیں درست نہیں ہیں اور ان کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع روایت بھی ثابت نہیں ہے۔ تمام طرح کے اقوال و اختلافات سے قطعِ نظر یہاں ہم اس آیتِ کریمہ سے متعلق دو اہم تفسیری اقوال و رجحان، دکتور محمد لقمان سلفی رحمہ اللہ کی تفسیر "تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن" کے حوالے سے نقل کر رہے ہیں، جو آیتِ کریمہ کے مفہوم کو سمجھنے میں مدد و معاون ہو گی:

اوّل: سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی قول کا خلاصہ یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے بعد شیاطین نے ان کی کرسی کے نیچے مدفون لکھی ہوئی چیزوں کو نکالا، اور ہر دو سطر کے درمیان جادو اور کفر کی باتیں لکھ ڈالیں، اور لوگوں میں مشہور کر دیا کہ سلیمان (علیہ السلام) اسی سحر کی بدولت بادشاہ بنے ہوئے تھے۔ چناں چہ جاہل یہودیوں نے ان کو ساحر کہا، اور ان پر کفر کا الزام لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان شیاطین کی تکذیب کی اور بتایا کہ سلیمان علیہ السلام ساحر نہیں تھے، اور کفر کا ارتکاب نہیں کیا تھا، بلکہ شیاطین نے کفر کی راہ اختیار کی، اور لوگوں کو سحر سکھلایا۔ آیت میں اسی طرف اشارہ ہے کہ یہودیوں نے ان شیاطین سے وہ سیکھا، جسے انھوں نے سلیمان علیہ السلام کی طرف جھوٹ منسوب کر دیا تھا، اور وہ سحر بھی سیکھا جو بابل میں دو فرشتوں کو لوگوں کی ابتلا و آزمائش کے لیے دے کر بھیجا گیا تھا۔ یہ دونوں فرشتے کسی کو جادو سکھانے سے پہلے یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ دیکھو، ہم لوگ آزمائش بنا کر بھیجے گئے ہیں، اور جادو کفر ہے، اسے نہ سیکھو۔ اس طرح یہود نے انبیاء و رُسُل کے علوم و انوار کو چھوڑ کر دونوں راستوں سے جادو سیکھا، شیاطین سے بھی، اور بابل والے دونوں فرشتوں سے بھی۔ [1]

ہاروت اور ماروت پر علمِ جادو کے نزول کا مقصد

ہاروت اور ماروت فرشتوں پر جادو کا جو علم نازل کیا گیا تھا اس کے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے مفسر قرآن حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

[1] دیکھیے: تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن جلد اول ص:۵۹

قرآن کے الفاظ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بابل میں ہاروت و ماروت فرشتوں پر جادو کا علم نازل فرمایا تھا اور اس کا مقصد (وَاللّٰہُ اَعلمُ بِالصَّوابِ) یہ معلوم ہوتا ہے، تاکہ وہ لوگوں کو بتائیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ظاہر شدہ معجزے، جادو سے مختلف چیز ہے اور جادو یہ ہے، جس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں عطا کیا گیا ہے (اس دور میں جادو عام ہونے کی وجہ سے لوگ انبیاء کو بھی نعوذ باللہ جادوگر اور شعبدہ باز سمجھنے لگے تھے) اسی مغالطے سے لوگوں کو بچانے کے لیے اور بطور امتحان فرشتوں کو نازل فرمایا گیا۔

دوسرا مقصد بنو اسرائیل کی اخلاقی گراوٹ کی نشان دہی معلوم ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل کس طرح جادو سیکھنے کے لیے ان فرشتوں کے پیچھے پڑے اور یہ بتلانے کے باوجود کہ جادو کفر ہے اور ہم آزمائش کے لیے آئے ہیں، وہ علم سحر حاصل کرنے کے لیے ٹوٹے پڑ رہے تھے، جس سے ان کا مقصد ہنستے بستے گھروں کا اجاڑنا اور میاں بیوی کے درمیان نفرت کی دیواریں کھڑی کرنا تھا۔ یعنی یہ ان کے گراوٹ، بگاڑ اور فساد کے سلسلے کی ایک اہم کڑی تھی اور اس طرح کے توہمات اور اخلاقی گراوٹ کسی قوم کی انتہائی بگاڑ کی علامت ہیں۔ أَعاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ۔ [1]

دوم: دوسرے قول کے مطابق (شیاطین) سے مراد انسانوں کے شیاطین ہیں، اور وہ لوگ "جو کچھ بیان کرتے تھے" سے مراد قصّے اور خرافات ہیں۔ اور "سلیمان نے کفر نہیں کیا" سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے بتوں کی پرستش نہیں کی۔ اور ﴿وَلَٰكِنَّ ٱلشَّيَٰطِينَ كَفَرُواْ﴾ میں کفر سے مراد منزّل من اللہ آیتوں کا انکار، یا غیر اللہ کی عبادت، یا جادو سیکھ سکھا کر کفر کا ارتکاب ہے۔ اور "ہاروت و ماروت" سے مراد دو آدمی ہیں، جنھیں لوگ غایتِ حسنِ ظن کی وجہ سے فرشتے کہتے تھے۔ حالاں کہ وہ دونوں اچھے لوگ نہیں تھے، بلکہ لوگوں کو دھوکا میں ڈالنے کے لیے ظاہر کرتے تھے کہ وہ اچھے ہیں اور جادو سیکھنے سے منع کرتے ہیں۔

[1] تفسیر احسن البیان ص:۴۲

اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ یہود نے قرآن کو جھٹلایا، اور اس کے بدلے میں ان قصوں اور خرافات کی تصدیق کی جو شیاطینِ انس نے سلیمان علیہ السلام اور ان کی بادشاہت کے بارے میں پھیلا رکھا تھا، اور مشہور کیا کہ سلیمان (علیہ السلام) نے بتوں کی پرستش کی اور کفر کیا، حالاں کہ سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین الجن نے کفر کیا، لوگوں کو جادو سکھلایا اور کہا کہ یہ ہاروت وماروت دو آدمیوں پر اترا ہے، جنھیں وہ لوگ (ان کی ظاہری نیکی کی وجہ سے) فرشتہ کہتے تھے۔ حالاں کہ ان دونوں پر اللہ کی طرف سے کچھ بھی نہ اترا تھا، بلکہ وہ دونوں دو آدمی تھے، جو نیک ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے۔ اور لوگوں کو باور کراتے تھے کہ وہ تو لوگوں کے لیے صرف خیر چاہتے ہیں اور انھیں کفر سے ڈراتے ہیں۔ [1]

جادو موجبِ ہلاکت ہے

جادو موجبِ ہلاکت کفریہ گناہ ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جادو کا شمار شرک کے ساتھ ملاتے ہوئے سات ہلاکت خیز گناہوں میں کیا ہے، جس سے جادو کی قباحت وشناعت کی وضاحت ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ جادو کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: الشِّرْكُ بِاللَّهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ)) ”ہلاک کرنے والی سات گناہوں سے بچو! صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے استفسار کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ کون کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، اللہ نے جس جان کو حرام ٹھہرایا ہے اسے ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کرنا اور پاک دامن بھولی بھالی مومنہ عورتوں پر بہتان لگانا۔“ [2]

---

[1] تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن، ج۱ص:۵۹

[2] صحیح بخاری :۲۷۶۶، صحیح مسلم :۸۹

حدیثِ نبوی میں جادو کو ہلاک کرنے والی کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا سیکھنا سکھانا اور یہ عمل انجام دینا حرام ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جادو کا وجود اور اس کی حقیقت ہے اسی لیے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے تاکہ اہلِ ایمان اس کے قریب بھی نہ جائیں۔

جادو، کہانت اور عرافت

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَيْسَ مِنّا مَنْ تَطَيَّرَ اَوْ تُطَيَّرَ لَهُ، أَوْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ، أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ)) ”وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے، جس نے بدشگونی کی یا کسی دوسرے سے بدشگونی کی فال نکلوائی، کہانت کی یا کسی دوسرے سے کہانت کروائی، اور جس نے جادو کیا یا جادو کا عمل کروایا۔“ [1]

ہم میں سے نہیں ہے یعنی مسلمانوں میں سے نہیں ہے، یہ حدیث بدشگونی لینے اور بدشگونی کا فال نکلوانے اور جادو و کہانت کرنے کرانے اور سیکھنے سکھانے کے حرمت کی واضح دلیل ہے۔

کہانت، عرافت اور تنجیم وغیرہ بھی جادو ہی کے قبیل سے ہیں۔ لہٰذا کاہن و عراف اور نجومیوں سے دوری اختیار کرنی چاہیے۔ یہ سماج و معاشرہ کے وہ گندے لوگ ہوتے ہیں، جن کا کام ہی معاشرہ میں انارکی و بدامنی اور لوگوں کے درمیان فتنہ و فساد پھیلانا ہوتا ہے۔ یہ لوگ شیطانوں کی اتباع و پیروی کرکے ان کی خدمات حاصل کرتے ہیں اور بطورِ خاص ان شیاطین کی خدمات حاصل کرتے ہیں، جو آسمانوں کی خبریں چرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ایک سچ میں سو جھوٹ کی آمیزش کرتے ہیں، غیب کی معرفت کا دعویٰ کرتے ہوئے غیب کی خبریں دیتے ہیں اور گم شدہ چیزوں کے بارے میں بتانے کا دعویٰ کرتے ہیں، مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں پیشین گوئی کرتے ہیں اور ہاتھوں کی لکیریں دیکھ کر بزعم خود قسمت کی باتیں پڑھنے اور بتلانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

[1] اخرجہ البزار والطبرانی، السراج المنیر ۲/ ۱۰۳۵، قال الالبانی: ”حسن، بل ھو صحیح“ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۲۱۹۵

﴿هَلۡ أُنَبِّئُكُمۡ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ ٱلشَّيَٰطِينُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٢٢٢﴾ يُلۡقُونَ ٱلسَّمۡعَ وَأَكۡثَرُهُمۡ كَٰذِبُونَ ﴿٢٢٣﴾﴾ ترجمہ: ''کیا تمھیں بتاؤں کی شیاطین کس پر اترتے ہیں، ہر جھوٹے گناہ گار پر اترتے ہیں۔ سنی سنائی باتیں کانوں میں پھونکتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔'' [الشعراء: ۲۲۱-۲۲۳]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا قَضَى اللَّهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ، كَأَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلَى صَفْوَانٍ، فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ، قَالُوا: مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: لِلَّذِي قَالَ الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ، فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُ السَّمْعِ، وَمُسْتَرِقُ السَّمْعِ هَكَذَا بَعْضُهُ فَوْقَ بَعْضٍ، وَوَصَفَ سُفْيَانُ بِكَفِّهِ، فَحَرَفَهَا وَبَدَّدَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ، فَيُلْقِيهَا إِلَى مَنْ تَحْتَهُ، ثُمَّ يُلْقِيهَا الْآخَرُ إِلَى مَنْ تَحْتَهُ، حَتَّى يُلْقِيَهَا عَلَى لِسَانِ السَّاحِرِ أَوِ الْكَاهِنِ، فَرُبَّمَا أَدْرَكَ الشِّهَابُ قَبْلَ أَنْ يُلْقِيَهَا، وَرُبَّمَا أَلْقَاهَا قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُ، فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ، فَيُقَالُ: أَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا كَذَا وَكَذَا، فَيُصَدَّقُ بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِي سَمِعَ مِنَ السَّمَاءِ))

ترجمہ : ''جب اللہ آسمان پر کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے اللہ کے فیصلہ کو سن کر جھکتے ہوئے، عاجزی کرتے ہوئے اپنے بازو پھڑ پھڑاتے ہیں۔ اللہ کا فرمان انھیں اس طرح سنائی دیتا ہے، جیسے صاف چکنے پتھر پر زنجیر چلانے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ آپس میں پوچھتے ہیں کہ تمھارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ کہتے ہیں کہ حق بات کا حکم فرمایا اور وہ بہت اونچا، سب سے بڑا ہے۔ پھر ان کی یہی گفتگو چوری چھپے سننے والے شیطان سننے کی کوشش کرتے ہیں، شیطان آسمان کے نیچے یوں اوپر نیچے ہوتے ہیں، (راوی حدیث سفیان نے اس موقع پر ہتھیلی کو موڑ کر انگلیاں الگ الگ کر کے شیاطین کے جمع ہونے کی کیفیت بتائی کہ اس طرح شیطان ایک کے اوپر ایک رہتے ہیں۔) پھر وہ کوئی ایک کلمہ سن لیتا ہے اور اپنے نیچے والے کو بتاتا ہے، اس طرح وہ کلمہ ساحر یا کاہن تک پہنچتا ہے۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کہ وہ یہ کلمہ اپنے سے نیچے والے کو بتائے آگ کا گولا اسے آدبوچتا

ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ بتالیتا ہے تو آگ کا انگارا اس پر پڑتا ہے، اس کے بعد کاہن اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتا ہے۔ (جب کاہن کی طرف سے ایک بات صحیح ہو جاتی ہے تو ان کے ماننے والوں کی طرف سے) کہا جاتا ہے کہ کیا اسی طرح ہم سے فلاں دن کاہن نے نہیں کہا تھا، اسی ایک کلمہ کی وجہ سے، جو آسمان پر شیاطین نے سنا تھا کاہنوں اور جادوگروں کی بات کو لوگ سچا جاننے لگتے ہیں۔" [1]

معلوم ہوا کہ نجوم و کہانت کا علم بھی شیطانی علم ہے، جس کی بنیاد جھوٹ اور افترا پر رکھی جاتی ہے، اس لیے اس علم کے بھی سیکھنے سے بچنا چاہیے، اور چوں کہ کاہنوں اور نجومیوں کا تعلق شیاطین سے ہوتا ہے اس لیے ان کے پاس جانے سے اجتناب و پرہیز کرنا چاہیے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ کچھ لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَيْسَ بِشَيْءٍ)) "یہ کچھ بھی نہیں ہے" لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ لوگ بسا اوقات ہمیں ایسی بات بتلاتے ہیں، جو سچ ہو جاتی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ، يَخْطَفُهَا مِنَ الْجِنِّيِّ فَيَقُرُّهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ فَيَخْلِطُونَ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ)) ترجمہ: "یہ کلمہ حق ہوتا ہے۔ اسے کوئی جن اچک لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے اور پھر وہ (کاہن) لوگ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر بیان کرتے ہیں۔" [2]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِنَ النُّجُومِ، اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ)) ترجمہ: "جس نے علمِ نجوم میں سے کچھ سیکھا تو اس نے جادو کا ایک حصہ سیکھا، جو جس قدر علمِ نجوم سیکھے گا وہ اتنا ہی جادو میں اضافہ کا باعث ہو گا۔" [3]

علمِ نجوم کا سیکھنا جادو کے سیکھنے کی طرح ہے، دونوں گناہ و معصیت میں برابر ہیں، مگر نجوم کے ذریعہ قبلہ کی جانکاری حاصل کرنا اور دیگر امورِ عبادت کی معرفت حاصل کرنا اس وعید میں

[1] صحیح بخاری: ۴۸۰۰ [2] صحیح بخاری: ۵۷۶۲، صحیح مسلم: ۲۲۸ [3] سنن ابوداؤد: ۳۹۰۵، سنن ابن ماجہ: ۳۷۲۶، الصحیحہ: ۷۹۳

داخل نہیں ہے، کیوں کہ اسے تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ جانا جاتا ہے اور اس میں شیطانوں سے مدد نہیں لی جاتی ہے، اور پھر اسے علمِ فلک کہا جاتا ہے، جو جائز اور درست ہے، لہٰذا علمِ فلک سیکھ کر فلکیات کی جانکاری حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ مذکورہ بالا حدیثِ نبوی کے فوائد میں لکھتے ہیں:

"اس میں علمِ نجوم کو جادوگری کا ایک حصہ قرار دیا گیا ہے اور اسلام میں جادو کا علم سیکھنے کو کفر تک سے تعبیر کیا گیا ہے، جس سے واضح ہے کہ نجوم و کہانت کا علم بھی اسلام کی نظر میں کتنا خطرناک ہے اور اس کا سیکھنا کتنا بڑا جرم۔ اس علم نجوم سے مراد وہ علم ہے، جس کی بنیاد پر مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کی پیش گوئیاں کی جاتی ہیں اور ان کا تعلق وہ ستاروں کی چالوں سے جوڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک علم فلک ہے، جس کی رو سے سورج اور چاند کے طلوع و غروب اور زوال وغیرہ اوقات کا تعین کیا جاتا ہے۔ یہ ایک جائز علم ہے، کیوں کہ اس کی بنیاد تجربہ و مشاہدہ پر ہے۔" [1]

کاہن و عراف کے پاس جانا اور ان کی تصدیق کرنا

جو کوئی کاہن و عراف کی باتوں کی تصدیق کرے، انھیں سچا مانے اور ان کی باتوں پر یقین کرے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا منکر ہے۔ کیوں کہ وہ لوگ غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہوئے غیب کی باتیں بتاتے ہیں اور ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر قسمت کی باتیں بتاتے ہیں، جب کہ عالم الغیب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ رب العزت کے سوا کوئی بھی غیب کا علم نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعِندَهُۥ مَفَاتِحُ ٱلۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَآ إِلَّا هُوَۚ﴾ ترجمہ: "اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، اسے اللہ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔" [الانعام:۵۹]

نیز کاہن و عراف کے پاس جاکر ان کی تصدیق کرنے والوں کے بارے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] دلیل الطالبین ترجمہ وفوائد ریاض الصالحین ۲/ ۴۱۶

((مَنْ أَتَى كَاهِنًا أَوْ عَرَّافًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ))

ترجمہ: ”جو کوئی کاہن یا عراف کے پاس آیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی تو اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اتاری گئی شریعت کا انکار کیا۔“ [1]

یہ بہت بڑی زجر و تہدید کی بات ہے، اگر ایک مسلمان شخص درست سمجھتے ہوئے کاہن و عراف کی باتوں کی صداقت کا اعتقاد رکھے گا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت سے باہر نکل جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص عراف یعنی کاہن و نجومی کے پاس جا کر اس کی باتوں کی تصدیق کیے بغیر کسی چیز کے بارے میں صرف سوال کرے گا تو چالیس دنوں تک اس کی نماز قبول نہیں کی جائے گی۔ اللہ کی پناہ! یہ کتنی بڑی وعید ہے۔

صفیہ بنت ابو عبید تابعیہ رحمہا اللہ بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ، لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً)) ترجمہ: ”جو شخص کسی عراف کے پاس آئے اور اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرے تو اس کی چالیس رات کی نماز قبول نہیں کی جائے گی۔“[2] یعنی اس پر کوئی ثواب نہیں دیا جائے گا۔

سیدنا معاویہ بن حکم سُلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! دورِ جاہلیت میں ہم کچھ کام کیا کرتے تھے، ہم کاہنوں کے پاس جایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((فَلَا تَأْتُوا الْكُهَّانَ)) ”اب تم کاہنوں کے پاس نہ جاؤ“، کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ہم بر اشگون لیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُهُ أَحَدُكُمْ فِي نَفْسِهِ، فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ)) ”یہ ایسی چیز ہے جو تمھارے جی میں پائی جاتی ہے، پس تم اس خیال کے پائے جانے کی وجہ سے اپنا کوئی کام نہ چھوڑو۔“ [3]

---

[1] مسند احمد: ۹۵۳٦، حدیث حسن، رجالہ ثقات رجال الصحیح.... / شعیب ارنؤوط
[2] صحیح مسلم: ۲۲۳۰
[3] صحیح مسلم: ۵۳۷

جادو گر کی شناخت

گذشتہ صفحات میں تفصیل سے اس بات کی وضاحت کی جاچکی ہے کہ جادو گر کافر ہے اور جادو کا سیکھنا سکھلانا حرام و ناجائز اور کفریہ عمل ہے۔ نیز جادو گروں اور کاہنوں کے پاس جانے کے دینی نقصانات بھی ہمارے علم میں آچکے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ہم ایسے لوگوں کے قریب جانے سے بچیں جو سحر و کہانت سے کام لیتے ہیں۔ متعدد ماہرین و تجربہ کار اہلِ علم نے اپنے مشاہدات و تجربات کی بنیاد پر جادو گروں اور کاہنوں کی متعدد علامات کو ذکر کیا ہے۔ سطورِ ذیل میں ہم بھی معاشرے میں پھیلے جادو گروں کی چند علامات کا ذکر کر رہے ہیں، جس سے جادو گروں اور کاہنوں کو پہچان کر ان کے مکر و فریب سے دوری اختیار کر کے اپنے دین و ایمان کو بچایا جاسکتا ہے۔ وباللہ التوفیق:

۱ – دم اور جھاڑ پھونک سے پہلے مریض اور اس کی والدہ کا نام یا والد و والدہ دونوں کا نام پوچھ کر فریبی زائچہ تیار کرنا، الٹی سیدھی لکیریں بنانا اور حقیقت میں یا ویسے ہی فقط دکھانے کے لیے کچھ لکھتے رہنا۔

۲ – مسحور و آسیب زدہ شخص سے اس کے استعمال شدہ چیزوں میں سے کسی چیز کا مطالبہ یہ کہتے ہوئے کرنا کہ جنوں سے حقیقتِ حال کا پتہ لگاؤں گا یا یہ جملہ ادا کیے بغیر استعمال شدہ چیزیں منگوانا مثلاً قمیص، ٹوپی، رومال، نقاب، دستانہ اور بال وغیرہ۔ بلکہ بعض مکار قسم کے دواڑی لباس وغیرہ سونگھ کر جاہل عوام کو فریب دیتے ہیں۔

۳ – مخصوص دن میں کسی خاص جانور یا پرندے کو ذبح کرنے کا مطالبہ کرنا، کبھی یہ جانور عام ہوتا ہے تو کبھی متعین صفات کا حامل ہوتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محدود تعداد میں متعین ڈھنگ سے انڈا ذبح کرنے کا حکم دے کر انھیں کسی غیر آباد جگہ پر پھینکنے یا دفن کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور مخصوص صفات سے متصف جانور کے دودھ وغیرہ کا مطالبہ کرنا۔

۴ – سمجھ میں نہ آنے والے جادوئی منتر بڑبڑانا اور اسی طرح کی چیزیں پڑھ کر پھونکنا یا جادوئی منتر والے طلسم و تعویذ لکھ کر دینا اور پھر انھیں کھول کر دیکھنے سے منع کرنا، کیوں کہ اس میں حروف و کلمات اور اعداد و ہندسے مختلف خانوں اور نقشوں کی شکل میں لکھے ہوتے ہیں، جس سے ان کا بھانڈا پھوٹنے کا اندیشہ رہتا ہے۔

۵ – سمجھ میں نہ آنے والے کلمات لکھ کر مریض کے حوالے کرنا کہ وہ انھیں مخصوص جگہ پر مخصوص ڈھنگ سے جلادے یا دفن کر دے یا مکان کے کسی خاص حصے میں لٹکا دے یا ان کی دھونی بنا کر استعمال کرے یا انھیں دھو کر پیے وغیرہ۔

٦ – مریض کو متعین مدت تک کے لیے لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کا حکم دینا یا پانی وغیرہ کو چھونے سے منع کرنا اور ڈھکوسلا کے طور پر ان خاص دنوں میں مخصوص غذائیں اور مشروبات پینے کا حکم دینا۔ ان ساری باتوں کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ مریض غیر شرعی امور انجام دے اور اس کا عادی ہو جائے۔ مثلاً مصافحہ نہ کرنا اور وضو و غسل سے دوری اختیار کرنا وغیرہ۔

۷ – کسی بھی طرح کے غیبی امور کی خبر دینا۔ مثلاً مریض کا نام و پتہ، آنے کی وجہ اور اس کے متعلق دیگر تفصیلات بغیر کسی استفسار کے مریض کے پہنچتے ہی بتا دینا، ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھ کر مریض کے احوال کی خبر دینا، گم شدہ چیزوں کے بارے میں بتلانا، ناخن وغیرہ میں مجرم کی تصویر دکھانا وغیرہ۔ یہ ساری باتیں محض فریب ہوتی ہیں۔

۸ – غیر شرعی امور کا مطالبہ کرنا۔ مثلاً بغیر بسم اللہ کے جانور ذبح کرنے کا مطالبہ کرنا، کسی مسلم بھائی کو تکلیف پہنچانا، آپس میں بغض و حسد کو بڑھاوا دینے کی کوشش کرنا، غیر محرم دوشیزاؤں سے مصافحہ کرنا، بلکہ کبھی کبھی عجیب و غریب حرکتیں کرنا وغیرہ۔[1]

[1] جادوگر کی علامات کے لیے دیکھیے: جادو کا علاج از: وحید بن عبد السلام بالی ص:۵۹، جادو اور آسیب کا کامیاب علاج از: ابو منذر خلیل ابراہیم ص:۲۱۰، جناتی اور شیطانی چالوں کا توڑ از: محمد طیار و سامی مبارک ص:۱۸۲ اور اس کے بعد کے صفحات، وغیرہ

جادوگروں، شعبدہ بازوں اور کاہنوں کو پہچاننے کے لیے یہ چند علامات ہیں، اگر اس طرح کے علامات کسی عامل کے اندر پائے جائیں تو اس کے قریب بھی نہ جائیں کیوں کہ حقیقت میں یہ فریب و دھوکا دینے والے کاہن اور جادوگر ہیں، جن کا اصل مقصد مال و دولت کا اکٹھا کرنا اور لوگوں کو بے وقوف بنا کر ان کے مال و دولت کے ساتھ ساتھ ان کی عزت و آبرو اور دین و ایمان کو لوٹنا ہوتا ہے۔ اللہ تمام مسلمانوں کو اس وبا سے بچائے۔ آمین

جادوگر کی سزا

جادوگر کی سزا قتل ہے، اس لیے کہ یہ ایسا جرمِ عظیم ہے، جس میں بیک وقت کفر وارتداد، شریعت کا استخفاف، ظلم و تعدی، فتنہ وفساد اور حکمِ الٰہی سے انحراف وعدول پایا جاتا ہے۔ جادوگر جہاں ایک طرف شیطان کی اتباع و پیروی کرکے اس کی خدمات حاصل کرتا ہے، وہیں دوسری طرف علمِ غیب کا دعویٰ کرتا ہے۔ شریعت کا مذاق اڑاتے ہوئے لوگوں کو دھوکا دے کر ناجائز طریقے سے ان کا مال اینٹھتا ہے۔ سیدنا جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ)) ترجمہ: ”جادوگر کی سزا تلوار سے گردن مارنا ہے۔“[1]

بَجَالہ بن عبد رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ایک خط ان کی وفات سے ایک سال قبل آیا، جس میں لکھا تھا کہ:

((اقْتُلُوا كُلَّ سَاحِرٍ وَفَرِّقُوا بَيْنَ كُلِّ ذِي مَحْرَمٍ مِنْ الْمَجُوسِ وَانْهَوْهُمْ عَنِ الزَّمْزَمَةِ، فَقَتَلْنَا فِي يَوْمٍ ثَلَاثَةَ سَوَاحِرَ....)) ترجمہ: ”ہر جادوگر کو قتل کر ڈالو، اور مجوس کے ہر ذی محرم کو دوسرے محرم سے جدا کر دو، اور انھیں گنگنانے سے روک دو، تو ہم نے ایک دن میں تین جادوگر مار ڈالے۔“ [2]

---

[1] جامع ترمذی: ۱۴۶۰، امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث جندب رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے، علامہ البانی اور شیخ زبیر علی زئی کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔

[2] سنن ابوداؤد: ۳۰۴۳، مسند احمد: ۱۶۵۷، اس کی اصل صحیح بخاری (۳۱۵۶) میں موجود ہے، لیکن وہاں جادو اور قتل کا ذکر نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک لونڈی کو جادو کرنے کے جرم میں قتل کرا دیا تھا، اس لونڈی نے خود ان پر جادو کر دیا تھا، جب کہ انھوں نے اس کو مُدبّرہ (ایسی لونڈی، جسے یہ کہا جائے کہ تو میری وفات کے بعد آزاد ہو گی) بنایا تھا، اس کے باوجود بھی انھوں نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا اور وہ قتل کر دی گئی۔[1]

ولید بن عقبہ کے پاس ایک جادوگر تھا، جو اپنے کرتب دکھایا کرتا تھا، بظاہر ایک شخص کا سر کاٹ لیتا پھر آواز دیتا تو سر جڑ جاتا اور وہ موجود ہوتا، مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک بزرگ صحابی نے یہ دیکھا اور دوسرے دن تلوار باندھے ہوئے آئے، جب ساحر نے اپنا کھیل شروع کیا تو آپ نے اپنی تلوار سے خود اس کی گردن اڑا دی اور فرمایا: لے اب اگر سچا ہے تو خود زندہ ہو کر دکھا، پھر قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھ کر لوگوں کو سنائی:

﴿أَفَتَأْتُونَ ٱلسِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ﴾ ”کیا تم دیکھتے بھالتے جادو کے پاس جاتے ہو؟“ [الانبیاء:۳]

چوں کہ اس بزرگ صحابی نے ولید کی اجازت اس کے قتل میں نہیں لی تھی، اس لیے اس نے ناراض ہو کر انھیں گرفتار کر لیا اور پھر چھوڑ دیا۔[2]

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”ساحر وہ ہے، جو خود جادو کا عمل کرے، اس کے لیے کوئی دوسرا جادو کا عمل نہ کرے۔ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ عَلِمُوا۟ لَمَنِ ٱشْتَرَىٰهُ مَا لَهُۥ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنْ خَلَٰقٍ﴾ ”اور وہ خوب جانتے تھے کہ جو ایسی باتوں کا خریدار ہو گا آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں“ [البقرۃ:۱۰۲] اس لیے میری رائے یہ ہے کہ جب وہ بذاتِ خود جادو کا عمل کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔“ [3]

---

[1] الموطا کتاب العقول باب ماجاء فی الغیلۃ والسّحر ۲/۴۴۴

[2] دیکھیے: سنن دار قطنی ۳/۱۱۴، رقم:۳۱۸، تفسیر ابن کثیر اردو ۲/۲۰۵، شیخ البانی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ ضعیفۃ ۳/۶۴۲

[3] الموطا ۲/۴۴۴

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ ساحر کی سزا قتل ہے، کیوں کہ وہ کفر کا مرتکب ہو کر ملتِ اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ کفر کا مرتکب نہیں ہوتا ہے پھر بھی اسے اس کے فِتَن و شرور اور ضرر و فساد سے لوگوں کو بچانے کے لیے بطور سزا قتل کیا جائے گا۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”.....پس جادو کی اس قسم کا سیکھنا جو شیاطین کی مدد و استعانت سے طلب کی جاتی ہے کفر ہے، اور اس کا استعمال بھی کفر نیز مخلوق پر ظلم و سرکشی ہے، اس لیے ساحر کو قتل کیا جائے گا خواہ ارتداد کی وجہ سے یا سزا کے طور پر، پس اگر اس کے جادو کی وجہ سے کفر لازم آتا ہو تو اسے ارتداد و کفر کی بنا پر قتل کیا جائے گا، اور اگر اس کا جادو کفر کے درجہ تک نہ پہنچتا ہو تو بھی اسے سزا کے طور پر قتل کیا جائے گا تاکہ مسلمانوں کو اس کی تکالیف اور برائی سے بچایا جا سکے۔“ [1]

جادوگر کی توبہ

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ساحر اگر توبہ کر لے تو کیا اس کی توبہ قبول کی جائے گی یا نہیں؟ صحیح بات یہی ہے کہ اگر وہ اپنے کرتوتوں سے باز آکر اللہ کے حضور سچے دل سے توبہ کر لے تو اس کی توبہ ضرور قبول ہو گی۔ جیسا کہ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُواْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُواْ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًاۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ۝٥٣﴾ ”(اے نبی! میری طرف سے لوگوں سے) کہہ دیجیے: اے میرے بندوں! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، بے شک اللہ سبھی گناہوں کو بخش دیتا ہے، یقیناً وہ بڑا بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔“ [الزمر: ۵۳]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے عموم کی وجہ سے ساحر بھی اگر اپنے کارِ بد سے توبہ و استغفار کر لے تو اس کی توبہ إن شاء اللہ ضرور قبول ہو گی۔ مگر توبہ کی قبولیت و عدمِ قبولیت کا حق اللہ

[1] فقہ العبادات، ص: ۷۰

رب العالمین کے پاس ہے، اس لیے توبہ کی وجہ سے ساحر کی سزا میں تخفیف نہیں کی جائے گی اور اس کا سزا بھی ساقط نہیں ہو گا۔ ساحر کا کام ہی دھوکا دینا اور ملمع سازی کرنا ہے اس لیے ایسا بھی ممکن ہے کہ لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے وہ بظاہر توبہ کر لے۔ واللہ اعلم بالصواب

جادوگر کی توبہ کے متعلق علامہ ابن باز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا جادوگر کے لیے توبہ ہے؟ تو آپ نے اس کے جواب میں لکھا:

"صحیح بات یہی ہے کہ ظاہری حکم میں اس کے لیے توبہ نہیں ہے، بلکہ جب محکمہ کے نزدیک واضح دلائل کے ذریعہ اس کا ساحر ہونا ثابت ہو جائے تو اسے قتل کرنا واجب ہے، تاکہ اسلامی معاشرہ کو اس کے شر سے بچایا جائے۔ اس بارے میں بنیادی بات یہی ہے کہ: عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو حکم دیا تھا کہ جادوگروں کو بغیر توبہ کرائے قتل کر دیں۔ اسی طرح ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے جادو کرنے والی اپنی ایک لونڈی کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اس سے توبہ نہیں کرایا۔ بزرگ صحابی جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا: جادوگر کی سزا تلوار سے گردن مارنا ہے۔ رہا جادوگر اور اللہ کے درمیان کا معاملہ تو اگر جادوگر توبہ کرنے میں سچا ہے تو اس کی توبہ قبول ہو گی۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عام ہے:

﴿وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ﴾ ترجمہ: "اور اے مومنو! تم سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو تاکہ تم لوگ فلاح پاؤ۔" [النور:۳۱]

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((اَلتَّوْبَةُ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا)) "توبہ اپنے سے پہلے کے گناہوں کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔" [1] نیز ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ)) "گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص جیسا ہے، جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو" [2] یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے توبہ

---

[1] شاید یہ فرمان صحیح مسلم (۱۲۱) کی روایت: اَلْاِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ.....الخ سے ماخوذ ہے۔

[2] سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۰، حسن عند الالبانی

کو قبول فرمایا اور انھیں معاف کر دیا اور جادوگر بھی اسی طرح کے مشرکین میں سے ایک ہے اگر وہ توبہ کر لے اور اپنے توبہ کرنے میں سچا ہو تو اس کی بھی توبہ قبول ہو گی۔" [1]

لبید ابن عاصم نامی جادوگر کو قتل نہ کرنے کی وجہ

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لبید ابن عاصم نامی جادوگر کو قتل کی سزا نہیں دی تھی، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس سے متعلق سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اگر شریعت میں جادوگر کی سزا قتل کرنا ہے تو پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر جادو کرنے والے جادوگر کے لیے قتل کی سزا کیوں نہیں تجویز فرمائی؟ علما نے اس کی متعدد وجوہات و اسباب بیان کی ہیں۔ چند اسباب و وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذاتِ خاص کے لیے کسی سے انتقام و بدلہ نہیں لیتے تھے اس واسطے لبید کے لیے قتل کی سزا نہیں تجویز فرمائی۔
2. لبید کو قتل کرنے سے فتنہ و فساد برپا ہونے کا خدشہ تھا، بطور خاص یہودیوں کی طرف سے کیوں کہ وہ یہودیوں میں سے تھا یا انہی کا معاون تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے قتل کی سزا نہیں تجویز فرمائی اور پھر جادو کے اس واقعے کو مشتہر بھی نہیں کیا۔
3. لبید ابن عاصم اصلاً ایک منافق شخص تھا اور بظاہر اسلام لا کر منافقانہ طور پر مسلمانوں میں شامل ہو گیا تھا، اس لیے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بطور سزا قتل کرتے تو لوگوں میں یہ غلط پیغام جاتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں، بنابریں لوگ اسلام میں داخل ہونے سے متنفر ہوتے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے قتل کی سزا تجویز نہیں فرمائی، جس طرح اور دیگر شریر و فتنہ پرور منافقین کے ساتھ آپ کا رویہ تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

---

[1] مجموع فتاویٰ و مقالات متنوعۃ ۸/ ۱۱۶ - ۱۱۷

جادو سے بچاؤ کی احتیاطی تدابیر

گذشتہ صفحات میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جادو کا وجود و ظہور ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور باذن الٰہی یہ اپنے اندر تاثیر بھی رکھتا ہے، لہٰذا اس کے وقوع سے قبل اور اس کی خطرناکیوں میں پڑنے سے پہلے ہی اس سے بچاؤ کی تدبیر بھی ہونی چاہیے۔ کتاب و سنت کے اندر اس تعلق سے ایسی متعدد تعلیمات پائی جاتی ہیں، جنھیں ہم اپنی عملی زندگی میں داخل کر کے ساحر و کاہن اور جن و شیاطین کی خطرناکیوں اور ان کی حاسدانہ کارروائیوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ آئندہ سطور میں جادو سے متعلق چند اہم احتیاطی تدابیر بیان کی جا رہی ہیں، انھیں اپنا کر ہم پیشگی طور پر جادو کی تباہ کاریوں اور شیطانی چالوں سے بچ سکتے ہیں۔ وباللہ التوفیق:

① عقیدے کی درستی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنا ایمان و عقیدہ کتاب و سنت کے مطابق صحیح و درست اور مضبوط و مستحکم رکھیں۔ وہ اس بات پر پختہ یقین رکھیں کہ نفع و ضرر کا مالک اللہ ہے، اس کی اجازت و مرضی کے بغیر دنیا کی کوئی بھی طاقت انسان کو کسی بھی طرح کا نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتی ہے۔ عقیدے کی درستی کے بغیر ہر طرح کے نیک اعمال اور دعائیں بے کار ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان و اعتقاد کے ساتھ ساتھ بندے پر ضروری ہے کہ وہ صرف اور صرف اسی سے ڈرے، اسی سے خوف کھائے، اور اس کے علاوہ کسی کی ہیبت کو اپنے دل میں جگہ نہ دے۔ بندہ اگر اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے اور اس کے ڈر و خوف کی وجہ سے اس کا مطیع و فرماں بردار بندہ بنتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد و معاونت فرماتا ہے اور اس کی مصیبت و پریشانی کو دور فرما دیتا ہے نیز دشمنوں سے اس کی حفاظت فرماتا ہے، اور وہ دشمن خواہ شیاطینِ انس و جن ہوں یا پھر کوئی اور داخلی و خارجی دشمن ہو۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿وَإِن تَصۡبِرُواْ وَتَتَّقُواْ لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـًٔاۗ﴾ ”اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کا مکر و فریب تمھیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔“ [آلِ عمران:۱۲۰]

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آیتِ کریمہ کے اس ٹکڑے میں دشمنوں کے مکر و فریب سے بچنے کا واضح طریقہ بیان فرما دیا ہے۔ دشمنوں کے شر و فساد سے بچنے کے لیے صبر اور تقویٰ اختیار کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس لیے ہمیں بھی ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان و اعتقاد رکھتے ہوئے اس سے ڈرتے رہنا چاہیے اور تقویٰ و بندگی کی راہ اختیار کرنی چاہیے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے متقی اور پرہیز گار بندوں کے لیے مشکلات اور پریشانیوں سے نکلنے اور اس سے گلو خلاصی حاصل کرنے کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال دیتا ہے اور مصائب پر صبر و تسکین عطا فرماتا ہے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کی مدد و حفاظت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجۡعَل لَّهُۥ مَخۡرَجٗا﴾ ترجمہ: ”اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے۔“ [الطلاق:۲]

عقیدے میں بگاڑ ہی کی وجہ سے آج لوگ طرح طرح کی آفتوں میں گرفتار ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ جھوٹے پیروں، جعلی باباؤں اور فریبی ملاؤں کی دسیسہ کاریوں اور فسوں طرازیوں کا شکار ہو کر مال و دولت کے ضیاع کے ساتھ ساتھ اپنا دین و ایمان بھی بیچ رہے ہیں۔ دراصل اس طرح کے دھوکے باز لوگ اصلاً ساحر و کاہن ہوتے ہیں۔ اللہ ہمیں ان سے بچائے۔ آمین

② اللہ تعالیٰ پر کامل توکل و بھروسہ

اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد و بھروسہ مومن بندے کے لیے مصائب و مشاکل اور دشمنوں کے وار سے بچنے کا نہایت مضبوط ذریعہ ہے۔ جو بھی شخص ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ رکھتا ہے، اللہ اس کی حفاظت فرماتا ہے اور اس کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَن يَتَوَكَّلۡ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسۡبُهُۥٓۚ إِنَّ ٱللَّهَ بَٰلِغُ أَمۡرِهِۦۚ قَدۡ جَعَلَ ٱللَّهُ لِكُلِّ شَيۡءٖ قَدۡرٗا﴾ ترجمہ: ”اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے، اللہ اسے کافی ہوگا، اللہ اپنا کام پورا کر کے رہے گا، اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔“ [الطلاق:۳]

شیطان جو سیدنا آدم علیہ السلام سے ہی انسان کا ازلی دشمن ہے اور جس کی مدد و معاونت سے جادو کی جاتی ہے، اس کے متعلق اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اہل ایمان اور اللہ پر بھروسہ کرنے والوں پر مطلقاً اس کا زور نہیں چلتا، فرمایا:

﴿إِنَّهُۥ لَيْسَ لَهُۥ سُلْطَٰنٌ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٩٩﴾ إِنَّمَا سُلْطَٰنُهُۥ عَلَى ٱلَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُۥ وَٱلَّذِينَ هُم بِهِۦ مُشْرِكُونَ ﴿١٠٠﴾﴾ ”بے شک اہلِ ایمان اور اپنے رب پر بھروسہ رکھنے والوں پر قطعی اس (شیطان) کا زور نہیں چلتا ہے۔ یقیناً اس کا زور ان پر چلتا ہے، جو اسے اپنا دوست بناتے ہیں اور اسے اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔“ [النحل:٩٩ - ١٠٠]

③ اللہ کے احکام کی حفاظت اور جماعت کے ساتھ نمازِ فجر کی ادائیگی

پنج وقتہ نمازوں کی حفاظت و پابندی کامل عبودیت کا مظہر ہے، جو کوئی ان کی حفاظت کرتا ہے گویا اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع و پیروی میں خود کو لگاتا ہے۔ اور جو کوئی اللہ کے احکام اور دین و شریعت کی حفاظت و پابندی کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہر طرح سے اس کی حفاظت فرماتا ہے اور اس کے دل سے خوف و دہشت کو دور کر دیتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ)) وفي رواية: ((احْفَظِ اللَّهَ تَجِدْهُ أَمَامَكَ)) ترجمہ: ”تم اللہ (کے احکام) کی حفاظت کرو وہ تمھاری حفاظت کرے گا، تم اللہ (کے حقوق) کی حفاظت کرو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔“ [1]

باجماعت نمازوں کی ادائیگی کے جہاں بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں، وہیں نمازِ فجر کی ایک اہم فضیلت یہ بیان ہوئی ہے کہ بندہ جماعت کے ساتھ جب نمازِ فجر ادا کرتا ہے تو پھر وہ اللہ کے حفظ و امان میں آجاتا ہے، اور جب بندہ اللہ کے عہد و امان میں آجائے تو پھر شیاطین و ساحران کا حملہ اس پر کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔

[1] جامع ترمذی: ٢٥١٦، مشکوٰۃ المصابیح مترجم بتحقیق الزئی: ٥٣٠٢ حسن عندہ، کما مر هذه الرواية

سیدنا جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللَّهِ، فَلَا تُخْفِرُوا اللَّهَ فِي ذِمَّتِهِ)) "جو شخص صبح کی نماز پڑھ لے تو وہ اللہ کے عہد وامان میں آ جاتا ہے، پس تم اللہ کے امان کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔" [1]

اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ، إِذَا هُوَ نَامَ ثَلَاثَ عُقَدٍ يَضْرِبُ كُلَّ عُقْدَةٍ عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ فَارْقُدْ، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللَّهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ صَلَّى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَأَصْبَحَ نَشِيطًا طَيِّبَ النَّفْسِ وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ)) ترجمہ: "شیطان تم میں سے ہر ایک کے سر کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے جب کہ وہ سو رہا ہوتا ہے، اور ہر گرہ پر یہ پھونک مارتا ہے کہ: سوئے رہو رات ابھی بڑی لمبی ہے۔ پس جب کوئی بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، اور اگر وضو کر لیتا ہے تو ایک گرہ اور کھل جاتی ہے، اور اگر اس نے نماز پڑھ لی تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ اس طرح آدمی چاق چوبند اور خوش مزاجی کی حالت میں صبح کرتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں کیا تو خباثتِ نفس اور سستی و کاہلی کی حالت میں صبح کرتا ہے۔" [2]

④ صبح سویرے سات عجوہ کھجوروں کا استعمال

جادو سے بچاؤ کے لیے صبح سویرے روزمرہ سات عجوہ کھجوروں کا استعمال کرتے رہنا چاہیے، کیوں کہ فرمانِ نبوی کے مطابق اس کے استعمال کرنے سے انسان دن بھر جادو اور زہر کے نقصان سے محفوظ رہتا ہے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ تَصَبَّحَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعَ تَمَرَاتٍ عَجْوَةً لَمْ يَضُرَّهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ)) "جو شخص روزانہ صبح سات عجوہ کھجوریں کھا لے اس کو اس دن کوئی زہر اور جادو نقصان نہیں پہنچائے گا۔" [3]

[1] صحیح مسلم: ۶۵۷، جامع ترمذی: ۲۲۲ واللفظ لہ [2] صحیح بخاری: ۱۱۴۲، صحیح مسلم: ۷۷۶ [3] صحیح بخاری: ۵۴۴۵، صحیح مسلم: ۲۰۴۷

ایک اور روایت میں "عجوہ" کی تقییدکے بغیر بایں الفاظ مروی ہے:((مَنْ أَكَلَ سَبْعَ تَمَرَاتٍ مِمَّا بَيْنَ لَابَتَيْهَا حِينَ يُصْبِحُ لَمْ يَضُرَّهُ سُمٌّ حَتَّى يُمْسِيَ)) "جو شخص صبح سویرے مدینہ کے دونوں میدانوں کی سات کھجوریں کھائے گا، شام تک اسے زہر نقصان نہیں پہنچائے گا۔"[1] جس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ مدینہ کے اندر کی کوئی بھی سات کھجور کھانے سے مذکورہ مقصود حاصل ہو گا۔

⑤ صبح و شام معوّذات کی تلاوت

ہر فرض نماز کے بعد ایک ایک مرتبہ اور روزانہ صبح و شام تین تین مرتبہ سورۂ اخلاص اور معوذتین کی تلاوت کرتے رہنا چاہیے، کیوں کہ یہ سورتیں اپنے پڑھنے والوں کے لیے کافی ہو جائیں گی، اور ان کی برکت سے پڑھنے والا شخص جادو وغیرہ شرور سے محفوظ رہے گا۔ اسی طرح رات میں بستر پر آنے کے بعد سونے سے پہلے ان سورتوں کو پڑھ کر ہاتھوں پر دم کرکے پورے بدن پر پھیر لینا چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا۔ اس سلسلے کی احادیث پہلے باب میں "فضائل وبرکات" کے تحت بیان کی جاچکی ہیں۔

⑥ آدابِ جماع کا اہتمام

جادوگر اور شیاطین سب سے زیادہ میاں بیوی کے تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی ہر ممکن کوشش یہی ہوتی ہے کہ دونوں کے مابین نفرت کی دیوار کھڑی کرکے ان کے بیچ علاحدگی پیدا کر دی جائے، اسی لیے جادوگران اکثر و بیشتر بندشِ جماع کے لیے جادو کرتے رہتے ہیں۔ ان کے ان تمام اوچھے حرکتوں سے بچنے اور ان کے وار کو ناکام بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس سلسلے کی اسلامی تعلیمات کو اپنائیں۔

سب سے پہلی بات یہ کہ زوجین کو اپنی آپسی زندگی کا آغاز نبوی فرمان کے مطابق درج ذیل دعا سے کرنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم: ۲۰۴۷

”جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے یا کوئی غلام خریدے تو چاہیے کہ یہ دعا کرے: ((اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَمِنْ شَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ)) ترجمہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس بھلائی کا سوال کرتا ہوں، جو تو نے اس کی فطرت میں رکھی ہے، اور اس کے شر سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں اور اس شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں، جو تو نے اس کی فطرت میں رکھی ہے۔“ اور جب کوئی اونٹ خریدے تو اس کی کوہان کی چوٹی پکڑ کر مذکورہ دعا کرے“

امام ابو داؤد رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ابو سعید نے حدیث میں اتنا اضافہ کیا ہے: ”آدمی کو چاہیے کہ اس کی پیشانی پکڑے (یعنی پیشانی کے بال پکڑے) اور عورت یا خادم کے بارے میں برکت کی دعا کرے۔“ [1]

اور اسی کے ساتھ میاں بیوی کے لیے مستحب ہے کہ وہ دو رکعت نماز ادا کرکے دعائے خیر کریں تاکہ ان کی ازدواجی زندگی اپنے رب کی اطاعت و فرماں برداری میں گزرے اور شیطان کا مکر و فریب ان پر نہ چل سکے۔ جیسا کہ بعض سلف صالحین سے ثابت ہے کہ ازدواجی زندگی کا آغاز نماز اور دعا سے کرنا چاہیے۔ جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں:

”جب بیوی شوہر کے پاس آئے تو آدمی (نماز کے لیے) کھڑا ہو اور بیوی اس کے پیچھے کھڑی ہو اور وہ دونوں دو رکعتیں نماز ادا کریں، اور شوہر یہ دعا کرے:

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْ أَهْلِيْ وَبَارِكْ لِأَهْلِيْ فِيَّ، اَللّٰهُمَّ ارْزُقْهُمْ مِنِّيْ وَارْزُقْنِيْ مِنْهُمْ، اَللّٰهُمَّ اجْمَعْ بَيْنَنَا مَا جَمَعْتَ فِيْ خَيْرٍ وَفَرِّقْ بَيْنَنَا إِذَا فَرَّقْتَ فِيْ خَيْرٍ)) ”اے اللہ! میرے لیے میرے گھر والوں میں اور میرے گھر والوں کے لیے مجھ میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ! میرے اہل کو مجھ سے اور مجھ کو میرے اہل سے رزق عطا فرما۔ اے اللہ جب تک ہمیں اکٹھا رکھے بھلائی پر جمع فرما اور جب ہمارے بیچ جدائی ڈالے تو خیر پر جدا فرما۔“ [2]

---

[1] سنن ابو داؤد: ۲۱۶۰، اسنادہ حسن / الکلم الطیب ص: ۱۶۰

[2] رواہ الطبرانی، بحوالہ: آداب الزفاف فی السنۃ المطھرۃ، ص: ۹۶، شیخ البانی نے اسے موقوفاً صحیح قرار دیا ہے۔

اور پھر ہمیشہ کا یہ معمول ہونا چاہیے کہ ہم بستری سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ مسنون دعا پڑھیں تاکہ شیطان ان کا شریک کار نہ ہو، خود انھیں اور ان سے ہونے والی اولاد کو شیطان نقصان نہ پہنچا سکے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس آنے کا یعنی جماع کرنے کا ارادہ کرے تو وہ یہ دعا پڑھے: ((بِاسْمِ، اللَّهِ، اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبْ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا)) "اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! ہمیں شیطان سے بچا اور جو رزق (بچہ) ہمیں تو عطا فرما اسے بھی شیطان سے محفوظ رکھ۔"

اور اگر اس کی وجہ سے ان کے مقدر میں کوئی بچہ ہوتا ہے تو شیطان اس کو کبھی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔" [1]

⑦ ذکر و اذکار اور مسنون دعاؤں کا وِرد اور اہتمام

جادو سے بچنے کے لیے بکثرت توبہ و استغفار کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ مسنون دعائیں، ذکر و اذکار، معوذات پر مشتمل دعائیں، کلماتِ توحید و تسبیح و تہلیل اور قرآن کریم پڑھتے رہنا چاہیے اور انھیں اپنی زندگی کا معمول بنالینا چاہیے۔ سطورِ ذیل میں چند اذکار و دعائیں اور آیات مع فوائد درج کی جارہی ہیں:

○ **آیت الکرسی کی تلاوت کریں، بالخصوص ہر فرض نماز کے بعد اور رات کو سوتے وقت اسے پڑھتے رہیں، کیوں کہ سوتے وقت اس کے پڑھنے سے پوری رات انسان شیاطین سے محفوظ رہتا ہے اور ساری رات ایک نگراں فرشتہ اس کا محافظ رہتا ہے۔** سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

وَكَّلَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ فَأَتَانِي آتٍ فَجَعَلَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ، فَقُلْتُ: لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ

[1] صحیح بخاری: ۷۳۹۶، صحیح مسلم: ۱۴۳۴

الْحَدِيثَ، فَقَالَ: ((إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللَّهِ حَافِظٌ وَلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ ذَاكَ شَيْطَانٌ)) ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رمضان کی زکاۃ کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا، میرے پاس ایک شخص آیا اور لپ بھر بھر کر غلہ لینے لگا، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا: میں ضرور تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں گا۔ پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوری حدیث بیان کی۔ اس نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: جب تم بستر پر لیٹنے لگو تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو، اللہ کی طرف سے تمھاری (حفاظت و نگرانی کے) لیے ایک محافظ مقرر ہو جائے گا اور صبح تک شیطان تمھارے قریب نہ پھٹک سکے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس نے سچ کہا اگرچہ وہ جھوٹا ہے، وہ شیطان تھا۔"[1]

آیت الکرسی پڑھنے کی بنا پر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی حفاظت کے لیے فرشتہ محافظ ہو گا تو پھر ساحر و کاہن کی دال کیوں کر گل سکتی ہے؟

آیت الکرسی مع ترجمہ حسب ذیل ہے:

﴿ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلۡحَيُّ ٱلۡقَيُّومُۚ لَا تَأۡخُذُهُۥ سِنَةٞ وَلَا نَوۡمٞۚ لَّهُۥ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِۗ مَن ذَا ٱلَّذِي يَشۡفَعُ عِندَهُۥٓ إِلَّا بِإِذۡنِهِۦۚ يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ أَيۡدِيهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيۡءٖ مِّنۡ عِلۡمِهِۦٓ إِلَّا بِمَا شَآءَۚ وَسِعَ كُرۡسِيُّهُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضَۖ وَلَا يَـُٔودُهُۥ حِفۡظُهُمَاۚ وَهُوَ ٱلۡعَلِيُّ ٱلۡعَظِيمُ ٢٥٥﴾ "اللہ وہ معبودِ برحق ہے، جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور ساری کائنات کو سنبھالنے والا ہے، اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ وہ سوتا ہے، زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے، کون ہے وہ جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس کسی کی سفارش کرے؟ جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ اسے جانتا ہے، لوگ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر

[1] صحیح بخاری: ۵۰۱۰، ۳۲۷۵، ۲۳۱۱

یہ کہ جس چیز کے بارے میں وہ چاہے، اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیر لیا ہے، اور ان دونوں کی حفاظت اسے تھکاتی نہیں، اور وہ انتہائی برتر اور نہایت عظمت والا ہے۔" [البقرۃ:۲۵۵]

○ **رات میں سونے سے پہلے سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی تلاوت کریں، کیوں کہ یہ دونوں آیتیں تلاوت کرنے والے کے لیے کافی ہو جاتی ہیں۔** سیدنا ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ قَرَأَ بِالْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ)) ترجمہ: "جو شخص رات میں سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں تلاوت کرے گا تو یہ دونوں آیتیں اسے (ہر مصیبت و پریشانی) سے بچانے کے لیے کافی ہوں گی۔" [1]

علاوہ بریں سورۂ بقرہ کی تلاوت سے شیطان گھروں سے دور بھاگتا ہے اور اس سورت کی خیر و برکت کی وجہ سے انسان، شیاطین و جنات اور جادو گروں کے شر سے محفوظ رہتا ہے، اور باطل پرست گمراہ جادو گران اپنے اندر اس حفاظتی حصار کے توڑ کی سکت نہیں پاتے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ)) ترجمہ: "اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، بے شک شیطان اس گھر سے دور بھاگتا ہے، جس میں سورۂ بقرہ کی تلاوت ہوتی ہے۔" [2]

اور جامع ترمذی کی روایت میں ہے:

((لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ، وَإِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ الْبَقَرَةُ لَا يَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ))

ترجمہ: "اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، جس گھر میں سورۂ بقرہ کی تلاوت ہوتی ہے اس گھر میں شیطان داخل نہیں ہوتا ہے۔" [3]

نیز سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

---

[1] صحیح بخاری:۵۰۰۹، صحیح مسلم:۸۰۷ [2] صحیح مسلم:۷۸۰ [3] جامع ترمذی:۲۸۷۷، صحیح

((اقْرَءُوا سُورَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ، وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ، وَلَا تَسْتَطِيعُهَا الْبَطَلَةُ.)) قَالَ مُعَاوِيَةُ: بَلَغَنِي أَنَّ الْبَطَلَةَ السَّحَرَةُ)) ترجمہ: ”سورۂ بقرہ کی تلاوت کیا کرو کیوں کہ اسے حاصل کرنا باعثِ برکت ہے اور اسے ترک کرنا باعثِ حسرت ہے، اور باطل پرست لوگ اس (کے توڑ) کی طاقت نہیں رکھتے۔“ محدث معاویہ بن سلام رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ باطل پرستوں سے جادوگر مراد ہیں۔“ [1]

○ صبح وشام تین تین دفعہ یہ دعا پڑھیں:

((بِسْمِ اللَّهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ)) ترجمہ: ”میں اس اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، جس کے نام (کی عظمت) سے زمین و آسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔“

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو کوئی شخص صبح و شام روزانہ تین تین بار یہ دعا پڑھے تو اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔“ [2]

اس نبوی فرمان کے عموم میں جادو بھی شامل ہے کہ صبح و شام مذکورہ دعا پڑھنے سے انسان جادو سے بھی محفوظ رہے گا۔

○ گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھیں:

((بِسْمِ اللَّهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ)) ”میں نے اللہ کے نام سے شروع کیا، میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، اللہ کے سوا کسی میں سہارا دینے کی طاقت و قوت نہیں ہے۔“

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص گھر سے نکلتے وقت یہ کلمات کہے، اس کے لیے کہا جاتا ہے: ((كُفِيتَ وَوُقِيتَ وَتَنَحَّى عَنْهُ الشَّيْطَانُ)) ”تمھاری حفاظت کی گئی، تمھیں بچالیا گیا۔ اور شیطان تم سے دور ہو گیا۔“ [3]

---

[1] صحیح مسلم: ۸۰۴ [2] جامع ترمذی: ۳۳۸۸، سنن ابو داؤد: ۵۰۸۸، صحیح [3] جامع ترمذی: ۳۴۲۶، صحیح عند الالبانی

اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت اس سے کہا جاتا ہے:

((هُدِيتَ وَكُفِيتَ وَوُقِيتَ، فَتَتَنَحَّى لَهُ الشَّيَاطِينُ، فَيَقُولُ لَهُ شَيْطَانٌ آخَرُ: كَيْفَ لَكَ بِرَجُلٍ قَدْ هُدِيَ وَكُفِيَ وَوُقِيَ)) "تجھے ہدایت دے دی گئی، تمھاری کفایت کی گئی اور تمھیں بچالیا گیا۔ پس شیاطین اس سے جدا ہو جاتے ہیں، تو دوسرا شیطان اس سے کہتا ہے: کیا بات ہے کہ تو اس آدمی سے دور ہو گیا اور اسے ہدایت دے دی گئی، اس کی کفایت کی گئی اور اسے بچالیا گیا۔" [1]

جب گھر سے باہر جانا ہو تو اللہ کا نام لے کر باہر نکلیں اور پھر اللہ کا نام لے کر گھر میں داخل ہوں اور کھانا وغیرہ بھی اللہ کا نام لے کر شروع کریں اور ان سے متعلق مسنون دعائیں پڑھنے کی عادت ڈالیں، تاکہ شیطان گھر میں بسیرا نہ ڈالے اور کھانے میں شریک نہ ہو۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ، فَذَكَرَ اللَّهَ عِنْدَ دُخُولِهِ وَعِنْدَ طَعَامِهِ، قَالَ الشَّيْطَانُ: لَا مَبِيتَ لَكُمْ وَلَا عَشَاءَ، وَإِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ عِنْدَ دُخُولِهِ، قَالَ الشَّيْطَانُ: أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ، وَإِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ عِنْدَ طَعَامِهِ، قَالَ: أَدْرَكْتُمُ الْمَبِيتَ وَالْعَشَاءَ)) "جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوا اور داخل ہوتے وقت نیز کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام لیا تو شیطان کہتا ہے: نہ تمھارے لیے رہنے کی جگہ ہے اور نہ کھانا ہے۔ اور جب آدمی اللہ کا نام لیے بغیر داخل ہوا تو شیطان کہتا ہے: تمھیں رات گزارنے کی جگہ مل گئی، اور جب وہ کھانے کے وقت اللہ کا نام نہ لے تو کہتا ہے: تمھیں رات گزارنے کی جگہ اور کھانا دونوں مل گیا۔" [2]

○ **دن میں سو مرتبہ مندرجہ ذیل کلماتِ توحید و تہلیل کا ورد کریں:**

((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ)) ترجمہ: "اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہی ہے، ہر قسم کی تعریف اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

[1] سنن ابو داؤد: ۵۰۹۵، صحیح [2] صحیح مسلم: ۲۰۱۸

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ....الخ، فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ، كَانَتْ لَهُ عَدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ، وَكُتِبَ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ، وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ، وَكَانَتْ لَهُ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهُ ذَلِكَ حَتَّى يُمْسِيَ، وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ إِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْهُ))

ترجمہ: ”جس شخص نے دن میں سو بار کہا: (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ .....الخ) اس کے لیے دس غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب ہے، اس کے لیے سو نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور سو برائیاں مٹا دی جاتی ہیں، اور اس دن وہ شام تک کے لیے شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے، اور کوئی شخص اس دن اس سے بہتر عمل کرنے والا نہیں سمجھا جائے گا سوائے اس شخص کے جو اس سے زیادہ عمل کرے۔“ [1]

○ شام کے وقت نیز کسی مقام پر ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو یہ دعا پڑھیں:

((أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ)) ترجمہ: ”میں اللہ کی کامل کلمات کے ذریعہ مخلوق کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔“

سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ”جب کوئی شخص کسی مقام پر اتر کر یہ دعا پڑھے تو وہاں سے کوچ کرنے تک کوئی چیز اسے نقصان نہیں پہنچائے گی۔“ [2]

استعاذہ پر مشتمل دعا کے یہ کلمات زہریلے جانور کے زہر کے نقصان سے بھی بچانے والے ہیں، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کل رات بچھو کے ڈنک مارنے سے بڑی تکلیف پہنچی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَمَا لَوْ قُلْتَ حِينَ أَمْسَيْتَ: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ.....لَمْ تَضُرَّكَ)) ”اگر تم شام کے وقت یہ کلمات ((أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ)) کہتے تو تمھیں کوئی چیز تکلیف نہ پہنچاتی۔“ [3]

---

[1] صحیح بخاری: ۲۶۹۱ [2] صحیح مسلم، تقدم تخریجہ [3] صحیح مسلم: ۲۷۰۹

سہیل بن ابو صالح رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((فَكَانَ أَهْلُنَا تَعَلَّمُوهَا فَكَانُوا يَقُولُونَهَا كُلَّ لَيْلَةٍ، فَلُدِغَتْ جَارِيَةٌ مِنْهُمْ، فَلَمْ تَجِدْ لَهَا وَجَعًا)) ترجمہ: ''میرے گھر والوں نے اسے سیکھ لیا اور ہر رات وہ لوگ اسے پڑھتے تھے، پھر میرے گھر والوں کی ایک لونڈی کو کسی (زہریلے جانور) نے ڈنک مار دیا تو اس ڈنک کی وجہ سے اسے تکلیف نہیں محسوس ہوئی۔'' [1]

○ مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعاؤں کا اہتمام کریں:

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم جب مسجد تشریف لے جاتے تو کہتے:

((أَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ))

ترجمہ: ''میں عظمت والے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں، اور اس کے معزز چہرے اور قدیم بادشاہت کے ذریعہ مردود شیطان سے پناہ چاہتا ہوں'' فرمایا: ''جب مسجد میں داخل ہونے والا شخص یہ کہتا ہے تو شیطان کہتا ہے: وہ مجھ سے پورے دن بھر کے لیے محفوظ ہو گیا۔''[2]

مسجد میں داخل ہونے کی اور بھی دعائیں مروی ہیں۔ سیدنا ابو حمید یا ابو اسید انصاری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو نبی صلی اللہ علیہ و سلم پر سلام بھیجے اور یہ کہے: (اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ) ''اے اللہ! مجھ پر میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔'' پھر جب نکلے تو یہ کہے: (اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ) ''اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔'' [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و سلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو کہتے:

---

[1] جامع ترمذی: ۳۶۰۴، صحیح [2] سنن ابو داود: ۴۶۶، صحیح

[3] صحیح مسلم: ۷۱۳، سنن ابو داود: ۴۶۵، صحیح مسلم میں سلام بھیجنے کا ذکر نہیں ہے۔

(بِسْمِ اللَّهِ، وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي، وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ)

اور جب نکلتے تو یہ کہتے:

(بِسْمِ اللَّهِ، وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي، وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ) [1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے اور کہے: (اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ) اور جب مسجد سے نکلے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے اور کہے: (اللَّهُمَّ اعْصِمْنِي مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ) "اے اللہ! مردود شیطان سے میری حفاظت فرما۔" [2]

○ بیت الخلاء میں جاتے ہوئے یہ دعا پڑھیں:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ)) ترجمہ: "اے اللہ! میں ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔" [3]

یہ دعا پڑھنے سے آدمی اللہ کی پناہ میں آجائے گا اور اس طرح ناپاک جن و شیاطین اسے تکلیف پہنچانے سے عاجز رہیں گے۔

⑧ جادوگروں سے عدمِ تعلق و دوری

جادو کے شر سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ جادوگروں، کاہنوں اور اس طرح کا کام کرنے والے لوگوں سے اجتناب و دوری اختیار کی جائے، ان سے کسی بھی طرح کا تعلق نہ رکھا جائے، نہ ان کی صحبت و ہم نشینی اختیار کی جائے اور نہ کسی کام میں ان کا ممد و معاون بنا جائے، اگر جادوگروں کے ساتھ بود و باش اختیار کی جائے گی تو پھر انھیں اپنا کارِبد انجام دینے میں

---

[1] جامع ترمذی: ۳۱۴، سنن ابن ماجہ: ۷۷۱، صحیح دون جملۃ المغفرۃ، تراجع الالبانی ۲/ ۳۲۱ح: ۵۱۰، وضعف اسنادہ الزبیر علی زئی

[2] سنن ابن ماجہ: ۷۷۳، صحیح [3] صحیح بخاری: ۱۴۲، صحیح مسلم: ۳۷۵

آسانی ہو گی اور ان کی صحبت سوائے نقصان کے فائدے مند نہیں ہو گی۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ بروں کی صحبت و ہم نشینی اپنے ساتھ ضرور برائی لے کر آتی ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ، فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً، وَنَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً)) ترجمہ: ”نیک اور برے ہم نشین کی مثال مشک فروش اور بھٹی دھوکنے والے کی سی ہے۔ پس مشک فروش یا تو تمھیں بطور ہدیہ کچھ دے گا، یا پھر تم اس سے خرید و گے، اور یا تو تم اس کی عمدہ خوشبو پاؤ گے۔ اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا، اور یا تو تم اس کی بری بو پاؤ گے۔“ [1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ)) ترجمہ: ”آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، اس لیے تم میں سے ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کرتا ہے۔“ [2]

مطلب یہ کہ بروں کی صحبت اپنے ساتھ برائی لے کر آئے گی اور اچھوں کی صحبت اچھائی لے کر آئے گی۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں مومن کی مصاحبت اور ہم نشینی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، کیوں کہ کفار و مشرکین، منافقین و طالحین اور کُہّان و ساحران کی ہم نشینی جہاں دنیوی اعتبار سے نقصان دہ ہے، وہیں دین و ایمان کے لیے بھی ضرر رساں ہے، آدمی ضرور ان کے عادات و اطوار کو اپنانے کی کوشش کرے گا۔ سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری: ۵۵۳۴، صحیح مسلم: ۲۶۲۸

[2] سنن ابو داود: ۴۸۳۳، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ رقم: ۹۲۷

((لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ)) ترجمہ: ”صرف مومن کی صحبت اختیار کرو، اور تمہارا کھانا پرہیزگار کے سوا کوئی اور نہ کھائے۔“ [1]

جادو کی علامت:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جادو کی بعض علامات بیان کر دی جائیں تاکہ علاج سے پہلے مریض کی تشخیص ہو سکے کہ آیا اس پر جادو کا اثر ہے یا نہیں؟ جادو زدہ شخص کو مندرجہ ذیل پریشانیاں لاحق ہو سکتی ہیں:

1 – کسی کام سے متعلق یہ خیال ہو کہ اسے کر لیا ہے، حالاں کہ اسے نہ کیا ہو۔

2 – شوہر اپنی بیوی کو یا بیوی اپنے شوہر کو بلا کسی سبب و وجہ کے اچانک ناپسند کرنا شروع کر دے اور یہ نفرت دن بدن گھٹنے کے بجائے بڑھتی ہی جائے۔

3 – شوہر کا اچانک بیوی کی اندھی اطاعت و فرماں برداری شروع کر دینا اور حق و ناحق دیکھے بغیر اس کی ہر بات کو تسلیم کرنا۔

4 – گھر کے اندر اور باہر کی حالت مختلف ہونا۔ مثلاً گھر کے باہر ہو تو اہل و عیال سے شدید طور پر محبت کے جذبات پیدا ہوں اور جب گھر کے اندر ہو تو محبت کے یہ جذبات نفرت میں بدل جائیں اسی طرح عورت بھی شوہر کے تئیں یہی حالت پائے۔

5 – شوہر یا بیوی کے اندر مجامعت کی طاقت نہ رہے، بلکہ یہ خواہش ہی ختم ہو جائے۔ ویسے اکثر ایسا کسی بیماری کے تحت ہوتا ہے۔

6 – قریبی افراد میں سے کسی خاص فرد کے تحت بلا کسی ظاہری سبب کے بہت زیادہ محبت یا حد سے زیادہ نفرت پیدا ہو جانا۔

7 – حاملہ عورت کا حمل بلا کسی طبی سبب کے بار بار ساقط ہونا۔

---

[1] سنن ابوداؤد: ۴۸۳۲، جامع ترمذی: ۲۳۹۵، حسن

8 - کلی طور پر خلوت و عزلت نشینی اختیار کر کے لوگوں سے یکسر تعلقات توڑ لینا۔

9 - بہت زیادہ شکوک و شبہات میں مبتلا ہونا، برے خیالات کا آنا اور خوف و دہشت محسوس کرنا اور کھانے پینے سے دل کا اچاٹ ہو جانا۔

10 - نیکیوں کے کاموں سے بے رغبتی اور عبادات سے دوری اختیار کر کے برائیوں کی طرف مائل ہونا۔

جادو لگنے کی یہ چند علامات ہیں، مگر یہ بات یاد رہے کہ مذکورہ بالا علامات میں سے اگر کچھ علامات کسی شخص کے اندر پائی جاتی ہیں تو لازمی طور پر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسے شخص پر جادو ہی کیا گیا ہے، کیوں کہ یہ علامات محض قرائن اور آثار کے طور پر بیان کی گئی ہیں، بلکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اسے کسی طرح کی پیچیدہ بیماری یا نفسیاتی عارضہ لاحق ہو۔ اگر مریض کے اندر اس طرح کی علامات پائی جاتی ہیں تو مریض کا طبی معائنہ و جانچ کرانے کے ساتھ ساتھ اس پر قرآنی آیات اور ادعیہ ماثورہ کا دم بھی کرنا چاہیے۔

جادو کا علاج

مختلف بیماریوں کی طرح جادو بھی ایک بیماری ہے، لہٰذا دیگر بیماریوں کی طرح اس کا بھی علاج کرنا چاہیے اور جادو زدہ شخص سے اسے دور کرنا چاہیے اگر اس کے اندر جادو لگنے کی علامات پائی جائیں۔ ازالہ سحر کے اس عمل کو "نشرہ" کہا جاتا ہے، بنیادی طور پر اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت : جادو کو جادو کے ذریعہ زائل کرنا۔ جادو کو زائل کرنے کی یہ صورت حرام و ناجائز اور شیطانی عمل ہے۔ اور ایسا کرنے کی صورت میں انسان کو جادوگروں کے پاس جا کر ان سے اس کا حل دریافت کرنا پڑے گا، جو کہ حرام و ناجائز ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "نشرہ" (یعنی جادو کا علاج جادو کے ذریعے سے کرنے) کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((هُوَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ)) "یہ شیطانی عمل ہے۔" [1]

[1] سنن ابو داؤد: ۳۸۶۸، صححہ الالبانی رحمہ اللہ

دوسری صورت : دوسری صورت شرعی علاج و معالجہ اختیار کر کے قرآن کریم، شرعی دم، معوذات، ادعیہ ماثورہ اور جائز و مباح دواؤں کے ذریعہ جادو کو زائل کرنا۔ جادو کے علاج کی یہ دوسری صورت بلاشبہ جائز ہے۔ اور اس جائز و شرعی طریقۂ علاج کی مندرجہ ذیل کئی صورتیں ہیں:

(الف) جس چیز میں جادو کیا گیا ہے اسے تلف کرنا

سب سے پہلی چیز یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ کس چیز میں جادو کیا گیا ہے اور کہاں رکھا گیا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے تو اسے وہاں سے نکال کر ان چیزوں پر سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی اور معوذتین وغیرہ دم کر کے تلف و ضائع کر دیا جائے۔ اس سے جادو کا اثر زائل ہو جائے گا۔ اور اس کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ رب العالمین سے توبہ و استغفار کی جائے اس کے سامنے رویا گڑگڑایا جائے، دعائیں کی جائیں، صحت و عافیت کے لیے دل سے اللہ تعالیٰ کو پکارا جائے، اپنے گناہوں کی معافی مانگی جائے۔ اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا۔ اور اگر جادوگر کے متعلق معلوم ہو جائے تو اسے بتانے پر مجبور کیا جائے۔

(ب) سینگی لگوا کر جادو کا علاج کرنا یعنی جس مقام پر جادو کا اثر ہو اگر وہاں سے فاسد مادہ نکالنا ممکن ہو تو ایسا کرنا مفید ہو گا۔ جیسا کہ ایک مرسل روایت میں ہے کہ:

((أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللهُ عليه وسلم اِحْتَجَمَ عَلىٰ رَأْسِهِ بِقَرْنٍ حِيْنَ طُبَّ)) ”جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تو آپ نے اپنے سر پر سینگی لگوائی۔“ [1]

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ مُقَنَّع بن سنان رحمہ اللہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو ان سے کہا کہ جب تک تم سینگی نہ لگوالو گے میں یہاں سے نہیں جاؤں گا، کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ”اس میں شفا ہے۔“ [2]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] غریب الحدیث لأبی عبید القاسم بحوالہ فتح الباری ۱۰/ ۲۲۸، زاد المعاد لابن القیم ۴/ ۱۱۵ [2] صحیح بخاری: ۵۶۹۷، صحیح مسلم: ۲۲۰۵

((الشِّفَاءُ فِي ثَلَاثَةٍ: فِي شَرْطَةِ مِحْجَمٍ، أَوْ شَرْبَةِ عَسَلٍ، أَوْ كَيَّةٍ بِنَارٍ، وَأَنَا أَنْهَى أُمَّتِي عَنِ الْكَيِّ)) ترجمہ: ''شفا تین چیزوں میں ہے: سینگی لگوانے میں، یا شہد کے پینے میں، یا آگ سے داغ لگانے میں، اور میں اپنی امت کو داغ دینے سے روکتا ہوں۔'' [1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنِ احْتَجَمَ لِسَبْعَ عَشْرَةَ، وَتِسْعَ عَشْرَةَ، وَإِحْدَى وَعِشْرِينَ، كَانَ شِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ)) ترجمہ: ''جو شخص چاند کی سترہویں، انیسویں اور اکیسویں تاریخ کو پچھنا لگوائے تو اسے ہر بیماری سے شفا حاصل ہو گی۔'' [2]

(ج) تلاوتِ قرآن، شرعی دم اور معوذات کے ذریعہ علاج کرنا

جادو زدہ انسان پر مسنون اذکار و دعائیں پڑھ کر دم کی جائیں، اور یہ جادو کے اثر کو ختم و زائل کرنے کا انتہائی موثر ذریعہ ہیں۔ انسان جس قدر خشوع و خضوع اور اخلاص و للّٰہیت سے ان دعاؤں کو پڑھ کر دم کرے گا وہ اسی قدر موئثر ہوں گی۔ اس سلسلے کی چند مفید و اہم دم مندرجہ ذیل ہیں:

① سورۂ فاتحہ:

خارجہ بن صلت تمیمی رحمہ اللہ کے چچا سیدنا علاقہ بن صحار تمیمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

أَنَّهُ مَرَّ بِقَوْمٍ فَأَتَوْهُ، فَقَالُوا: إِنَّكَ جِئْتَ مِنْ عِنْدِ هَذَا الرَّجُلِ بِخَيْرٍ، فَارْقِ لَنَا هَذَا الرَّجُلَ، فَأَتَوْهُ بِرَجُلٍ مَعْتُوهٍ فِي الْقُيُودِ، فَرَقَاهُ بِأُمِّ الْقُرْآنِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ غُدْوَةً وَعَشِيَّةً، وَكُلَّمَا خَتَمَهَا جَمَعَ بُزَاقَهُ، ثُمَّ تَفَلَ، فَكَأَنَّمَا أُنْشِطَ مِنْ عِقَالٍ فَأَعْطَوْهُ شَيْئًا، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَهُ لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((كُلْ فَلَعَمْرِي لَمَنْ أَكَلَ بِرُقْيَةِ بَاطِلٍ، لَقَدْ أَكَلْتَ بِرُقْيَةِ حَقٍّ)) ترجمہ: ''ان کا گزر ایک قوم کے پاس سے ہوا، تو وہ لوگ ان کے پاس آئے اور کہا: آپ اُس آدمی (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے بھلائی کے ساتھ آئے ہیں، اس لیے ہمارے اِس آدمی کے لیے جھاڑ پھونک کر

[1] صحیح بخاری: ۵٦٨٠، سنن ابن ماجہ: ٣٤٩١ [2] سنن ابو داؤد: ٣٨٦١، سلسلہ صیحہ: ٦٢٢، اسنادہ حسن ورجالہ ثقات

دیں، اور پھر وہ لوگ رسیوں میں بندھے ہوئے ایک پاگل آدمی کو لے کر آئے۔ تو انھوں نے تین دنوں تک صبح و شام ام القرآن یعنی سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا، جب جب وہ سورہ کو ختم کرتے تو اپنے منہ میں تھوک کو جمع کرتے اور اس پر تھو تھو کرتے یعنی پھونکتے۔ پھر تو وہ آدمی ایسا ہو گیا گویا کہ اس کی بندھی ہوئی گرہیں کھل گئیں، ان لوگوں نے انھیں کچھ دیا، وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس آئے اور اس کا ذکر کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: "کھاؤ، میری عمر کی قسم! کچھ ایسے بھی ہیں جو جھوٹا دم و منتر کرکے کھاتے ہیں، تم نے تو حق و سچ دم کرکے کھایا ہے۔" [1]

② آیت الکرسی:

آیت الکرسی سے متعلق یہ حدیث گزر چکی ہے کی اس کی تلاوت کی برکت سے شیطان انسان کے قریب نہیں آتا ہے۔ اسی طرح اگر اسے مریض پر پڑھ کر دم کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسے شفا دے گا۔

③ سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر دم کرنا:

گزشتہ صفحات میں سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر دم کرنے سے متعلق احادیث کا بیان تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔

④ مندرجہ ذیل معوذات پڑھ کر دم کرنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم پر جب سحر کیا گیا تھا تو اس وقت اللہ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے بھی ایک دعا پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ و سلم پر دم کیا تھا، لہٰذا جبریل علیہ السلام کے اس دعا کو بھی جادو زدہ پر پڑھ کر دم کیا جائے۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اے محمد صلی اللہ علیہ و سلم! کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: ہاں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا:

---

[1] سنن ابو داؤد: ۳۴۲۰، سلسلۃ الصحیحۃ: ۲۰۲۷، واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کا اپنی عمر کی قسم کھانا آپ ہی کے ساتھ خاص ہے، قرآن میں بھی آپ کی عمر کی قسم کھائی گئی ہے۔ **تنبیہ:** موجودہ دور میں جھوٹا دم کرکے کھانے والوں کی کمی نہیں ہے، لہٰذا ایسے ٹھگوں سے ہوشیار رہیں!!

((بِاسْمِ اللَّهِ أَرْقِيكَ، مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اللَّهُ يَشْفِيكَ بِاسْمِ اللَّهِ أَرْقِيكَ)) ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کے پاک نام کے ساتھ آپ پر دم کرتا ہوں، ہر اس چیز سے جو آپ کو تکلیف دے، ہر نفس کے شر یا حاسد کے حسد کرنے والی نگاہ سے۔ اللہ آپ کو شفا دے۔ اللہ کے نام کے ساتھ میں آپ پر دم کرتا ہوں۔'' [1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں میں سے بعض پر یہ دعا پڑھ کر دم کرتے اور اپنا داہنا ہاتھ پھیرتے:

((اللَّهُمَّ رَبَّ النَّاسِ، أَذْهِبْ الْبَاسَ اشْفِهِ وَأَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا)) ترجمہ: ''اے اللہ! لوگوں کے رب! بیماری کو دور فرما دے، شفا عطا فرما، اور تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری شفا کے سوا کوئی اور شفا نہیں ہے، ایسی شفا عطا فرما کہ بیماری باقی نہ رہے۔'' [2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے سامنے جب ثابت بنانی رحمہ اللہ نے اپنی بیماری کا اظہار کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان پر یہ دعا پڑھ کر دم کیا:

((اللَّهُمَّ رَبَّ النَّاسِ مُذْهِبَ الْبَاسِ، اشْفِ أَنْتَ الشَّافِي، لَا شَافِيَ إِلَّا أَنْتَ، شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا)) اور بتایا کہ یہ وہ دعا ہے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔ [3]

علاوہ ازیں گذشتہ صفحات میں احتیاطی تدابیر اور نبوی معوذات کے تحت بیان کی گئی دعاؤں اور معوذات میں سے حسب حال دیگر دعائیں پڑھ کر جادو زدہ پر دم کی جائیں ان شاء اللہ اسے شفا حاصل ہو گی۔

⑤ سلف صالحین سے ثابت شدہ دیگر دم

علاوہ ازیں سلف صالحین اور موجودہ دور کے کئی علماء کرام نے اپنے اپنے تجربات کی روشنی میں شرعی دم کی کئی ایک صورتیں ذکر کی ہیں، جو قرآنی آیات اور نبوی دعاؤں پر مشتمل ہیں اور

---

[1] صحیح مسلم: ۲۱۸۶، سنن ابن ماجہ: ۳۵۲۳ [2] صحیح بخاری: ۵۷۴۳، صحیح مسلم: ۲۱۹۱ [3] صحیح بخاری: ۵۷۴۲

اپنے بھائی کو نفع پہنچانے کی قبیل سے ہیں، جنھیں جادو کے توڑ کے لیے بطور علاج استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ اس کی تفصیل سطورِ ذیل میں رقم کی جارہی ہے:

◉ قرآن کریم کے مختلف مقامات کی درج ذیل آیاتِ کریمہ اور کچھ مسنون دعائیں پڑھ کر جادوزدہ شخص پر دم کیا جائے یا کسی برتن کے اندر پانی میں دم کیا جائے اور جادوزدہ شخص کو اس دم زدہ پانی سے پلایا جائے اور جو پانی باقی بچے اس سے جادوزدہ شخص ایک بار یا بوقتِ ضرورت کئی بار غسل کرے۔ ان شاء اللہ اس عمل سے جادو رفع ہو جائے گا۔ اور اگر ضرورت ہو تو کئی بار یہ عمل دہرایا جائے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ آیات اور دعائیں درج ذیل ہیں:

سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی اور سورۂ اعراف کی درج ذیل آیتیں:

﴿وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿١١٧﴾ فَوَقَعَ ٱلْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١١٨﴾ فَغُلِبُوا۟ هُنَالِكَ وَٱنقَلَبُوا۟ صَٰغِرِينَ ﴿١١٩﴾ وَأُلْقِىَ ٱلسَّحَرَةُ سَٰجِدِينَ ﴿١٢٠﴾ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا بِرَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٢١﴾ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَٰرُونَ ﴿١٢٢﴾﴾

سورۂ یونس کی درج ذیل آیتیں:

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ٱئْتُونِى بِكُلِّ سَٰحِرٍ عَلِيمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَآءَ ٱلسَّحَرَةُ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰٓ أَلْقُوا۟ مَآ أَنتُم مُّلْقُونَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّآ أَلْقَوْا۟ قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُم بِهِ ٱلسِّحْرُ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ سَيُبْطِلُهُۥٓ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ ٱلْمُفْسِدِينَ ﴿٨١﴾ وَيُحِقُّ ٱللَّهُ ٱلْحَقَّ بِكَلِمَٰتِهِۦ وَلَوْ كَرِهَ ٱلْمُجْرِمُونَ ﴿٨٢﴾﴾

سورۂ طٰہٰ کی مندرجہ ذیل آیتیں:

﴿قَالُوا۟ يَٰمُوسَىٰٓ إِمَّآ أَن تُلْقِىَ وَإِمَّآ أَن نَّكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَىٰ ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ أَلْقُوا۟ ۖ فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ﴿٦٦﴾

فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِۦ خِيفَةً مُّوسَىٰ ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْأَعْلَىٰ ﴿٦٨﴾ وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوٓاْ ۖ إِنَّمَا صَنَعُواْ كَيْدُ سَٰحِرٍ ۖ وَلَا يُفْلِحُ ٱلسَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ﴿٦٩﴾

پھر سورۃ الکافرون، سورۂ اخلاص، معوذتین پڑھی جائیں، (سورۂ اخلاص و معوذتین تین تین بار پڑھی جائیں) اور اسی کے ساتھ ساتھ مریض کی شفا و عافیت کے لیے درج ذیل دعائیں بھی پڑھی جائیں:

((اللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ، أَذْهِبْ الْبَاسَ اشْفِهِ وَأَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا)) [1] ((بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ، مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اللّٰهُ يَشْفِيكَ بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ)) [2] یہ دعا تین مرتبہ پڑھی جائے۔

◉ اسی طرح جادو زدہ کے علاج کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بیری کے سات سبز پتے لیے جائیں اور انھیں پیس کر پانی میں ڈال لیں، پھر اس میں مذکورہ بالا آیتیں، سورتیں اور دعائیں پڑھیں، اور پھر جادو زدہ شخص اس میں سے پیے اور جو باقی بچے اس سے غسل کرے۔ نیز جس شخص کو بیوی سے روک دیا گیا ہو اس کے لیے بھی یہ طریقۂ دم نفع بخش ہے، جیسا کہ بہتیرے لوگوں نے اس کا تجربہ کیا ہے اور انھیں اس کے ذریعہ خاطر خواہ فائدہ حاصل ہوا ہے۔[3]

ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ، لیث بن ابی سلیم سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

”مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ یہ چند آیات باذنِ الٰہی جادو سے شفا کا ذریعہ ہیں، انھیں پانی والے برتن میں پڑھا جائے اور پھر اسے جادو زدہ کے سر پر انڈیل دیا جائے۔ وہ آیات یہ ہیں: سورۂ یونس آیت نمبر ۸۱ تا ۸۲، سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۱۸ تا ۱۲۰، سورۂ طٰہٰ آیت نمبر ۶۹۔“ [4]

ابن بطال کہتے ہیں: وہب بن منبہ کی کتاب میں ہے کہ:

[1-2] یہ دونوں دعائیں تخریج کے ساتھ پچھلے صفحات میں گزر چکی ہیں۔

[3] دیکھیے: مجموع فتاویٰ و مقالات متنوعہ لابن باز ۸/ ۱۴۶ تا ۱۴۷، بتصرف یسیر

[4] فتح المجید ص: ۲۶۱

”بیری کے سات ہرے پتے لے کر انھیں دو پتھروں کے بیچ پیس لیں اور اسے پانی میں ڈال دیں، اور پھر اس میں آیت الکرسی نیز چاروں قُل پڑھیں، اور اس میں سے بیمار تین گھونٹ پیے اور جو باقی بچے اس سے غسل کرلے، جو کچھ تکلیف اسے ہے وہ (باذن اللہ) دور ہو جائے گی۔ یہ نسخہ اس شخص کے لیے بہتر ہے، جسے اپنی بیوی کے ساتھ مجامعت سے روک دیا گیا ہو۔“ [1]

(د) بعض آزمودہ مباح قدرتی دواؤں کا استعمال

کچھ ایسی نفع بخش قدرتی دوائیں پائی جاتی ہیں کہ جن کے نفع بخش ہونے پر کتاب و سنت دلالت کرتے ہیں، آدمی انھیں اگر اس یقین و اعتقاد کے ساتھ استعمال کرے کہ نفع دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے اگر وہ چاہے گا تو اس سے نفع حاصل ہو گی، تو ضرور اللہ اسے شفا دے گا۔

① عجوہ کھجور کا استعمال

عجوہ کھجور کا استعمال جہاں جادو سے بچاؤ کا بہترین ذریعہ ہے، وہیں صبح صبح نہار منہ اس کے استعمال سے جادو زدہ شخص کو شفا بھی حاصل ہو گی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فِي عَجْوَةِ الْعَالِيَةِ أَوَّلَ الْبُكْرَةِ عَلَى رِيقِ النَّفْسِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ سِحْرٍ أَوْ سُمٍّ))

ترجمہ: ”صبح صبح نہار منہ بالائی علاقے (یعنی مدینہ کا وہ علاقہ جو نجد کی طرف ہے) کا عجوہ کھجور (کھانے) میں ہر قسم کے جادو اور زہر سے شفا ہے۔“ [2]

② کلونجی کا استعمال

کلونجی کے بارے میں حدیثوں میں کہا گیا ہے کہ یہ ہر مرض کی دوا ہے، لہٰذا جادو زدہ کے لیے بھی اس کا استعمال مفید ہو گا، کیوں کہ جادو بھی ایک مرض ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

---

[1] فتح المجید ص: ۲۶۱، فتح الباری ۱۰/ ۲۳۳

[2] مسند احمد: ۲۴۷۳۵، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۲۰۰۰

((فِي الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا السَّامَ)) ترجمہ: ''سیاہ دانوں (کلونجی / شونیز / منگریلا) میں سوائے سام کے ہر مرض کی دوا ہے۔'' محدث ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''سام سے مراد موت ہے اور سیاہ دانہ سے مراد شونیز یعنی کلونجی ہے۔'' [1]

خالد بن سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم سفر پر نکلے اور ہمارے ساتھ غالب بن ابجر تھے، راستے میں وہ بیمار ہوگئے۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو وہ بیمار ہی تھے، ابن ابی عتیق ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو ہم سے فرمایا: تم یہ کالے دانے (کلونجی) ضرور استعمال کرو، اس کے پانچ یا سات دانے لے کر پیس لو اور پھر اسے تیل کے ساتھ ناک کے دونوں نتھنوں میں قطرہ قطرہ ٹپکاؤ۔ کیوں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے:

((إِنَّ هَذِهِ الْحَبَّةَ السَّوْدَاءَ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ، إِلَّا مِنَ السَّامِ، قُلْتُ: وَمَا السَّامُ، قَالَ: الْمَوْتُ)) ترجمہ: ''یہ کالا دانہ (کلونجی) ہر مرض کی شفا کا باعث ہے، سوائے سام کے۔'' کہتی ہیں: میں نے پوچھا کہ سام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''موت'' [2]

③ آبِ زم زم کا استعمال

آب زم زم دنیا کا انتہائی نفیس و عمدہ پانی ہے، یہ پانی بھی ہے اور کھانا بھی ہے، اس کے پینے سے مختلف طرح کی بیماریاں دور ہوتی ہیں، اس کا تجربہ بہتیرے لوگوں نے کیا ہے۔ احادیث میں بھی اس کی فضیلت وخوبی بیان ہوئی ہے۔

سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے کہا:

قَدْ كُنْتُ هَاهُنَا مُنْذُ ثَلَاثِينَ بَيْنَ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ، قَالَ: فَمَنْ كَانَ يُطْعِمُكَ؟ قَالَ: قُلْتُ: مَا كَانَ لِي طَعَامٌ إِلَّا مَاءُ زَمْزَمَ، فَسَمِنْتُ حَتَّى تَكَسَّرَتْ عُكَنُ بَطْنِي، وَمَا أَجِدُ عَلَى كَبِدِي سُخْفَةَ

---

[1] صحیح بخاری:٥٦٨٨، صحیح مسلم:٢٢١٥ [2] صحیح بخاری:٥٦٨٧

جُوعٍ، قَالَ: ((إِنَّهَا مُبَارَكَةٌ، إِنَّهَا طَعَامُ طُعْمٍ)) ترجمہ: ”میں یہاں (مکہ میں) تقریباً تیس رات اور دن سے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تجھے کون کھلایا کرتا تھا؟“ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: میرے پاس زمزم کے پانی کے سوا کھانا وغیرہ کچھ نہیں تھا، پھر میں موٹا ہو گیا یہاں تک کہ میرے پیٹ کے بٹ مڑ گئے اور میں اپنے کلیجہ میں بھوک کی ناتوانی نہیں پاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک زمزم کا پانی برکت والا ہے اور وہ کھانے کا کھانا بھی ہے“ [1]

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ)) ”زمزم کا پانی جس مقصد سے پیا جائے اس کے لیے مفید ہے۔“ [2]

معلوم ہوا آب زمزم، جس نیت اور غرض سے پیا جائے وہ فائدہ إن شاء اللہ حاصل ہو گا۔ لہٰذا جادو سے شفایابی کے مقصد سے اگر اسے پیا جائے تو اس سے بھی مسحور کو افاقہ حاصل ہو گا۔ إن شاء اللہ نیز حدیث میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ اس میں بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خَيْرُ مَاءٍ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ مَاءُ زَمْزَمَ، فِيْهِ طَعَامُ الطُّعْمِ وَشِفَاءُ السُّقْمِ)) ”روئے زمین کا سب سے بہتر پانی آبِ زمزم ہے، اس میں کھانے کا کھانا بھی ہے اور بیماری سے شفا بھی ہے۔“ [3]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ وہ آبِ زمزم شیشیوں میں لاتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ:

((كَانَ يَحْمِلُ مَاءَ زَمْزَمَ فِي الْأَدَاوِىْ وَالْقِرَبَ وَكَانَ يَصُبُّ عَلٰى الْمَرْضىٰ وَيُسْقِيْهِمْ))

”اسے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) مٹکوں اور مشکیزوں میں لاتے تھے اور اسے مریضوں پر انڈیلتے اور انھیں پلاتے تھے۔“ [4]

---

[1] صحیح مسلم: ۲۴۷۳ [2] سنن ابن ماجۃ: ۳۰۶۲، شیخ البانی کے نزدیک یہ حدیث حسن لغیرہ یا حسن لذاتہ ہے (سلسلہ ضعیفہ ۶/ ۱۵۵) ابن القیم نے بھی اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے (زاد المعاد ۴/ ۳۶۰)، نیز شیخ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ انوار الصحیفۃ ضعیف سنن ابن ماجۃ ص: ۴۸۶ [3] رواہ الطبرانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۱۰۵۶ [4] رواہ البخاری فی التاریخ الکبیر، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۸۸۳، اسنادہ جید عند الالبانی، جامع ترمذی: ۹۶۳ میں بھی یہ حدیث ہے، مگر اس میں (وَكَانَ يَصُبُّ عَلٰى الْمَرْضىٰ وَيُسْقِيْهِمْ) کے الفاظ نہیں ہیں۔

آبِ زمزم کے بارے میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ خود اپنا اور بعض دیگر لوگوں کا تجربہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”میں نے اور میرے علاوہ لوگوں نے آبِ زمزم سے شفا حاصل کرنے کا حیرت انگیز تجربہ کیا ہے، متعدد امراض میں اللہ کے حکم سے مجھے اس کے ذریعہ شفا حاصل ہوئی ہے اور بیماری سے نجات مل گئی ہے۔ میں نے ایسے شخص کا مشاہدہ کیا ہے، جس نے پندرہ یا اس سے زائد دنوں تک آبِ زمزم کو بطور غذا استعمال کیا تو اس نے بھوک نہیں محسوس کیا اور عام لوگوں کے ساتھ انہی کی طرح طواف کرتا رہا۔ اور کسی نے مجھے بتایا کہ اس نے چالیس دنوں تک صرف اسی پر گزارہ کیا پھر بھی اس کے اندر بیوی سے جماع کی قوت پائی جاتی رہی اور وہ روزہ بھی رکھتا رہا اور بار بار طواف بھی کرتا رہا۔“ [1]

④ شہد کا استعمال

شہد کے بارے میں اللہ رب العالمین کا فرمان ہے:

﴿ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ ٱلثَّمَرَٰتِ فَٱسۡلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلٗاۚ يَخۡرُجُ مِنۢ بُطُونِهَا شَرَابٞ مُّخۡتَلِفٌ أَلۡوَٰنُهُۥ فِيهِ شِفَآءٞ لِّلنَّاسِۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَأٓيَةٗ لِّقَوۡمٖ يَتَفَكَّرُونَ ٦٩﴾ ترجمہ: ”اور ہر قسم کے میوے کھا اور اپنے رب کی ہموار راہوں پر چلتی رہ۔ ان کے پیٹ سے رنگ برنگ کا مشروب نکلتا ہے، جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے، جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں ان کے لیے اس میں ایک نشانی ہے۔“ [النحل:٦٩]

آیتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شہد بہت سی بیماریوں کے لیے شفا ہے، اور حدیث میں بھی اسے باعثِ شفا قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ سینگی کے بیان میں اس سے متعلق حدیث گزر چکی ہے۔ لہٰذا جادو سے نجات پانے کے لیے صبح و شام اللہ کا نام لے کر شہد کا استعمال کرنا چاہیے، ضرور اس سے افاقہ ہو گا۔

---

[1] زاد المعاد ٤/٣٦١

⑤ زیتون کے تیل کا استعمال

قرآن کریم میں کئی مقامات پر زیتوں کا ذکر آیا ہے، اور اس کے پھل نیز تیل کو بابرکت قرار دیا گیا ہے۔ اس بابرکت درخت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

- ﴿وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِن طُورِ سَيْنَآءَ تَنۢبُتُ بِٱلدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْـَٔاكِلِينَ ۝٢٠﴾

ترجمہ: ”اور وہ درخت (بھی ہم ہی نے پیدا کیا) جو طور سیناء سے نکلتا ہے، جو روغن اور کھانے والے کے لیے سالن لیے اگتا ہے۔“ [المومنون:۲۰]

- ﴿يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۝٣٥﴾ ترجمہ: ”وہ زیتون کے ایک بابرکت درخت (کے تیل) سے جلایا جاتا ہے جو نہ پورب کی جانب ہے اور نہ مغرب کی جانب، اس کا تیل خود بخود جلنے کو تیار ہوتا ہے، خواہ اسے آگ نہ بھی چھوئے۔“ [النور:۳۵]

حدیثوں میں بھی اسے کھانے کی ترغیب دی گئی ہے اور اسے بابرکت قرار دیا گیا ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوا بِهِ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ)) ترجمہ: ”زیتون کا تیل کھاؤ اور اسے لگاؤ، کیوں کہ بے شک وہ ایک مبارک درخت سے لیا جاتا ہے۔“ [1]

نیز ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ائْتَدِمُوا بِالزَّيْتِ وَادَّهِنُوا بِهِ، فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ)) ترجمہ: ”زیتون کا تیل بطور سالن استعمال کرو اور اسے لگاؤ، اس لیے کہ یہ ایک مبارک درخت سے لیا جاتا ہے۔“ [2]

لہٰذا زیتون کے بابرکت ہونے کی وجہ سے اس کا پھل کھانے اور اس کا تیل لگانے کی وجہ سے جادو زدہ شخص کے لیے بھی فائدہ مند ہو گا۔ زیتون کے اور بہت سے طبی فوائد ہیں جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

---

[1] جامع ترمذی:۱۸۵۱، صححہ الالبانی [2] سنن ابن ماجہ:۳۳۱۹، صحیح عند الالبانی

(ہ)صدقہ وخیرات کے ذریعہ جادو کو دور کرنا

صدقہ وخیرات کے ذریعہ اللہ رب العالمین کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا تقرب ورضا حاصل کرنے کا بہترین راستہ ہے۔ صدقہ رب العالمین کے غصے کو مٹا دیتا ہے اور جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، ویسے ہی صدقہ صغیرہ گناہوں کو بجھا دیتا ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مریضوں کو صدقہ کے ذریعہ دوا علاج کرنے کی تجویز فرمائی ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((دَاوُو مَرْضَاكُمْ بِالصَّدقَةِ)) ترجمہ:"صدقہ کے ذریعہ اپنے مریضوں کا علاج کرو۔" [1]

اسی طرح صحیحین وغیرہ کی روایت میں سورج و چاند گہن وغیرہ سے متعلق یہ فرمانِ نبوی منقول ہے کہ:

((فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَادْعُوا اللَّهَ وَكَبِّرُوا وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا)) ترجمہ:"جب تم گہن لگا ہوا دیکھو تو اللہ سے دعا کرو، اس کی بڑائی بیان کرو، نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔" [2]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خوف و دہشت کی صورت میں خوفناک بلاؤں اور مصیبتوں کو ٹالنے کے لیے صدقہ کرنا مستحب ہے۔ لہٰذا جادو بھی ایک بیماری اور خوفناک چیز ہے اس لیے جادو زدہ شخص کو چاہیے کہ وہ مذکورہ بالا دیگر دواؤں اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ صدقہ و خیرات بھی کرے۔

---

[1] رواہ السیوطی وابو الشیخ والبیہقی وحسنہ الالبانی کما فی السراج المنیر ۲/۱۰۲۷

[2] صحیح بخاری:۱۰۴۴، صحیح مسلم:۹۰۱

فصلِ سوم: حسد کی مذمت اور اس سے بچاؤ کا طریقہ

حسد اور رشک کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے بندوں میں سے کسی کو جو دینی یا دنیاوی نعمت عطا کر رکھی ہے اس نعمت کے زوال اور چھن جانے کی تمنا و آرزو کرنا حسد کہلاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کسی کو مالی، علمی اور فضل و کرامت کی حیثیت سے کمزور بنایا ہے تو اس کے متعلق یہ خواہش و تمنا رکھنا کہ اس کی حالت نہ بدلے، یا آدمی کسی تگ و دو میں لگا ہوا ہے اور اس کے بارے میں یہ آرزو کرنا کہ اسے کامیابی نہ ملے وغیرہ بھی حسد میں داخل ہیں۔ پہلی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل و موجود نعمت پر حسد کی جاتی ہے اور دوسری صورت میں متوقع نعمت پر حسد کی جاتی ہے، اور حسد کی یہ دونوں صورتیں انتہائی مذموم و مبغوض ہیں۔ نیز کسی کی نعمت کے سلب کی تمنا نہ رکھنا بلکہ صرف یہ خواہش رکھنا کہ بعینہٖ اس کی وہی نعمت مجھے مل جائے یہ بھی حسد ہی ہے جو کہ جائز و درست نہیں ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ ترجمہ: ”اور اس چیز کی تمنا نہ کرو جس چیز کی وجہ سے اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔“ [النساء: ۳۲]

یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی کو دوسروں کے مقابلے میں جو زیادہ عطا فرمایا ہے اس کی ہوس و تمنا نہ کرو۔ علامہ عبد الرحمان سعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے فرمایا ہے کہ وہ اس چیز کی تمنا نہ کریں، جو اس نے اپنے فضل و کرم سے دوسروں کو عطا کی ہے، خواہ یہ ممکن امور ہوں یا غیر ممکن۔ چناں چہ عورتیں مردوں کے خصائص کی تمنا نہ کریں جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت عطا کی ہے۔ نہ صاحبِ فقر اور صاحبِ نقص، مال داری اور کاملیت کی مجرد تمنا کریں کیوں کہ ایسی

مجرد تمنا حسد کے زمرے میں شمار ہوتی ہے یعنی دوسروں پر اللہ تعالیٰ کی نعمت دیکھ کر اس سے اس کے سلب ہونے اور خود کو حاصل ہونے کی تمنا کرنا، نیز یہ تمنا اس امر کی مقتضی ہے کہ تمنا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر ناراض ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ کاہلی اور جھوٹی تمناؤں میں گرفتار ہے، جو عمل اور محنت سے عاری ہوتی ہیں، البتہ صرف دو امور محمود ہیں:(۱) بندہ اپنی استطاعت اور مقدور بھر اپنے دینی اور دنیاوی مصالح کے حصول کے لیے کوشش اور جد وجہد کرے۔(۲) اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کا سوال کرے، اپنے نفس پر بھروسہ کرے نہ اپنے رب کے سوا کسی اور پر۔" [1]

حسد کی ایک صورت رشک و غبطہ کی ہے، جسے مجازاً حسد کہہ دیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے کسی کو کوئی نعمت عطا کر رکھی ہے تو اس نعمت کے زوال کی خواہش نہ رکھتے ہوئے صرف یہ آرزو و تمنا کرنا کہ اللہ مجھے بھی اسی طرح کی نعمت سے نواز دے، جس طرح فلاں پر اپنی نعمتیں نچھاور کی ہیں تاکہ میں بھی اسی طرح کے اچھے اچھے کام کروں وغیرہ، یعنی اسی کے مثل نعمت کی خواہش و آرزو کرنا جائز و مستحسن اور پسندیدہ امر ہے بس شرط یہ ہے کہ وہ مباح چیزوں میں ہو۔ اسی کو رشک یا غبطہ کہتے ہیں، جو جائز ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((**لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا**)) ترجمہ: "حسد (رشک) جائز نہیں ہے، مگر دو شخصوں کے بارے میں: ایک وہ، جسے اللہ نے مال سے نوازا اور وہ راہِ حق میں اسے خرچ کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ دوسرے وہ، جسے اللہ نے حکمت سے نوازا اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہو اور اس کی تعلیم دیتا ہو۔" [2]

اسی طرح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] تفسیر سعدی ص:۵۰۸ [2] صحیح بخاری:۷۳، صحیح مسلم:۸۱۶

((لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ؛ رَجُلٍ عَلَّمَهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ، وَآنَاءَ النَّهَارِ، فَسَمِعَهُ جَارٌ لَهُ، فَقَالَ: لَيْتَنِي أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ فُلَانٌ، فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ. وَرَجُلٍ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَهُوَ يُهْلِكُهُ فِي الْحَقِّ، فَقَالَ رَجُلٌ: لَيْتَنِي أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ فُلَانٌ، فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ)) ترجمہ: ”حسد (رشک) روا نہیں ہے، مگر دو آدمیوں پر: ایک وہ آدمی، جسے اللہ نے قرآن کا علم دیا اور وہ رات و دن اس کی تلاوت کرتا رہتا ہے، پس اس کا پڑوسی اس کی تلاوت سن کر کہے: کاش مجھے بھی دیا گیا ہوتا، جس طرح فلاں کو عطا کیا گیا ہے تو میں بھی اس کی طرح عمل کرتا۔ اور دوسرا وہ شخص، جسے اللہ نے مال عطا کیا اور وہ اسے راہِ حق میں خرچ کرتا ہے۔ پس اسے دیکھ کر آدمی کہے: کاش میں بھی اسی طرح عطا کیا گیا ہوتا، جس طرح فلاں کو دیا گیا ہے تو میں بھی اسی طرح عمل کرتا۔“ [1]

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں حسد سے مراد غبطہ یعنی رشک ہے۔ اور ان دونوں حدیثوں سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ رشک ایسی چیزوں میں جائز و مستحب ہے، جو مہتم بالشان ہوں، مثلاً سخاوت اور تعلیمِ قرآن و حدیث وغیرہ۔ امام نووی رحمہ اللہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”علماء کہتے ہیں کہ حسد کی دو قسمیں ہیں: ایک حقیقی حسد اور دوسرے مجازی حسد۔ جسے نعمت دی گئی ہے اس سے نعمت کے چھن جانے کی تمنا کرنے کو حقیقی حسد کہتے ہیں، نصوصِ صحیحہ کے پائے جانے کی وجہ سے اس کی حرمت پر امت کا اجماع ہے۔ اور مجازی حسد کو غبطہ کہتے ہیں اور غبطہ صاحبِ نعمت کی نعمت کے زوال کی تمنا کیے بغیر اس جیسی نعمت کی آرزو کرنے کو کہتے ہیں۔ اگر یہ دنیوی امور سے متعلق ہے تو مباح ہے اور اگر یہ اطاعت و فرماں برداری سے متعلق ہے تو مستحب ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ غبطہ صرف دو خصلتوں اور ان دونوں جیسی خصلتوں میں محبوب ہے۔“ [2]

---

[1] صحیح بخاری: ۵۰۲۶ [2] المنہاج فی شرح صحیح مسلم للنووی ص: ۵۴۱

نظر بد بھی حسد ہی کا ایک حصہ ہے

نظرِبد کی تاثیر ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اور حسد و نظرِ بد دونوں کی تاثیر مشترک ہوتی ہے، بس فرق اتنا ہے کی حسد موجود و غیر موجود اور وقوع پذیر و غیر وقوع پذیر ہر ایک نعمت میں ہوتی ہے اور اس کا مقام دل ہوتا ہے، جب کہ نظرِ بد صرف سامنے کی موجود چیزوں میں ہوتی ہے اور عائن اکثر اپنی دلی حسد کی بنا پر اپنی آنکھوں کے ذریعہ اثرانداز ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ہر نظر بد لگانے والا حاسد ہوتا ہے، جب کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر حاسد نظر بد لگانے والا بھی ہو۔ لہٰذا سورہ فلق میں جو حاسد کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے اس میں نظر بد لگانے والا عائن بھی داخل ہے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

> ”نظر بد لگانے والا بھی ایک قسم کا حاسد ہے، لیکن عام حاسدوں سے وہ زیادہ مضر ہے۔ اور غالباً اسی نکتہ کے لیے سورۂ فلق میں حاسد کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے، کیوں کہ عام کے ضمن میں خاص داخل ہوتا ہے یعنی ہر ایک نظر بد لگانے والا حاسد ہے، لیکن بالعکس نہیں، اس لیے جب حاسد کے شر سے پناہ مانگ لی گئی تو نظر بد سے بھی پناہ لی گئی۔“ [1]

نیکی کے کاموں میں منافست حسد نہیں ہے

رشک و غبطہ ہی سے ملتی جلتی ایک چیز منافست و مسابقت بھی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی اور اطاعت و بندگی کے کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنا۔ دینی امور سے متعلق منافست و مسابقت جائز ہی نہیں بلکہ مستحب و پسندیدہ امر ہے، اور کتاب و سنت میں اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

- ﴿فَٱسْتَبِقُوا۟ ٱلْخَيْرَٰتِ﴾ ”پس نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔“ [البقرۃ:۱۴۸]
- ﴿وَفِى ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ ٱلْمُتَنَٰفِسُونَ﴾ ”اور سبقت لے جانے والوں کو چاہیے کہ وہ اسی میں سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔“ [المطففین:۲۶]

---

[1] تفسیر معوذتین، ص:۱۳۷

یعنی سبقت لے جانے والوں کو ایسے اعمال کی طرف سبقت کرنی چاہیے، جس کے بدلے میں جنت اور اس کی نعمتیں حاصل ہوں۔ معلوم ہوا کہ ایسے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہیے، جو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور رضا جوئی کا باعث نیز جنت اور اس کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہو۔ اس سلسلے میں قرآن کریم میں کئی مقامات پر اس جانب رہنمائی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

- ﴿سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ﴾ ”دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے رب کی مغفرت اور اُس جنت کی طرف، جس کی چوڑائی آسمان و زمین کی چوڑائی کے برابر ہے، جو اُن لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے، جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے ہوں۔“ [الحدید: ۲۱]
- ﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ ”اور دوڑو اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف، جس کا عرض زمین و آسمان کے برابر ہے، جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“ [آل عمران: ۱۳۳]

صحابہ کرام کا باہمی تنافس

مذکورہ قرآنی ترغیب ہی کے پیشِ نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اکثر و بیش تر خیر و بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور اس معاملے میں ہمہ وقت ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے، مگر ان کے اندر آپس میں ایک دوسرے کے لیے کسی طرح کا بغض و حسد نہیں پایا جاتا تھا، بلکہ وہ دوسروں کے نیک اعمال کو دیکھ کر دلی فرحت و مسرت حاصل کرتے ہوئے خود بھی آگے بڑھنے کی تگ و دو میں لگے رہتے تھے اور ان میں سے ہر کوئی زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمانے کی دلی خواہش و تمنا رکھتا تھا۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا، اتفاق سے اس وقت میرے پاس مال تھا۔ میں نے کہا: اگر میں کسی دن ابو بکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھ سکوں گا تو آج کے دن سبقت لے جاؤں گا۔ چناں چہ میں اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اپنے گھر والوں کے لیے تم نے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے کہا: اسی کے مثل یعنی آدھا گھر چھوڑ آیا ہوں۔ کہتے ہیں کہ: ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال لے کر حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: اپنے گھر والوں کے لیے تم نے کیا چھوڑا ہے؟ انھوں نے کہا: میں ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ میں نے کہا: میں کبھی بھی آپ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔“ [1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کچھ مہاجر فقراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: بلند مرتبے اور دائمی نعمت تو مال دار لوگ لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”وہ کیسے؟“ انھوں نے کہا: وہ نماز پڑھتے ہیں، جس طرح کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، وہ روزہ رکھتے ہیں، جس طرح کہ ہم روزہ رکھتے ہیں، وہ لوگ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کرتے، وہ لوگ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم لوگ غلام آزاد نہیں کرتے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَفَلَا أُعَلِّمُكُمْ شَيْئًا تُدْرِكُونَ بِهِ مَنْ سَبَقَكُمْ، وَتَسْبِقُونَ بِهِ مَنْ بَعْدَكُمْ، وَلَا يَكُونُ أَحَدٌ أَفْضَلَ مِنْكُمْ إِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ؟)) ”کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ سکھاؤں جس کے ذریعہ تم ان لوگوں کو پا لوگے، جو تم سے آگے بڑھ گئے ہیں اور اس سے تم لوگ ان لوگوں سے آگے بڑھ جاؤ گے، جو تمھارے بعد ہیں، اور کوئی بھی تم لوگوں سے افضل نہیں ہو گا سوائے اس شخص کے جو تمھاری طرح عمل کرے گا؟“

[1] سنن ابو داود: ۱۶۷۸، جامع ترمذی: ۳۶۷۵، حسنہ الالبانی رحمہ اللہ

ان لوگوں نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے فرمایا: ”ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہا کرو۔“

نیز ابو صالح کی بیان کردہ روایت میں ہے کہ:

فقرائے مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پھر آئے اور عرض کیا: جو عمل ہم کر رہے تھے ہمارے مال دار بھائیوں نے بھی سن لیا اور وہ لوگ بھی اسی طرح کرنے لگے۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے عطا فرمائے۔“[1]

آج ہمارے اندر رشک و تنافس کے بجائے حسد و کینہ نے لے لیا ہے، کسی کی عبادت کو دیکھ کر ہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرح خود تو عبادت نہیں کرتے، بلکہ قابیل کا طرزِ فکر اپناتے ہیں، خود تو توفیق نہیں ہوتی ہے کہ خیر و بھلائی کے کام کریں، بلکہ ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ نیک لوگوں کا مذاق اڑائیں اور ان کی عبادت اور نیک کاموں میں کیڑے نکالیں۔ ہمیں حسد و بغض کی روِش ترک کر کے بڑھ چڑھ کر خیر و بھلائی کے کام انجام دینے اور نیکی کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین!

واضح رہے کہ کسی طرح کی کوئی شرعی ضرورت ہو، انسان کا دل غنی ہو کہ آنے والے فقر کا متحمل ہو سکے، وہ اللہ پر مکمل بھروسہ رکھتا ہو اور پھر کوئی شرعی عذر مانع نہ ہو تو ایسی صورت میں اپنا کل مال صدقہ کرنے کی رخصت و اجازت ہے۔ ورنہ عام حالات میں پورے مال کا صدقہ کرنا درست نہیں ہے، بلکہ ایسا صدقہ ناپسندیدہ ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ)) ترجمہ: ”بہترین صدقہ وہ ہے، جس کے دینے کے بعد آدمی غنی رہے (محتاج نہ ہو)۔ اور صدقہ پہلے اسے دو جس کی کفالت کے تم ذمہ دار ہو۔“[2]

[1] صحیح مسلم: ۵۹۵، صحیح بخاری وغیرہ میں بھی یہ روایت مختصراً موجود ہے۔ [2] صحیح بخاری: ۱۴۲۶

دنیاوی امور میں منافست

اور اگر مسابقت و منافست اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی بے جا کوشش دینی امور کے بجائے دنیوی امور سے متعلق ہو تو یہ حسد کا پیش خیمہ ہو گا اور اس کی وجہ سے آدمی حسد کے مرض میں مبتلا ہو جائے گا اور پھر بغض و حسد کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گا، جو ہلاکت و تباہی کا باعث بنے گا، اس لیے دنیوی امور میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا کر رکھا ہے اسی پر مطمئن و قانع ہو کر اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد رکھتے ہوئے حصولِ رزق کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔ جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا فُتِحَتْ عَلَيْكُمْ فَارِسُ وَالرُّومُ، أَيُّ قَوْمٍ أَنْتُمْ؟ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ نَقُولُ كَمَا أَمَرَنَا اللَّهُ. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ، تَتَنَافَسُونَ ثُمَّ تَتَحَاسَدُونَ ثُمَّ تَتَدَابَرُونَ ثُمَّ تَتَبَاغَضُونَ أَوْ نَحْوَ ذَلِكَ، ثُمَّ تَنْطَلِقُونَ فِي مَسَاكِينِ الْمُهَاجِرِينَ، فَتَجْعَلُونَ بَعْضَهُمْ عَلَى رِقَابِ بَعْضٍ)) "جب تم پر فارس اور روم کے خزانے کھول دیے جائیں گے تو تم کس طرح کی قوم ہوگے؟ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم وہی کہیں گے، جس کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس کے برعکس ہوگے یا اسی طرح ہوگے؟ تم لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کروگے پھر ایک دوسرے سے حسد کروگے پھر ایک دوسرے سے منہ موڑوگے پھر ایک دوسرے سے بغض رکھوگے۔ یا ایسا ہی کچھ فرمایا۔ پھر مسکین مہاجرین کے پاس جاؤگے پھر ان میں سے کچھ لوگوں کو دوسروں کی گردنوں پر مسلط کروگے۔"[1]

اسی طرح سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] صحیح مسلم: ۲۶۲۹، سنن ابن ماجہ: ۳۹۹۶

((فَوَاللَّهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ، وَلَكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا، وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ))

ترجمہ: ”پس اللہ کی قسم! میں تم پر فقر و محتاجی سے نہیں ڈرتا، لیکن مجھے تمہارے اوپر اس بات کا خوف ہے کہ تم پر دنیا کے دروازے اس طرح کھول دیے جائیں گے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کھول دیے گئے تھے، پھر تم ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگوگے، جس طرح وہ لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے تھے اور پھر اسی طرح ہلاک کر دیے جاؤ گے، جس طرح وہ لوگ ہلاک کر دیے گئے۔“ [1]

حسد کی ابتدا

حسد ایک شیطانی صفت ہے اور سب سے پہلے ابلیس لعین ہی اس بری عادت کا شکار ہوا، اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو جن فضائل اور خوبیوں سے نوازا تھا ابلیس نے اس پر حسد کیا اور حسد کی آگ میں جلتے ہوئے ہر طرح سے ان پر حاسدانہ کارروائی کی اور انھیں بہکانے پھسلانے کی کوشش کی۔ دنیا میں سب سے پہلا گناہ بھی اسی حسد ہی کی وجہ سے ہوا، سیدنا آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے ہابیل کو اپنی حسد کی بنا پر قتل جیسا گناہِ عظیم کیا، قابیل کو ہابیل سے اس بنا پر حسد و جلن پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہابیل کی قربانی قبول فرمالی اور میری قربانی قبول نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کے اس اولین حاسدانہ قتل کی تفصیل مندرجہ ذیل آیات میں بیان فرمائی ہے:

﴿وَٱتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَأَ ٱبۡنَيۡ ءَادَمَ بِٱلۡحَقِّ إِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانٗا فَتُقُبِّلَ مِنۡ أَحَدِهِمَا وَلَمۡ يُتَقَبَّلۡ مِنَ ٱلۡأٓخَرِ قَالَ لَأَقۡتُلَنَّكَۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ ٱللَّهُ مِنَ ٱلۡمُتَّقِينَ ٢٧ لَئِنۢ بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقۡتُلَنِي مَآ أَنَا۠ بِبَاسِطٖ يَدِيَ إِلَيۡكَ لِأَقۡتُلَكَۖ إِنِّيٓ أَخَافُ ٱللَّهَ رَبَّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ٢٨ إِنِّيٓ أُرِيدُ أَن تَبُوٓأَ بِإِثۡمِي وَإِثۡمِكَ فَتَكُونَ مِنۡ أَصۡحَٰبِ ٱلنَّارِۚ

[1] صحیح بخاری:۳۱۱۵، صحیح مسلم:۲۹۶۱

وَذَٰلِكَ جَزَٰٓؤُاْ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٢٩﴾ فَطَوَّعَتْ لَهُۥ نَفْسُهُۥ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُۥ فَأَصْبَحَ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٣٠﴾﴾ ترجمہ: "اور آپ ان کو آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ بلا کم و کاست حق کے ساتھ سنادیں، جب دونوں نے قربانی پیش کی تو ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہیں قبول کی گئی، اس نے کہا: میں تجھے قتل کر دوں گا، اس نے کہا: بے شک اللہ متقیوں کی قربانی قبول فرماتا ہے۔ اگر تو قتل کرنے کے لیے میری طرف ہاتھ پھیلائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر لے لے اور جہنمیوں میں شامل ہو جا، اور ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔ پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر ابھارا اور اس نے اسے قتل کر دیا اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔" [المائدہ:۲۷تا۳۰]

سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بھی حسد کرتے ہوئے ان پر اور ان کے گھر والوں پر ظلم جیسا گناہ کیا تھا، اور آخری نبی نبینا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو جادو کیا گیا اس کا باعث بھی یہی حسد تھا، کفار و مشرکین اپنے باطنی حسد ہی کی وجہ سے اسلام اور اہلِ اسلام کو مٹانے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔

اہل کتاب اور کفار و منافقین کا حسد

مدینہ کے یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی بنیاد پر حسد کرتے تھے کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے فضل و کرم اور نبوت و رسالت سے سرفراز کیا تھا، انھیں اس بات کا رنج تھا کہ آخری نبی بنو اسرائیل میں سے کیوں نہیں ہوا؟ اسی طرح وہ لوگ عام مسلمانوں سے بھی ان کے عروج و ارتقا کو دیکھ کر حسد کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَمْ يَحْسُدُونَ ٱلنَّاسَ عَلَىٰ مَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ۖ فَقَدْ ءَاتَيْنَآ ءَالَ إِبْرَٰهِيمَ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَءَاتَيْنَٰهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾﴾ ترجمہ: "یا یہ لوگوں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دے رکھا ہے۔ پس ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور انھیں بڑی سلطنت بھی بخشی تھی۔" [النساء:۵۴]

اہلِ کتاب حق کو جاننے پہچاننے کے باوجود اپنے بغض و کینہ اور حسد کی بنا پر مومنین کو کفر کی طرف پھیرنا چاہتے تھے۔ یہ محض ان کے جی کا حسد تھا ورنہ ان لوگوں پر حق واضح تھا اور اپنے اسی حسد ہی کی بنا پر وہ لوگوں کو بہکاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾﴾ ترجمہ: ”ان اہلِ کتاب کے اکثر لوگ حق واضح ہو جانے کے باوجود محض اپنے نفس کے حسد کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ تمھیں مومن سے کافر بنا دیں۔ پس تم لوگ عفو و درگزر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“ [البقرۃ:۱۰۹]

یہ یہود سلام کرنے اور آمین کہنے کی وجہ سے بھی مسلمانوں سے حسد کرتے تھے، کیوں کہ انھیں یہ فضیلت حاصل نہیں تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا حَسَدَتْكُمُ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ، مَا حَسَدَتْكُمْ عَلَى السَّلَامِ وَالتَّأْمِينِ)) ”یہود تم سے کسی چیز پر اُتنا حسد نہیں کرتے جتنا سلام کرنے اور آمین کہنے پر کرتے ہیں۔“ [1]

فرد و معاشرہ پر حسد کے اثراتِ بد

حسد ایک ایسی دلی و نفسیاتی بیماری ہے، جس کے خطرناک آثار و عواقب خود حاسد اور معاشرے پر بھی پڑتے ہیں۔ لوگوں کی نگاہوں میں حاسد کی کوئی وقعت و حیثیت نہیں رہتی ہے، لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور اپنی خوشی و مسرت کو ہمیشہ اس کی نگاہوں سے اوجھل رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حسد کی وجہ سے معاشرے میں آپسی عداوت و دشمنی بڑھتی

[1] سنن ابن ماجہ:۸۵۶، السراج المنیر ۲/ ۸۹۹

ہے، لوگ خوش گوار زندگی سے محروم ہو جاتے ہیں، نیز غیبت و چغل خوری اور ظلم و سرکشی کا گراف بڑھتا ہے، اسی حسد ہی کی وجہ سے معاشرے میں قتل و خوں ریزی اور چوری و ڈاکہ زنی جیسے حادثات پیش آتے ہیں۔ چناں چہ افرادِ معاشرہ اگر حسد سے دور رہیں اور ان کے دلوں میں کسی کے خلاف حسد نہ پایا جائے تو معاشرہ میں بدامنی نہیں ہو گی، کسی طرح کا کوئی خلفشار نہیں ہو گا، لوگ امن و چین اور خیر و بھلائی میں ہوں گے، اور لوگوں پر خیر و برکت کا نزول ہو گا۔ سیدنا ضمرہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا لَمْ يَتَحَاسَدُوا)) ترجمہ: ”لوگ برابر خیر و بھلائی میں رہیں گے جب تک کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے لگیں۔“ [1]

نعمتوں کو حاسد سے بچائیں

حسد کی مذکورہ خرابیوں کی وجہ سے نعمتوں کو حاسدین کے نگاہِ بد سے بچانے کی بات کہی گئی ہے، تاکہ منعَم حاسد کی بد نگاہی کا شکار نہ ہو اور معاشرے میں کسی طرح کی بدامنی نہ پیدا ہو، کیوں کہ حاسد کے حسد کی وجہ سے آپسی تعلقات خراب ہوتے ہیں اور آپس میں عداوت و دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِسْتَعِيْنُوْا عَلٰى اِنْجَاحِ حَوَائِجِكُمْ بِالْكِتْمَانِ، فَإِنَّ كُلَّ ذِىْ نِعْمَةٍ مَحْسُوْدٌ))

ترجمہ: ”اپنی ضروریات کو پوری کرنے کے لیے رازداری سے کام لو، کیوں کہ ہر صاحبِ نعمت سے حسد کیا جاتا ہے۔“ [2]

حسد دین کا صفایا کرنے والی ہے

حسد ایک ایسی بیماری ہے، جو ابلیس لعین کا شیوہ، یہود و نصاریٰ کی خصلت اور کفار و مشرکین و منافقین کی عادت ہے، جو کہ انتہائی مذموم و قبیح اور رذالت و ذلالت سے پُر انتہائی

[1] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۳۳۸۶، اسنادہ جید

[2] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۱۴۵۳، السراج المنیر ۲/ ۱۰۷۰

گری ہوئی خصلت و عادت ہے، جس کسی کے اندر یہ عادت پائی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر راضی و قانع نہیں ہوتا ہے، ہر طرح کی برائی اس کے اندر جنم لے لیتی ہے، غیبت، چغلی، کینہ کپٹ، بدظنی اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانا یہ اس کے لیے عام بات ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ حاسد قتل جیسے گناہ عظیم کا بھی مرتکب ہو جاتا ہے، یعنی کہ حسد ایک ایسی بیماری ہے، جو انسان کے دین و ایمان کا صفایا کر دیتی ہے، اور آپسی الفت و محبت کو نفرت و دشمنی میں بدل دیتی ہے۔ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ ؛ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ، هِيَ الْحَالِقَةُ، لَا أَقُولُ: تَحْلِقُ الشَّعَرَ وَلَكِنْ تَحْلِقُ الدِّينَ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا، أَفَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِمَا يُثَبِّتُ ذَلِكَ لَكُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ))

ترجمہ: ”تمھارے اندر پہلی امتوں کا ایک مرض در آیا ہے، اور وہ حسد اور بغض کی بیماری ہے۔ یہ مونڈنے والی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ سر کا بال مونڈنے والی ہے، لیکن یہ دین کو مونڈنے والی ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوگے، جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ، اور تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تمھیں ایسی بات نہ بتاؤں جس کے کرنے سے تمھارے درمیان محبت پیدا ہو جائے؟ آپس میں سلام کو پھیلاؤ“ [1]

حسد سے پاک دل کی اہمیت

حسد و کینہ اور بغض و نفرت سے پاک دل انتہائی پاکیزہ ہوتا ہے، اور ان صفات کا حامل شخص لالچی و تنگ دل نہیں ہوتا ہے بلکہ ایسا آدمی اللہ کی تقدیر سے راضی و خوش ہوتا ہے، لوگوں کی نعمتوں کو دیکھ کر اسے جلن اور کڑھن نہیں محسوس ہوتی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

[1] ترمذی: ۲۵۱۰، مسند احمد: ۱۴۱۲، شیخ زبیر علی زئی نے اس روایت کی تضعیف کی ہے [انوار الصحیفۃ، ص: ۲۶۰] جب کہ شیخ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ السراج المنیر ۲ / ۹۸۵، سلام سے متعلق حدیث کا ٹکڑا صحیح مسلم: ۵۴ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

سلم نے اپنی امت کو اس سے روکا ہے اور حسد سے پاک دل کی تعریف فرمائی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَحَاسَدُوا، وَلَاتَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَاتَدَابَرُوا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا، الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ؛ لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ، التَّقْوَى هَاهُنَا – وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ – بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ؛ دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ))

ترجمہ: ”ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، آپس میں ایک دوسرے کے لیے دھوکے سے قیمتیں نہ بڑھاؤ، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے کو پیٹھ نہ دکھاؤ یعنی قطع تعلقی نہ کرو، تم میں سے کوئی کسی دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے، اللہ کے بندے بن کر آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس کو ذلیل کرتا ہے، نہ اس کی تحقیر کرتا ہے۔ تقویٰ یہاں ہے (اور آپ نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ فرمایا) آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت و آبرو حرام ہے۔“ [1]

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُّ مَخْمُومِ الْقَلْبِ، صَدُوقِ اللِّسَانِ)) ”ہر مخموم القلب اور سچی زبان والا“ لوگوں نے عرض کیا: (صَدُوقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُهُ، فَمَا مَخْمُومُ الْقَلْبِ؟) ”زبان کے سچے کو تو ہم جانتے ہیں، مگر مخموم القلب کیا ہے؟“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ، لَا إِثْمَ فِيهِ وَلَا بَغْيَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ)) ”وہ پرہیز گار صاف ستھرا (دل)، جس میں کوئی گناہ نہ ہو، کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو، کوئی خیانت نہ ہو اور نہ کسی طرح کا حسد ہو۔“ [2]

---

[1] صحیح مسلم: ۲۵۶۵ [2] سنن ابن ماجہ: ۴۲۱۶، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۹۴۸

مومن کامل حاسد نہیں ہوتا

ہمیں اپنے دل کا جائزہ لینا چاہیے کہ کہیں ہم حسد تو نہیں کر رہے ہیں، اگر ہمارے دلوں میں کسی طرح کا حسد پایا جارہا ہے تو گویا یہ ہمارے ایمان کی کمزوری ہے اور ہم خالص مومن نہیں ہیں، کیوں کہ مومن کامل حاسد نہیں ہوتا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَجْتَمِعَانِ فِي النَّارِ مُسْلِمٌ قَتَلَ كَافِرًا، ثُمَّ سَدَّدَ وَقَارَبَ، وَلَا يَجْتَمِعَانِ فِي جَوْفِ مُؤْمِنٍ غُبَارٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَفَيْحُ جَهَنَّمَ، وَلَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ الْإِيمَانُ وَالْحَسَدُ)) ترجمہ: ”جس کسی مسلمان نے کسی کافر کو قتل کر دیا اور پھر وہ راہِ صواب پر قائم رہے اور میانہ روی اختیار کرے تو وہ دونوں یعنی مومن قاتل اور کافر مقتول جہنم میں اکٹھا نہیں ہو سکتے، اور مومن کے پیٹ میں اللہ کے راستے کا گرد و غبار اور جہنم کی حرارت اکٹھا نہیں ہو سکتی، اور کسی بندے کے دل میں ایمان اور حسد جمع نہیں ہو سکتا۔“ [1]

دلوں کو حسد سے پاک رکھنے والوں کی تعریف

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جہاں بہت سی خوبیوں کا تذکرہ کیا ہے اور ان خوبیوں کی وجہ سے ان کی تعریف فرمائی ہے، وہیں مدینہ کے انصاریوں کی ایک خوبی یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے سینوں میں کسی کی نعمت پر کوئی حسد نہیں رکھتے ہیں اور اللہ رب العزت نے اس خوبی کی تعریف فرمائی ہے اور ان خوبیوں سے متصف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو فلاح یاب قرار دیا ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿وَٱلَّذِينَ تَبَوَّءُو ٱلدَّارَ وَٱلْإِيمَـٰنَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوتُوا۟ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ۝٩﴾

[1] سنن نسائی: ۳۱۰۹، السراج المنیرا / ۵۵۰

ترجمہ: ”اور جن لوگوں نے ان سے پہلے ہی اس گھر (یعنی دارالہجرت مدینہ) میں اور ایمان میں جگہ بنالی، یہ لوگ اپنی طرف ہجرت کرکے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ بھی مہاجرین کو دے دیا جائے اس سے وہ اپنے سینوں میں کوئی حاجت (تنگی اور حسد) محسوس نہیں کرتے، اور انھیں اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ وہ اس کے سخت ضرورت مند ہوں۔ اور جو لوگ اپنے نفس کی تنگی اور لالچ سے بچالیے گئے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔“ [الحشر:۹]

یہاں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً﴾ ”وہ اپنے سینوں میں کوئی حاجت محسوس نہیں کرتے“ کا مفہوم مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنے سینوں میں حسد نہیں رکھتے۔ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین صحابہ کو جو کچھ عنایت فرماتے تھے یا مہاجرین کی جو قدر و منزلت تھی اس پر مدینہ کے انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم حسد نہیں کرتے تھے۔ علامہ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ آیتِ کریمہ کے اس ٹکڑے کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مہاجرین کو جو کچھ عطا کیا ہے اور ان کو جن فضائل و مناقب سے مختص کیا ہے، جن کے وہ اہل ہیں، وہ ان پر حسد نہیں کرتے۔ یہ آیتِ کریمہ ان کے سینے کی سلامتی، ان میں بغض، کینہ اور حسد کے عدمِ وجود پر دلالت کرتی ہے، نیز یہ آیتِ کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مہاجرین، انصار سے افضل ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر کو مقدم رکھا ہے، نیز آگاہ فرمایا کہ مہاجرین کو جو کچھ عطا کیا گیا انصار اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی حسد نہیں محسوس کرتے۔ یہ آیتِ کریمہ یہ بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو وہ فضائل عطا کیے، جو انصار اور دیگر لوگوں کو عطا نہیں کیے، کیوں کہ انھوں نے نصرتِ دین اور ہجرت کو جمع کیا۔“ [1]

اسی سلسلے کا ایک واقعہ بھی حدیث میں بیان کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے تئیں اپنے دلوں میں حسد و کینہ نہ رکھنا بہت بڑی کامیابی کی دلیل ہے۔ سیدنا انس

[1] تفسیر سعدی، ص:۲۷۳۷

بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابھی تمہارے پاس ایک جنتی آدمی آنے والا ہے۔'' پس ایک انصاری آدمی آئے اور وضو کی وجہ سے ان کی داڑھی سے پانی ٹپک رہا تھا اور وہ اپنے بائیں ہاتھ میں اپنے جوتے لٹکائے ہوئے تھے۔ دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی بات ارشاد فرمائی اور وہی آدمی اسی پہلے والی کیفیت کے ساتھ آئے۔ پھر جب تیسرا دن آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی بات ارشاد فرمائی اور وہی شخص اپنی سابقہ حالت میں آئے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم (گھر جانے کے لیے) کھڑے ہوئے تو سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اس آدمی کے پیچھے چل پڑے اور ان سے کہا: میرا میرے والد سے جھگڑا ہو گیا ہے اور میں نے ان کے پاس تین دن نہ جانے کی قسم اٹھالی ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟ اگر آپ مجھے اپنے یہاں رہنے کی اجازت دے دیں تو یہ مدت پوری ہو جائے۔ انھوں نے کہا: جی ہاں، تشریف لائیے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ انھوں نے اس آدمی کے ساتھ تین راتیں گزاریں، انھوں نے دیکھا کہ وہ رات کو بالکل قیام نہیں کرتے تھے، البتہ جب بھی وہ جاگتے اور اپنے بستر پر پہلو بدلتے تو وہ اللہ کا ذکر کرتے اور تکبیر پڑھتے یہاں تک کہ نمازِ فجر کے لیے اٹھتے۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اس کے علاوہ میں نے ان سے خیر و بھلائی کی بات سنی، پھر جب تین راتیں گزر گئیں اور قریب تھا کہ میں ان کے عمل کو معمولی سمجھوں میں نے ان سے کہا: اے اللہ کے بندے! میرے اور میرے والد کے بیچ کوئی غصے والی بات نہیں ہوئی اور نہ ہی قطعِ تعلقی ہوئی تھی، لیکن تین مرتبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((يَطْلُعُ عَلَيْكُمُ الْآنَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ)) ''ابھی تمہارے پاس ایک جنتی آدمی آنے والا ہے۔''

اور پھر تینوں مرتبہ آپ ہی نمودار ہوئے اس لیے میری خواہش ہوئی کہ میں آپ کے پاس ٹھہر کر آپ کا عمل دیکھوں اور پھر اس کی پیروی کروں۔ لیکن میں نے آپ کو بہت زیادہ عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا، اس لیے آپ ہی بتائیے کہ کس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں اس طرح کی بات فرمائی؟ انھوں نے جواباً کہا: میں وہی کچھ کرتا ہوں، جو آپ نے دیکھا۔ کہتے ہیں: جب میں پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو انھوں نے مجھے بلایا اور کہا:

(مَا هُوَ إِلَّا مَا رَأَيْتَ، غَيْرَ أَنِّي لَا أَجِدُ فِي نَفْسِي لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ غِشًّا، وَلَا أَحْسُدُ أَحَدًا عَلَى خَيْرٍ أَعْطَاهُ اللَّهُ إِيَّاهُ) ”میرا عمل تو وہی ہے جو آپ نے دیکھا، اس کے علاوہ یہ بات ہے کہ میرے نفس میں کسی مسلمان کے خلاف کوئی دھوکا نہیں ہے اور جس کسی مسلمان کو اللہ نے جو خیر و بھلائی عطا فرمائی ہے، میں اس پر اس سے حسد نہیں کرتا۔“

سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بس یہی وہ چیز ہے جس نے آپ کو اس مقام و مرتبہ پر فائز کر دیا ہے، اور یہی وہ عمل ہے، جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔ [1]

حسد ترک کرنے والے وسائل

جب حسد دین و ایمان کا صفایا کرنے والی انتہائی مذموم صفت و عادت ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم دین و ایمان کا صفایا کرنے والی حسد جیسی بیماری نہ پالیں۔ اگر ہم اس مخرب اخلاق مذموم بیماری کے شکار ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حضور روئیں گڑگڑائیں توبہ و استغفار کریں اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور اس بیماری سے نجات پانے کا سوال کریں۔ سطورِ ذیل میں چند وسائل ذکر کیے جا رہے ہیں، جنھیں اپنا کر ہم حسد سے نجات حاصل کر سکتے ہیں :

(1) اپنا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جوڑیں اسی سے اپنا رشتہ و تعلق اُستوار کریں، اور اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ڈھالیں۔ اور لوگوں سے الفت و محبت یا

---

[1] مسند احمد: ۱۲۶۹۷، شیخ البانی کہتے ہیں: ”وإسناده صحيح على شرط الشيخين، كما قال المنذري، ورواه غيرهم كما في ”الترغيب“ (۴/۱۳)“ دیکھیے: سلسلة الأحاديث الضعيفة ۱/۲۶

بغض و نفرت صرف اور صرف اللہ کے لیے رکھیں، نعمتوں کا سوال اللہ سے کریں کسی اور سے امید نہ رکھیں نہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کریں۔

(2) جو رزق اور مال و دولت اللہ نے عطا کر رکھی ہے اس پر قناعت کرتے ہوئے اللہ کا شکر بجا لائیں، دنیوی ساز و سامان اور اس کی کشادگیوں سے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ آپ کے حق میں کر دیا ہے اس پر اپنی رضا و خوشی کا اظہار کریں، اللہ کی لکھی ہوئی تقدیر پر پختہ یقین و اعتماد رکھیں اور حصولِ رزق کے لیے غیر شرعی راہوں کو اپنانے کے بجائے اس بات پر مکمل یقین و بھروسہ رکھیں کہ اللہ نے جتنی روزی آپ کی قسمت میں لکھ رکھی ہے وہ آپ کو مل کر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ”ہم نے ان کی معیشت کو دنیوی زندگی میں ان کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔“ [الزخرف:۳۲]

(3) اعمالِ صالحہ کی ادائیگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور دینی معاملات میں منافست و مسابقت اختیار کریں یعنی اللہ کو راضی و خوش کرنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں البتہ دنیوی امور و معاملات میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش اور مسابقت و مسارعت کی روش اختیار کرنے سے بچیں۔

(4) کوئی محبوب و پسندیدہ چیز دیکھیں تو اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار دلی فرحت و مسرت کے ساتھ کرتے ہوئے ما شاء الله، سبحان الله، لا حول ولا قوة إلا بالله اور بارك الله وغیرہ جیسے کلماتِ خیر کہنے کے عادی و خوگر بنیں۔ کسی مسلمان بھائی کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھیں تو پورے انشراحِ صدر کے ساتھ اس کی سیادت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے دعائیہ کلمات سے نوازیں نیز کسی کی فلاح و کامیابی اور خود کی ناکامی کو انا کا مسئلہ نہ بنائیں، بلکہ دوسروں کی خوبیوں کا اعتراف کرنا سیکھیں۔

(5) حسد کے عبرت ناک انجام اور خطرناک پہلو پر دھیان دیتے ہوئے سوچیں کہ اگر ہم حسد کریں گے تو ہمارا کیا حال ہوگا۔ اپنے دل کی قساوت و تنگی پر توجہ دیں کہ دوسروں کے لیے اس میں کس قدر نفرت بھری ہوئی ہے یہ صرف آپ کی تکلیف کا باعث ہے۔ معاشرے میں اپنی قدر و منزلت اور عزت و حیثیت کا اندازہ لگائیں کہ حسد کی وجہ سے آپ کو کن نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اُخروی انجام کے بارے میں سوچیں کہ حسد تو ہمارے ٹوٹے پھوٹے اعمال کا بھی صفایا کردے گا پھر ہمارا انجام کیا ہوگا؟ غرض کہ حسد کا نقصان حسد کرنے والے ہی کو ہوتا ہے۔ حافظ عبد السلام بھٹوی حفظہ اللہ کہتے ہیں:

> حسد کا علاج یہ ہے کہ بندہ سوچے کہ حسد کا نقصان دین و دنیا میں حسد کرنے والے ہی کو ہے، محسود کو کوئی نقصان نہیں، نہ دنیا میں نہ دین میں، بلکہ اسے دین و دنیا میں حاسد کے حسد سے فائدہ ہی حاصل ہوتا ہے۔ دین میں فائدہ یہ ہے کہ وہ مظلوم ہے، خصوصاً جب حاسد قول یا عمل سے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے، تو قیامت کو اسے ظلم کا بدلہ ملے گا اور ظالم حاسد نیکیوں سے مفلس رہ جائے گا اور دنیاوی فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کے دشمن غم و فکر اور عذاب میں مبتلا رہیں اور حاسد جس عذاب اور مصیبت میں گرفتار ہے اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہو سکتی ہے؟ وہ ہر وقت حسد کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے اور اطمینان اور دلی سکون سے محروم ہوتا ہے۔[1]

(6) بروں کی صحبت و ہم نشینی ترک کر کے نیکوں کے ساتھ اٹھیں بیٹھیں اور ان کی مجلسوں میں شریک ہوں۔ بدگمانی سے بچیں اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگیں، بلکہ خود نیکیوں کے حریص و خوگر بنیں۔

حسد کا علاج اور حاسدین کے شر کو دفع کرنے والے اسباب

یہ تو حسد جیسی مذموم صفت کو ترک کرنے اور اس سے دوری اختیار کرنے کے وسائل ہوئے، آیئے ان عوامل و اسباب کے بارے میں جان کاری حاصل کرتے ہیں، جن کے ذریعہ ہم

[1] تفسیر القرآن الکریم جلد چہارم ص:۱۰۲۶

حاسدین کے شر و حسد کو دفع کر سکتے ہیں۔ حاسدین کے حسد اور ان کے نظرِ بد سے بچاؤ کا سب سے عمدہ ذریعہ و علاج یہ ہے کہ حاسدین کے شر و حسد اور نظرِ بد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جائے، اور اس کے لیے تعوذ کے وِرد کے ساتھ ساتھ معوذتین، سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی وغیرہ کی تلاوت کرنی چاہیے۔ اور اگر کوئی کسی کی نظرِ بد کا شکار ہو جائے تو اس پر مذکورہ قرآنی آیات اور دیگر نبوی دعائیں پڑھ کر دم کرنی چاہیے، بطور خاص درج ذیل دعا پڑھ کر اس کے اوپر دم کریں:

((بِاسْمِ اللَّهِ يُبْرِيكَ وَمِنْ كُلِّ دَاءٍ يَشْفِيكَ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ وَشَرِّ كُلِّ ذِي عَيْنٍ)) ''اللہ کے نام سے وہ آپ کو بچائے، ہر بیماری سے شفا دے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے اور ہر نظر لگانے والی آنکھ کے شر سے (آپ کو محفوظ رکھے)'' [1]

● شرعی دم کے علاوہ نظرِ بد کا ایک علاج یہ ہے کہ نظر بد لگانے والے کو وضو کا حکم دیا جائے اور اس کے وضو کے پانی سے نظر زدہ آدمی غسل کر لے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

((كَانَ يُؤْمَرُ الْعَائِنُ فَيَتَوَضَّأُ، ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ الْمَعِينُ)) ''نظر بد لگانے والے آدمی کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ وضو کرے اور پھر نظر زدہ شخص اس سے غسل کرتا۔'' [2]

● نظر بد کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ نظر بد لگانے والے سے غسل کروا کر پانی ایک برتن میں جمع کیا جائے پھر وہی پانی نظر زدہ شخص کے سر اور پشت پر ڈال دیا جائے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے لیے سیدنا عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کو غسل کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے ان کے لیے غسل کیا اور پھر پیچھے کی طرف سے ان کے سر اور پشت پر وہ پانی ڈالا گیا۔[3] اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ حکم بھی موجود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] صحیح مسلم: ۲۱۸۵ [2] سنن ابو داؤد: ۳۸۸۰، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۲۵۲۲، وضعفہ الحافظ زبیر علی الزئی

[3] مسند احمد: ۱۵۹۸۰، حدیث صحیح

((الْعَيْنُ حَقٌّ، وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ، وَإِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوا)) ترجمہ: ''نظر کا لگنا برحق ہے اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرنے والی ہوتی تو وہ نظر ہی ہوتی اور جب تم سے غسل کرنے کا مطالبہ کیا جائے تو تم غسل کرو۔'' [1]

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے حاسد کے شر کو دفع کرنے کے لیے درج ذیل دس اسباب ذکر کیے ہیں، جنھیں اپنا کر ہم حاسدین کے شر سے محفوظ رہ سکتے ہیں:

(1) حاسد کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں۔

(2) اللہ کا تقویٰ اختیار کرتے ہوئے اس کے اوامر و نواہی کا مکمل اہتمام کریں۔

(3) حاسد کے حسد پر صبر کریں اور اسے ایذا پہنچانے اور تکلیف دینے کا خیال تک ذہن میں نہ لائیں کیوں کہ صبر اور توکل علی اللہ کا ثمرہ ہمیشہ دشمن پر فتح اور کامیابی کی صورت میں ہوتا ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں، کیوں کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا ہے اللہ اسے تمام قسم کی مہمات سے بے فکر کر دیتا ہے۔

(5) اپنے دل کو حسد سے پاک رکھیں اور اپنے دل کو حاسد کے ساتھ مشغول رکھنے اور اس کے بارے میں کچھ سوچنے سے بچائیں اور اگر اس قسم کا کوئی خطرہ دل میں پیدا ہو تو اسے مٹانے کی فکر میں لگ جائیں اور اس کی طرف توجہ تک نہ دیں۔ یہ حاسد کے شر کو دفع کرنے کا زبردست علاج ہے۔

(6) اپنی توجہ کو نہایت اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے پر مرکوز رکھیں اور اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اخلاص سے اس حد تک معمور کر دیں کہ جہاں پر خواطرِ نفسانی اور وساوسِ شیطانی کا گزر ہوا کرتا تھا وہاں پر اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے لیے اخلاص اور اس کی خوش نودی کی طلب لبالب بھری ہو۔

---

[1] صحیح مسلم: ۲۱۸۸

(7) اپنے گناہوں سے توبہ کریں کیوں کہ دشمن کے مسلط ہونے کا سب سے بڑا سبب انسان کے اپنے گناہ ہوتے ہیں۔

(8) ممکن حد تک صدقہ دیں اور نیکی کریں کیوں کہ بَلا، مصیبت، نظرِ بد اور حسد کے شر کو دفع کرنے میں اس کا اثر حیرت انگیز ہوتا ہے۔ ہر دور میں لوگوں نے اس کا تجربہ کیا ہے اور یہ بات اب مسلم ہو چکی ہے کہ صدقہ دینے والے اور نیکی کرنے والے اشخاص نظرِ بد اور حسد کے شر سے محفوظ رہتے ہیں اور اگر ان کو اس سے کوئی مصیبت پہنچ بھی جائے تو اس کی عاقبت محمود ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور اس کی تائید ان کے شاملِ حال رہتی ہے۔

(9) حاسد کی آتشِ حسد کے شراروں کو اس کے ساتھ احسان کر کے بجھائیں اور جس قدر وہ ظلم و زیادتی کرے اتنا ہی اس کے ساتھ زیادہ احسان کریں اور اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کر کے ہر طرح سے اس کی اعانت کریں، مگر بہت کم خوش نصیب اور سعادت مند لوگوں کو ایسا کرنے کی توفیق ملتی ہے۔

(10) تمام ظاہری اسباب کو نظر انداز کر کے مسبب الاسباب خالق حقیقی کو نفع و ضرر کا مالک سمجھیں اور اس بات کا یقین رکھیں کہ تمام علل اور اسباب خالق تعالیٰ کے ارادے اور اس کی قدرت کے ساتھ وابستہ ہیں اور اس کی اِذن کے بغیر کچھ بھی ضرر یا نفع نہیں پہنچا سکتے یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے توحید کو خالص کریں۔ حاسد کے حسد کو دفع کرنے کا یہ سبب باقی تمام اسباب کی جامع ہے اور تمام اسباب کا دار و مدار اسی دسویں سبب پر ہے۔ [1]

مذکورہ بالا وسائل و اسباب کو بروئے کار لا کر حاسدین اور نظر بد لگانے والوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے اور ان کے شر و فتنہ کو دفع کر کے ان سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ اللہ ہمیں مذکورہ اسباب کو اپنانے کی توفیق دے اور جملہ شرور و فتن سے محفوظ رکھے۔ آمین!

[1] دیکھیے: تفسیر معوذتین ص:۱۴۹، اور اس کے بعد کے صفحات اختصار اور معمولی تبدیلی کے ساتھ۔

فصلِ چہارم: وسوسے اور ان کا علاج

وسوسہ اور الہام میں فرق

دلوں میں پیدا ہونے والے برے خیالات و احساسات کو ''وسوسہ'' کہتے ہیں۔ یہ کبھی ازخود دلوں میں ابھرتا ہے، کبھی شیطان وسوسہ انداز ہوتا ہے اور کبھی انسان انسانوں ہی کے دامِ تزویر میں گرفتار ہو جاتا ہے، جس سے اس کے اندر برے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ دلوں میں ابھرنے والے خیالات اگر نیک ہوں، اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کی طرف ابھارنے والے ہوں تو اسے وسوسہ کے بجائے ''الہام'' کہا جاتا ہے، جو اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ انسانی دل میں نیکی کے خیالات کو ابھارتا رہتا ہے۔ جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَّةً بِابْنِ آدَمَ، وَلِلْمَلَكِ لَمَّةً ؛ فَأَمَّا لَمَّةُ الشَّيْطَانِ فَإِيعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيبٌ بِالْحَقِّ، وَأَمَّا لَمَّةُ الْمَلَكِ فَإِيعَادٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيقٌ بِالْحَقِّ، فَمَنْ وَجَدَ ذَلِكَ فَلْيَعْلَمْ أَنَّهُ مِنَ اللَّهِ فَلْيَحْمَدِ اللَّهَ، وَمَنْ وَجَدَ الْأُخْرَى فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ" ثُمَّ قَرَأَ: ﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ﴾)) ترجمہ: ''ابنِ آدم پر شیطان کا اثر (وسوسہ) ہوتا ہے اور فرشتے کا بھی اثر (الہام) ہوتا ہے۔ شیطان کا اثر یہ ہے کہ انسان سے برائی کا وعدہ کرتا ہے، اور حق کو جھٹلاتا ہے۔ اور فرشتے کا اثر یہ ہے کہ وہ خیر کا وعدہ کرتا ہے، اور حق کی تصدیق کرتا ہے، تو جو شخص یہ پائے وہ جان لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور وہ اس پر اللہ کا حمد و شکر ادا کرے۔ اور جو شخص دوسرا یعنی شیطان کا اثر پائے تو چاہیے کہ وہ شیطانِ رجیم سے اللہ کی پناہ حاصل کرے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت:

﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ.....﴾ ["شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور تم لوگوں کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔" (البقرۃ:۲۶۸)] تلاوت فرمائی۔"[1]

در حقیقت نیکی اور بدی کا آغاز اسی دل سے ہوتا ہے، یعنی کسی بھی کام کے کرنے سے پہلے اس کا خیال دل میں آتا ہے۔ اگر وہ خیال برائی و بدی کا ہے تو سمجھیے کہ یہ وسوسہ ہے، گویا وسوسہ ہی ہر برائی کی جڑ ہے، یہیں سے برائیوں کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے، اسی لیے سورۂ ناس میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات کے ساتھ وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے استعاذہ کی تعلیم دی گئی ہے تاکہ جڑ ہی سے برائی کا قلع قمع کر دیا جائے۔ اور اگر وہ خیال کتاب و سنت کی رو سے کسی نیک داعیہ پر مبنی ہو تو سمجھیے کہ یہ الہام ہے۔

انسان کے ساتھ شیطان کی وسوسہ اندازی

اسی لیے ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اور ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے۔ شیطان انسان کو برائی اور اللہ کی نافرمانی کی طرف بلاتا ہے اور اس کے دل میں برے خیالات ڈالتا ہے، جب کہ فرشتہ انسان کو نیکی کی طرف بلاتا ہے، بھلائیوں کی ترغیب دیتا ہے، برائیوں سے روکتا ہے۔ آدمی کی قوتِ ایمانی ہی الہام اور شیطانی وسوسے کے درمیان تفریق کر سکتی ہے، اگر آدمی کے اندر ایمانی کمی ہے تو شیطانی وسوسہ بھی اسے الہام ہی معلوم ہوگا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِينُهُ مِنَ الْجِنِّ وَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ)) قَالُوا: وَإِيَّاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: ((وَإِيَّايَ، إِلَّا أَنَّ اللَّهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمُ، فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ)) ترجمہ: "تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک قرین (ساتھی) جنوں میں سے اور ایک قرین فرشتوں میں سے مامور کیا گیا ہے۔" صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے پوچھا:

---

[1] جامع ترمذی: ۲۹۸۸، شیخ زبیر علی زئی نے اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے (انوار الصحیفہ ص:۲۷۶)، جب کہ شیخ البانی نے پہلے اسے ضعیف قرار دیا تھا اور پھر اسے صحیح قرار دیا۔ دیکھیے: تراجع العلامہ الالبانی ۲/۳۹۶ رقم:۶۰۴

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میرے ساتھ بھی، لیکن اللہ نے اس کے خلاف میری مدد کی ہے، لہٰذا میں اس سے سلامتی میں رہتا ہوں اور وہ مجھے خیر و بھلائی ہی کا حکم دیتا ہے۔" [1]

حدیث میں وارد لفظ "فَأَسْلَمُ" کو "فَأَسْلَمَ" بھی پڑھا گیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہو گا کہ اللہ کی مدد سے آپ کا قرین مسلمان ہو گیا ہے، اس لیے وہ آپ کو صرف بھلائی کا حکم دیتا ہے۔ دونوں طرح سے پڑھنا درست ہے۔

وسوسہ ڈالنے والوں کا شر

وسوسہ ڈالنے والے شیاطینِ انس و جن کے شر کی مختلف نوعتیں ہوتی ہیں، ان کی ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو راہِ حق سے بھٹکا دیں اور وہ ہمیشہ اپنی اسی تگ و دو میں کوشاں رہتے ہیں۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ وغیرہ نے شیطانی شر کی کئی بڑی صورتی بیان کی ہیں، جس کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے حافظ عبد السلام بھٹوی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

سب سے پہلے تو وہ آدمی کو صریح کفر و شرک اور اللہ اور اس کے رسول کی بغاوت اور دشمنی پر آمادہ کرتے ہیں، اگر اس میں ناکام ہوں اور آدمی اس پر قائم رہے تو وہ اسے دوسرے شر یعنی بدعت میں پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بدعت میں مبتلا کرنا انھیں آدمی کو بڑے سے بڑے گناہ میں مبتلا کرنے سے بھی زیادہ پسند ہے، کیوں کہ یہ ایسا گناہ ہے، جسے آدمی نیکی سمجھ کر کرتا ہے۔ اگر وہ سنت پر قائم رہے تو اسے کسی نہ کسی کبیرہ گناہ سے آلودہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، خصوصاً اگر وہ دینی عالم ہو، تاکہ بدنام ہو کر دین کا کام نہ کر سکے۔ اگر اس میں بھی کامیاب نہ ہوں تو چھوٹے گناہوں کی رغبت دلاتے ہیں، تاکہ وہ انھیں معمولی سمجھ کر ان کے بوجھ تلے دب جائے۔ یہ بھی نہ کر سکیں تو نیکی کے کاموں سے ہٹا کر ان کاموں میں لگانے کی کوشش کرتے ہیں، جن میں نہ ثواب ہے نہ عذاب اور اس طرح اس کی عمر برباد کرنے کی

---

[1] صحیح مسلم: ۲۸۱۴

کوشش کرتے ہیں، اگر وہ اپنے کو بے کار کاموں میں لگانے پر کسی صورت آمادہ نہ ہو تو نیکی کے بڑے کام سے ہٹا کر چھوٹے کام میں لگانے کی کوشش کرتے ہیں، مثلاً دعوت و جہاد سے ہٹا کر نفلی نماز روزے میں لگا دیتے ہیں۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو دل میں ریا یا اپنے عمل پر غرور پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ کسی صورت ان کے قابو میں نہ آئے تو شیطان اور اس کے وہ چیلے بے شمار طریقوں سے اسے بدنام کرنے اور تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کچھ نہ ہو سکے تو اسے غصہ دلا کر فہم و شعور سے بیگانہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس وقت بھی اگر وہ اللہ کی پناہ میں چلا جائے تو ان کی تمام کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں۔[1]

بدگمانی سے بچیں اور بچائیں

شیطان انسان کے رگ و پے میں دوڑتا ہے اور وہ ہر طرح سے اسے شرور و فتن اور وسوسوں میں مبتلا کرنے کی کوشش و تاک میں لگا رہتا ہے۔ انسان کا اپنا ایمان و عقیدہ جس قدر مضبوط و پختہ ہو گا وہ اُتنا ہی شیطان سے محفوظ رہے گا۔ ساتھ ہی ایک مومن کی شان اور ذمہ داری یہ ہے کہ وہ لوگوں کے اندر اپنے متعلق پیدا ہونے والی غلط فہمی کو خود ہی دور کر دے تاکہ کوئی مسلمان اس کے متعلق وسوسے، بدگمانی اور غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ اس سلسلے میں ام المومنین سیدتنا صفیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعْتَكِفًا فَأَتَيْتُهُ أَزُورُهُ لَيْلًا، فَحَدَّثْتُهُ، ثُمَّ قُمْتُ فَانْقَلَبْتُ ، فَقَامَ مَعِي لِيَقْلِبَنِي – وَكَانَ مَسْكَنُهَا فِي دَارِ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ – فَمَرَّ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَلَمَّا رَأَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْرَعَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((عَلَى رِسْلِكُمَا ، إِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ)) فَقَالَا: سُبْحَانَ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: ((إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا سُوءًا)) أَوْ قَالَ: ((شَيْئًا))

[1] تفسیر القرآن الکریم جلد چہارم ص:۱۰۳۱

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے تو میں ایک رات آپ کی زیارت کے لیے آئی، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کیں، پھر جب واپس ہونے کے لیے کھڑی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مجھے چھوڑ آنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ - ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا مسکن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے مکان میں تھا۔ - راستے میں دو انصاریوں کا گزر ہوا، جب ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو جلدی جلدی چلنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ”ذرا ٹھہر جاؤ جلدی نہ کرو، یہ صفیہ بنت حیی ہیں“ دونوں نے عرض کیا: سبحان اللہ! یا رسول اللہ! (یعنی ہم بھلا آپ کے بارے میں کوئی شبہ کرسکتے ہیں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان انسان (کے بدن) میں خون کے دوڑنے کی طرح گردش کرتا ہے، اس لیے مجھے ڈر لگا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں بھی کوئی برا خیال نہ ڈال دے۔“ (یا آپ نے ”سُوءًا“ کے بجائے ”شَيْئًا“ فرمایا۔ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے)[1]

معلوم ہوا کہ وسوسہ ایک شیطانی حربہ ہے، جسے شیطان انسانوں کو راہِ حق سے بھٹکانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ جب شیطان اللہ کے کسی بندے کو بہکانے اور گمراہ کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو وہ وسوسہ اندازی کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی نے اسے یہ قدرت دے رکھی ہے۔ چناں چہ شیطان شکوک و شبہات میں مبتلا متردد و بے اعتماد اور ضعیف العقیدہ شخص کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے انھیں گمراہ کرتا ہے اور جو لوگ اپنے رب پر ایمان رکھتے ہوئے اس پر توکل و بھروسہ کرتے ہیں ان پر شیطان کا یہ زور نہیں چلتا ہے، بلکہ شیطان کا زور و تسلط انھیں لوگوں پر چلتا ہے، جو اسے اپنا ولی و سرپرست اور دوست بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّهُۥ لَيۡسَ لَهُۥ سُلۡطَٰنٌ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَلَىٰ رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُونَ ۝٩٩ إِنَّمَا سُلۡطَٰنُهُۥ عَلَى ٱلَّذِينَ يَتَوَلَّوۡنَهُۥ وَٱلَّذِينَ هُم بِهِۦ مُشۡرِكُونَ ۝١٠٠﴾ ترجمہ: ”بے

[1] صحیح بخاری: ۳۲۸۱، صحیح مسلم: ۲۱۷۵

شک اس (یعنی شیطان) کا زور ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان لائے ہیں اور اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا زور تو صرف انھیں لوگوں پر چلتا ہے جو لوگ اسے اپنا سرپرست بناتے ہیں اور ایسے ہی لوگ اسے اللہ کا شریک بناتے ہیں۔" [النحل:۹۹ - ۱۰۰]

قابلِ معافی وسوسہ

کبھی کبھی بلا ارادہ و اختیار شیطان کی طرف سے یا خود اپنے نفس کی طرف سے از خود دل میں وسوسہ پیدا ہوتا ہے، انسان اس پر بے قابو ہوتا ہے اور اس کا ارادہ و اختیار اس میں شامل نہیں ہوتا ہے۔ اس طرح کا وسوسہ شریعتِ اسلامیہ کے ساتھ ساتھ دیگر تمام شریعتوں میں قابلِ معافی ہے اور دل میں پیدا ہونے والے اس طرح کے وسوسے قابل مواخذہ نہیں ہیں، بشرطیکہ آدمی اسے عملی جامہ نہ پہنائے، کیوں کہ انسان اس طرح کے وسوسوں کو دل میں آنے سے روک نہیں سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا ٱكْتَسَبَتْ ۗ﴾ ترجمہ: "اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا، جو نیکی وہ کرے گا وہ اسی کے لیے ہے اور جو برائی وہ کرے گا اس کا وبال اسی پر ہے۔" [البقرۃ:۲۸۶]

وسوسے کی ایک قسم وہ ہوتی ہے، جو خود کی اُپج ہوتی ہے، انسان اپنے ذاتی ارادے کے تحت دل میں برائی کا تصور پیدا کرتا ہے اور اس سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اس کا خیالی پلاؤ بناتا رہتا ہے۔ اس طرح کا وسوسہ بھی اسلامی شریعت میں اس وقت تک قابلِ معافی ہے، جب تک کہ وہ عملی صورت نہ اختیار کرلے، خواہ زبان کے ذریعہ وہ عمل میں آئے یا جسم کے کسی اور عضو کے ذریعہ اسے عمل میں لایا جائے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا، مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ))

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے میری امت کے سینوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو معاف کر دیا ہے، جب تک وہ ان پر عمل نہ کریں یا زبان پر نہ لے آئیں۔“ [1]

قابل مواخذہ وسوسہ

دلوں میں پیدا ہونے والے ایسے وسوسے، جن کا تعلق اعمالِ جوارح وغیرہ سے ہو، مثلاً زنا چوری وغیرہ، اگر وہ عزمِ مصمم اور پختہ ارادے میں تبدیل ہو جائیں، مگر انسان انھیں عملی جامہ نہ پہنائے اور اپنی زبان پر بھی نہ لائے تو کچھ اہلِ علم کے نزدیک وہ بھی قابلِ معافی ہے اور اس پر کوئی مواخذہ و گرفت نہیں ہو گا، ان کی دلیل سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وسوسہ اس وقت تک نا قابلِ مواخذہ ہے، جب تک کہ اسے عملی شکل نہ دی جائے، اگرچہ وہ عزم مصمم اور پختہ ارادہ میں داخل ہو جائے۔ جب کہ جمہور اور بیشتر اہلِ علم کے نزدیک اس طرح کے وسوسہ پر اگر عزمِ مصمم کر لیا جائے تو وہ قابلِ گرفت ہے۔ علامہ عبید اللہ رحمانی مبارک پوری رحمہ اللہ وغیرہ نے اسی موقف کو راجح قرار دیا ہے۔[2] اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے لی گئی ہے:

﴿وَلَٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ﴾ ترجمہ: ”لیکن وہ (اللہ) تمھاری گرفت کرے گا اس چیز پر جو کچھ تمھارے دلوں نے کیا ہے“ [البقرۃ:۲۲۵] یعنی جو کچھ تم نے سچے دل کے ساتھ کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر تمھارا مواخذہ کرے گا۔

نیز سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ بالا حدیثِ نبوی کے متعلق یہ بات کہی گئی ہے کہ اس میں مذکور قابلِ معافی وسوسہ کو ان وسوسوں پر محمول کیا جائے، جو دلوں میں آئیں اور چلے جائیں، لیکن اگر وہ دل میں گھر کر جائیں اور آدمی انھیں دل سے جھٹکنے اور ان سے باز آنے کے بجائے انھیں انجام دینے پر عزم بالجزم کر لے تو یہ قابلِ گرفت ہے۔

[1] صحیح بخاری:۲۵۲۸ واللفظ لہ، صحیح مسلم: ۱۲۷ [2] مرعاۃ المفاتیح ۱/ ۱۴۲

ارادۂ بد سے رکنے پر بھی نیکی

اسی طرح برے وسوسوں پر عزمِ مصمم اور پختہ ارادہ کر لینے کے بعد اگر انھیں اللہ تعالیٰ کے خوف و ڈر کی وجہ سے ترک کر دیا جائے اور عمل میں نہ لایا جائے تو اس پر نیکی بھی ملے گی۔ إن شاء اللہ۔ جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث قدسی میں فرماتے ہیں:

((إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ، ثُمَّ بَيَّنَ ذَلِكَ فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا، كَتَبَهَا اللَّهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللَّهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا، كَتَبَهَا اللَّهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللَّهُ لَهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً)) ترجمہ: ”بے شک اللہ نے نیکیوں اور برائیوں کو لکھ دیا ہے، پھر انھیں واضح طور پر بیان کر دیا ہے، پس جس کسی نے نیکی کا اردہ کیا، لیکن اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ نے اسے اس کے لیے اپنے پاس ایک پوری نیکی لکھ دی۔ اور اگر نیکی کا اردہ کیا اور اس پر عمل بھی کر لیا تو اللہ نے اس کے لیے اسے اپنے یہاں دس گنا سے سات سو گنا تک یا اس سے زیادہ گنا تک نیکیاں لکھ لیا۔ اور جس کسی نے کسی برائی کا اردہ کیا اور اس کا ارتکاب نہیں کیا تو اللہ نے اس کے لیے اسے ایک پوری نیکی لکھ دی، اور اگر اس نے برائی کا اردہ کیا اور اس پر عمل بھی کر لیا تو اللہ نے اسے اس کے لیے ایک برائی لکھ دی۔“ [1]

اعمالِ قلوب سے متعلق وسوسہ کا حکم

لیکن اگر وسوسے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت وغیرہ کے بارے میں شک و شبہ سے ہے اور انسان اسے اپنے دل میں بٹھا کر اس کا پختہ عزم و ارادہ بھی کر لے اور اس سے باز نہ آئے تو یہ کفر میں داخل ہے اور قابلِ گرفت جرم

[1] صحیح بخاری: ٦٤٩١، صحیح مسلم: ١٣١

ہے، کیوں کہ ان امور کا تعلق اعمالِ قلب سے ہے۔ اور اگر اس عزم بالجزم وسوسے کا تعلق ان اعمالِ قلوب سے ہے، جو کفر کا باعث نہیں ہیں مثلاً کبر و گھمنڈ، ریا و نمود اور فخر و مباہات وغیرہ تو یہ کفر میں تو نہیں داخل ہے، مگر معصیت کے درجہ میں ضرور ہے اور ایسا شخص گناہ گار ہو گا۔ کیوں کہ ان اعمال کا تعلق قلوب سے ہے اور اس کا عزم اور پختہ ارادہ کر لینے کی وجہ سے وہ عملی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جیسا کہ اوپر منقول سورہ بقرہ کی آیتِ کریمہ [۲۲۵] سے بھی یہ مستفاد ہوتا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلْأَرْضِ ۗ وَإِن تُبْدُوا۟ مَا فِىٓ أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ ٱللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ ۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٨٤﴾﴾ ترجمہ: ”اللہ ہی کے لیے ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے اسے ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ اللہ اس پر تمھارا محاسبہ کرے گا، پھر جسے چاہے بخش دے گا اور جسے چاہے عذاب دے گا، اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔“ [البقرۃ: ۲۸۴]

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر یہ بہت گراں گزری، اس لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں ایسے اعمال کا مکلف بنایا گیا تھا، جو ہماری طاقت میں ہیں: نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ، اور آپ پر یہ آیت اتاری گئی ہے، جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اسی طرح کی بات کہنا چاہتے ہو، جس طرح تم سے پہلے دونوں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) نے کہی تھی کہ: ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی؟ بلکہ تم لوگ کہو:

((سَمِعْنَا، وَأَطَعْنَا، غُفْرَانَكَ رَبَّنَا، وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ)) ’’ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اے ہمارے رب! تیری بخشش کے طلب گار ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔‘‘

صحابہ کرام نے کہا: ’’ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اے ہمارے رب! تیری بخشش کے طلب گار ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔‘‘

جب لوگوں نے اس بات کا اقرار کرلیا اور ان کی زبانیں اس کے تابع ہو گئیں تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی:

﴿ءَامَنَ ٱلرَّسُولُ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيۡهِ مِن رَّبِّهِۦ وَٱلۡمُؤۡمِنُونَۚ كُلٌّ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِۦ وَكُتُبِهِۦ وَرُسُلِهِۦ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ أَحَدٖ مِّن رُّسُلِهِۦۚ وَقَالُواْ سَمِعۡنَا وَأَطَعۡنَاۖ غُفۡرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيۡكَ ٱلۡمَصِيرُ ﴿٢٨٥﴾﴾ ترجمہ: ’’رسول اس پر ایمان لایا، جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل کی گئی، اور مومنین بھی ایمان لائے، یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں:) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کو دوسرے سے الگ نہیں کرتے۔ اور ان لوگوں نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اے ہمارے رب! تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔‘‘ [البقرۃ: ۲۸۵]

جب صحابہ کرام نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُس حکم کو منسوخ کر دیا اور یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفۡسًا إِلَّا وُسۡعَهَاۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَعَلَيۡهَا مَا ٱكۡتَسَبَتۡۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَآ إِن نَّسِينَآ أَوۡ أَخۡطَأۡنَاۚ﴾ قَالَ: نَعَمْ. ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَيۡنَآ إِصۡرٗا كَمَا حَمَلۡتَهُۥ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِنَاۚ﴾ قَالَ: نَعَمْ. ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِۦۖ﴾ قَالَ: نَعَمْ. ﴿وَٱعۡفُ عَنَّا وَٱغۡفِرۡ لَنَا وَٱرۡحَمۡنَآۚ أَنتَ مَوۡلَىٰنَا فَٱنصُرۡنَا عَلَى ٱلۡقَوۡمِ ٱلۡكَٰفِرِينَ﴾ [البقرۃ:۲۸۶] قَالَ: نَعَمْ.

ترجمہ: ’’اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا، جو نیکی وہ کرے گا وہ اسی کے لیے ہے اور جو برائی وہ کرے گا اس کا وبال اسی پر ہے۔ اے ہمارے رب! ہم سے جو بھول یا خطا ہو گئی ہو اس پر ہمارا مواخذہ نہ کرنا۔‘‘ (اللہ نے فرمایا: ہاں) ’’اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالنا جیسا بوجھ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔‘‘ (اللہ نے فرمایا: ہاں) ’’اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال، جس کی ہمارے اندر سکت نہیں۔‘‘ (اللہ نے فرمایا: ہاں) ’’ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا مالک ہے، سو کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔‘‘ (اللہ نے فرمایا: ہاں) [1]

اوپر سورۂ بقرہ کی آیتِ کریمہ میں جو یہ بات کہی گئی ہے کہ دلی اعمال پر محاسبہ کیا جائے گا تو اس سے اختیاری وسوسے مراد ہیں یعنی دل کے وہ اعمال و خیالاتِ فاسدہ، جنہیں انسان دل میں اپنے ارادہ و اختیار سے جگہ دیتا ہو اور جن کا وہ پختہ ارادہ کر لے مثلاً ایمان، کفر، کسی نیکی یا بدی کا عزم اور پختہ ارادہ، مثلاً ایک شخص دل میں کفر رکھتا ہے، یا چوری اور زنا کا عزم رکھتا ہے، مگر اسے کفر کے اظہار کا یا چوری و زنا پر عمل کا موقع نہیں ملتا تو اس پر محاسبہ ضرور ہو گا۔ اور جو خیالات اور وسوسے انسان کی طاقت و اختیار سے باہر ہیں اور خود بخود آتے جاتے رہتے ہیں، اگر آدمی ان کو اپنے دل میں جگہ نہ دے تو ان پر محاسبہ نہیں ہو گا، جیسا کہ اوپر مذکور سورۂ بقرہ ہی کی آخری آیتِ کریمہ سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے، لہٰذا آیتِ کریمہ کا مفہوم یہ ہو گا کہ انسان اپنے اختیار سے یعنی جان بوجھ کر غلط عقائد اپنے دل میں باندھ رکھے یا معاصی و ذنوب کا پختہ ارادہ کر لے تو ان وساوسِ قلبیہ پر اس کا محاسبہ ہو گا۔ نیز اوپر کی روایت میں منسوخ ہونے کی جو بات کہی گئی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ پہلی آیت میں جو ابہام تھا دوسری آیتِ کریمہ میں اس کی وضاحت فرما دی گئی۔ جیسا کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ’’صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نسخ کا لفظ وضاحت کے معنیٰ میں بھی استعمال کرتے ہیں۔‘‘ [2]

---

[1] صحیح مسلم: ۱۲۵، مسند احمد رقم: ۹۳۴۴

[2] دیکھئے: تفسیر القرآن الکریم جلد اول ص: ۲۳۵

وسوسے سے نفرت ایمان کی نشانی

مومن کے دلوں میں وسوسوں کا آنا کوئی معیوب بات نہیں ہے، بس ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی سنگینی کو سمجھا جائے اور اسے زبان پر بھی لانے کو بڑا گناہ سمجھا جائے، کیوں کہ شیطان انھیں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، جن پر اس کا زور نہیں چلتا ہے ورنہ وہ تو کافروں اور گناہوں میں ڈوبے لوگوں کو جس طرح چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔

دلوں میں پیدا ہونے والے برے وسوسوں سے نفرت کرتے ہوئے اس سے باز آجانا اور اسے عمل میں نہ لانا خالص ایمان کی نشانی ہے، اور یہی وصف ایک مومن شخص سے مطلوب بھی ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

((يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ أَحَدَنَا يَجِدُ فِي نَفْسِهِ - يُعَرِّضُ بِالشَّيْءِ - لَأَنْ يَكُونَ حُمَمَةً أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ. فَقَالَ: اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي رَدَّ كَيْدَهُ إِلَى الْوَسْوَسَةِ))

ترجمہ: ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے کسی کے دل میں ایسا وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اسے زبان پر لانے کے بجائے جل کر کوئلہ بن جانا پسند کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ کے لیے ہے، جس نے شیطان کے مکر کو وسوسے کی طرف پھیر دیا۔“ [1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھا:

((إِنَّا نَجِدُ فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ. قَالَ: وَقَدْ وَجَدْتُمُوهُ؟ قَالُوا: نَعَمْ. قَالَ: ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ))

---

[1] سنن ابو داؤد: ۵۱۱۲، صححہ الالبانی رحمہ اللہ

ترجمہ: ''ہم اپنے دلوں میں ایسی چیزیں پاتے ہیں، جسے ہم میں سے کوئی بھی اپنی زبان پر لانا سنگین سمجھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا تم لوگوں نے حقیقت میں ایسا ہی محسوس کیا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ صریح ایمان ہے۔'' [1]

یعنی دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں پر یقین و اعتماد رکھنے کے بجائے اسے زبان پر لانے کو ہی بہت بڑا سنگین جرم سمجھنا اور اس کی ہلاکت و سنگینی سے خوف کھانا صریح ایمان کی دلیل اور نشانی ہے۔ کیوں کہ اس طرح کا تصور ایسے ہی شخص سے ہو گا، جس کا ایمان و عقیدہ مکمل و مستحکم ہو گا اور شکوک و شبہات اس سے ورے ہوں گے۔

اللہ کے بارے میں وسوسہ

انسان کے سینوں میں وسوسے کا پنپنا اور اس کا دل میں جم جانا ایک بہت بڑی آفت و مصیبت ہے۔ اگر انسان اس پر بند نہ لگائے اور مسلسل خیالات ہی میں ڈوبا رہے تو یہ ایک بڑی بیماری کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ اس سے انسان خود اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال سے متعلق مختلف واہموں کا شکار ہو جاتا ہے، بیماریوں کی دہشت سے خوف زدہ رہتا ہے اور بیماریوں سے متعلق توہم پرستی میں مبتلا رہتا ہے، کبھی اسے خود اپنی بیوی کی پاک دامنی سے خوف دامن گیر ہوتی ہے۔ طہارت و نماز سے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ عقیدہ سے متعلق بھی وسوسہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، ذہن میں مختلف طرح کے سوالات ابھرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ اس کی ہیئت کیسی ہے؟ وہ کس طرح پیدا ہوا؟ جب کہ ہمیں اللہ کی ذات اور اس کی ہیئت کے بارے میں بحث و کرید کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ ضلالت و گمراہی کا ذریعہ ہے، اگر اس طرح کا خیال دل میں آئے تو اسے فوراً جھٹک کر اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے اور شیطان کی پیروی سے باز آ جانا

[1] صحیح مسلم: ۱۳۲

چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و قوت اور اس کی وحدانیت کو سمجھنے اور جاننے کے لیے ہمیں اللہ کی مخلوقات میں غور کرنا چاہیے اور اسی کا ہمیں حکم بھی دیا گیا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تَفَكَّرُوا فِي خَلْقِ اللهِ، وَلَا تَفَكَّرُوا فِي اللهِ)) ”تم لوگ اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کرو، اور اللہ کے بارے میں غور و فکر نہ کرو۔“ [1]

وسوسے کا علاج

- **اس طرح کے واہموں، شکوک و شبہات اور وسوسوں سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اس طرح کے وسوسوں پر کوئی توجہ نہ دے، انھیں اپنے ذہن و دماغ سے دور بھگائے، اپنا قوتِ ارادی مضبوط و مستحکم بنائے، اپنے ایمان و عقیدے کو مضبوط رکھتے ہوئے اللہ رب العالمین کی ذات پر توکل و اعتماد رکھے اور اس کی پناہ طلب کرے یعنی** (اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم) **پڑھے اور شیطانی خیال کو چھوڑ دے۔ اسی طرح** (آمَنْتُ بِاللَّهِ وَ رُسُلِهِ) **کا ورد کرتے ہوئے** (اللَّهُ أَحَدٌ، اللَّهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ) **پڑھے اور اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھتکار دے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے۔**

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُولُ: مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ حَتَّى يَقُولَ: مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ؟ فَإِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَلْيَنْتَهِ))

ترجمہ: ”تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے: ایسا کس نے پیدا کیا؟ ایسا کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ وہ کہتا ہے: تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب وسوسہ یہاں تک پہنچ جائے تو اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے اور اس خیال سے رک جانا چاہیے۔“ [2]

---

[1] السراج المنیر فی ترتیب احادیث صحیح الجامع الصغیر ۱/۷۶، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، رقم: ۱۷۸۸

[2] صحیح بخاری: ۳۲۷۶، صحیح مسلم: ۱۳۴

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يُقَالَ: هَذَا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ، فَمَنْ خَلَقَ اللَّهَ؟ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا، فَلْيَقُلْ: آمَنْتُ بِاللَّهِ وَ رُسُلِهِ)) ترجمہ: ”لوگ ایک دوسرے سے برابر سوال کرتے رہیں گے، حتیٰ کہ کہا جائے گا: اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ لہٰذا جو کوئی یہ وسوسہ محسوس کرے تو چاہیے کہ وہ کہے: میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔“ [1]

یہی روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بایں الفاظ مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ أَحَدَكُمْ يَأْتِيهِ الشَّيْطَانُ، فَيَقُولُ: مَنْ خَلَقَكَ؟ فَيَقُولُ: اللَّهُ، فَيَقُولُ: فَمَنْ خَلَقَ اللَّهَ؟ فَإِذَا وَجَدَ ذَلِكَ أَحَدُكُمْ، فَلْيَقْرَأْ: آمَنْتُ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ؛ فَإِنَّ ذَلِكَ يُذْهِبُ عَنْهُ)) ترجمہ: ”تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے: تجھے کس نے پیدا کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: اللہ نے۔ پھر وہ کہتا ہے: اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ اگر تم میں سے کسی کو یہ وسوسہ محسوس ہو تو چاہیے کہ وہ یہ پڑھے: ”میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا“۔ اس کے پڑھنے کی وجہ سے وہ وسوسہ ختم ہو جائے گا۔“ [2]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يُقَالَ: هَذَا خَلَقَ اللَّهُ الْخَلْقَ، فَمَنْ خَلَقَ اللَّهَ؟ فَإِذَا قَالُوا ذَلِكَ فَقُولُوا: {اللَّهُ أَحَدٌ} {اللَّهُ الصَّمَدُ} {لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ} {وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ}. ثُمَّ لْيَتْفُلْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثًا، وَلْيَسْتَعِذْ مِنَ الشَّيْطَانِ)) ترجمہ: ”لوگ ایک دوسرے سے برابر سوال کرتے رہیں گے، حتیٰ کہ کہا جائے گا: اللہ نے مخلوق کو پیدا

[1] صحیح مسلم: ۱۳۴

[2] مسند احمد: ۲۶۲۰۳، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۱۱۶

کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ پھر جب لوگ ایسا کہیں تو کہو: اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے، اور اس کا کوئی ہم سر و شریک نہیں۔ پھر چاہیے کہ وہ اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھتکار دے اور شیطان سے (اللہ کی) پناہ مانگے۔" [1]

علامہ البانی رحمہ اللہ وسوسہ سے متعلق احادیث پر گفتگو کرنے کے بعد بطور فقہ الحدیث لکھتے ہیں:

"یہ صحیح احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس کسی کو "اللہ کو کس نے پیدا کیا؟" جیسا شیطانی وسوسہ لاحق ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بحث و کرید اور کٹ حجتی سے رک جائے اور اس کا جواب ڈھونڈھنے کے بجائے مذکورہ احادیث میں بیان کردہ اذکار کا اہتمام کرے۔ احادیث میں مذکور اذکار کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ کہے:

((آمَنْتُ بِاللَّهِ وَ رُسُلِهِ، اللَّهُ أَحَدٌ، اللَّهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ))، **پھر بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار دے اور شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرے یعنی (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) پڑھے۔ اور وسوسہ میں منہمک ہونے سے باز آجائے۔**

مجھے پختہ یقین ہے کہ جو کوئی خلوص و للّٰہیت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہوئے ان امور کو انجام دے گا، ضروری ہے کہ اس سے اس طرح کا وسوسہ دور ہو جائے گا۔ اور اس نبوی فرمان: ((فَإِنَّ ذَلِكَ يُذْهِبُ عَنْهُ)) کے پیش نظر شیطان اس سے دھتکار دیا جائے گا۔ اس مسئلے میں عقلی کٹ حجتی و دلائل کے بالمقابل یہ پاکیزہ نبوی تعلیم انتہائی نفع بخش اور وسوسہ کو نابود کرنے والی ہے۔ کیوں کہ اس طرح کے معاملات میں عقلی دلائل و کٹ حجتی کا فائدہ بہت کم ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ

[1] سنن ابو داؤد: ۴۷۲۲، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ رقم: ۱۱۸

بیش تر لوگ اس پاکیزہ نبوی تعلیم سے غافل ہیں۔ لہٰذا اے مسلمانو! آپ سبھی متنبہ ہو جائیں، اپنے نبی کی سنت کو پہچانیں اور اس پر عمل پیرا ہوں، اس لیے کہ اسی میں آپ کی شفا اور عزت و سربلندی ہے۔“ [1]

شیطانی وسوسوں سے بچنے کے لیے شیطانِ رجیم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی صرف زبان سے تعوذ کے کلمات پڑھ لے اور یہ اس کے لیے کافی ہو گی، بلکہ ضروری ہے کہ صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں اور عملی طور پر اس کا اظہار بھی ہو کہ شیطان کی اتباع و پیروی سے رک جائیں۔

● **اسی طرح دیگر قلبی وسوسوں سے بچنے اور انھیں دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بندہ بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور قرآن کریم کی تلاوت کرے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے اور اللہ کے ذکر سے روگردانی کرنے سے انسان کی زندگی تنگ کر دی جاتی ہے اور اس کے اوپر شیطان کو مسلط کر دیا جاتا ہے، اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت مومنین کے لیے شفا و رحمت کا باعث ہے اور اس کی وجہ سے دلوں کی بیماریاں اور شکوک و شبہات کافور ہو جاتے ہیں۔** جیسا کی اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَتَطۡمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكۡرِ ٱللَّهِۗ أَلَا بِذِكۡرِ ٱللَّهِ تَطۡمَئِنُّ ٱلۡقُلُوبُ ٢٨﴾ ترجمہ: ”جو لوگ ایمان لائے اور جن کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمنان نصیب ہوتا ہے، سن لو! اللہ کی یاد سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔“ [الرعد:۲۸]

﴿وَمَنۡ أَعۡرَضَ عَن ذِكۡرِي فَإِنَّ لَهُۥ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحۡشُرُهُۥ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ أَعۡمَىٰ ١٢٤﴾ ترجمہ: ”اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا تو بے شک اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا بنا کر اٹھائیں گے۔“ [طٰہٰ:۱۲۴]

---

[1] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ج ا ص:۲۳۶

﴿وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ ٱلرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُۥ شَيْطَٰنًا فَهُوَ لَهُۥ قَرِينٌ ٣٦﴾

ترجمہ: ”جو کوئی رحمان کے ذکر سے روگردانی کرتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، جو اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔“ [الزخرف:۳۶]

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ ٱلْقُرْءَانِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ ٱلظَّٰلِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ٨٢﴾ ترجمہ: ”اور ہم قرآن میں جو کچھ نازل کر رہے ہیں وہ مومنوں کے لیے تو شفا اور رحمت ہے، مگر ظالموں کے حق میں خسارہ ہی میں اضافہ کرتا ہے۔“ [الاسراء:۸۲]

- **دلوں میں جب کوئی وسوسہ پیدا ہو تو بطور خاص یہ آیتِ کریمہ: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ پڑھنا بھی مفید ہے۔** جیسا کہ ابو زُمیل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ:

(مَا شَيْءٌ أَجِدُهُ فِي صَدْرِي؟ قَالَ: مَا هُوَ؟ قُلْتُ؟ وَاللَّهِ مَا أَتَكَلَّمُ بِهِ، قَالَ: فَقَالَ لِي: أَشَيْءٌ مِنْ شَكٍّ؟، قَالَ: وَضَحِكَ، قَالَ: مَا نَجَا مِنْ ذَلِكَ أَحَدٌ، قَالَ: حَتَّى أَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ الآية. قال: فَقَالَ لي: إِذَا وَجَدْتَ فِي نَفْسِكَ شَيْئًا، فَقُلْ: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾)

”میں اپنے سینے میں کیسی باتیں پا رہا ہوں؟ انھوں نے کہا: وہ کیا؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ تو انھوں نے مجھ سے کہا: کیا کوئی شک کی بات ہے؟ وہ یہ کہہ کر ہنسے اور بولے: اس سے تو کوئی نہیں بچا ہے، یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ.....﴾ ”اگر تجھے اس (کتاب) میں شک ہے، جو ہم نے تجھ پر اتارا ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لے، جو پہلے سے کتاب پڑھ رہے ہیں“ [یونس:۹۴] پھر انھوں نے مجھ سے کہا: جب تم اپنے دل میں اس طرح کی کوئی چیز پاؤ تو یہ [آیتِ کریمہ]: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾

”وہی اول ہے اور وہی آخر بھی، وہی ظاہر ہے اور وہی باطن بھی، اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔“ [الحدید:۳] پڑھ لیا کرو۔“ [1]

- **شیطانی وسوسوں سے بچنے کے لیے خلوت و تنہائی سے بچنا چاہیے اور بروں کی صحبت سے اجتناب کرتے ہوئے نیکوکاروں کی صحبت و ہم نشینی اختیار کرنی چاہیے اور اپنے آپ کو کسی نیک عمل میں مشغول رکھنا چاہیے، کیوں کہ جب انسان تنہائی میں ہوتا ہے تو بلاضرورت مختلف طرح کے شبہات و تفکرات میں مبتلا رہتا ہے اور بروں کی صحبت اس کے دین و ایمان اور سوچ و فکر کو متاثر کرتی ہیں۔** سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ)) ترجمہ: ”آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، اس لیے تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔“ [2]

- نماز جو کہ مومنوں کے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی راحت و سکون کا باعث ہے۔ شیطان اس نماز میں بھی وسوسہ ڈالتا ہے، رکعات کی تعداد اور قرآن کریم کی تلاوت وغیرہ میں التباس پیدا کرتا ہے، اور ایسی ایسی باتیں یاد دلاتا ہے، جو نمازی کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ ضُرَاطٌ، حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ، فَإِذَا قَضَى النِّدَاءَ أَقْبَلَ، حَتَّى إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ، حَتَّى إِذَا قَضَى التَّثْوِيبَ أَقْبَلَ حَتَّى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ، يَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا، اذْكُرْ كَذَا لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ، حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى)) ترجمہ: ”جب نماز کے کے لیے اذان

[1] سنن ابو داؤد: ۵۱۱۰، حسن الاسناد [2] تقدم تخریجہ

دی جاتی ہے تو شیطان ہوا خارج کرتے ہوئے بڑی تیزی کے ساتھ پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے، تاکہ اذان کی آواز نہ سن سکے۔ اور جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پھر واپس آ جاتا ہے، اور جب نماز کے لیے تکبیر کہی جاتی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے۔ پھر جب تکبیر ختم ہو جاتی ہے تو وہ واپس آکر آدمی اور اس کے نفس کے بیچ وسوسہ اندازی کرنے لگتا ہے۔ وہ کہتا ہے: فلاں بات یاد کرو، فلاں بات یاد کرو، اور اس طرح ایسی باتیں یاد دلاتا ہے، جو انسان کو یاد نہیں رہتی ہیں۔ حتی کہ اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔" [1]

اس طرح کے وسوسوں سے بچنے کے لیے بندۂ مومن کو چاہیے کہ وہ مکمل توجہ وانہماک اور پورے خلوص وجذبے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اللہ سے اپنا رشتہ مضبوط بنائے اور یہ تصور کرے کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اپنے ذہن و دماغ سے ان وساوس کو دور بھگائے، اور تعوذ پڑھ کر اپنی بائیں جانب تین دفعہ تھتکار دے۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا:

(يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ حَالَ بَيْنِي وَبَيْنَ صَلَاتِي وَقِرَاءَتِي، يَلْبِسُهَا عَلَيَّ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((ذَاكَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهُ: خِنْزَبٌ، فَإِذَا أَحْسَسْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنْهُ، وَاتْفُلْ عَلَى يَسَارِكَ ثَلَاثًا)) قَالَ: فَفَعَلْتُ ذَلِكَ، فَأَذْهَبَهُ اللَّهُ عَنِّي)

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! شیطان میری نماز اور قرأتِ قرآن کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور مجھے قرآن بھلا دیتا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ شیطان ہے، جس کا نام خِنزَب ہے۔ جب تمھیں اس کے وسوسے کا احساس ہو تو اس سے اللہ کی پناہ مانگو اور اپنی بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار دو۔"

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مجھ سے دور بھگا دیا۔ [2]

[1] صحیح بخاری:۶۰۸، صحیح مسلم:۳۸۹

[2] صحیح مسلم:۲۲۰۳، مسند احمد:۱۷۸۹۷

● **شیطانی وساوس سے بچنے کے لیے پورے خلوص و انہماک اور انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا و التجا کی جائے وہ ضرور ہماری پکار کو سنے گا اور اپنے فضل و کرم سے شیطانی وسوسوں اور دیگر مصائب و آلام کو ہم سے دور فرمادے گا۔ بطور خاص شیطان سے بچاؤ اور استعاذہ پر مشتمل دعاؤں نیز کرب و الم اور دکھ و تکلیف کو دور کرنے والی نبوی دعاؤں کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔** سطور ذیل میں رنج و غم کو دور کرنے والی چند دعائیں لکھی جا رہی ہیں:

1 سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پریشانی کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

((لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ)) ”اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، جو عظمت والا بردبار ہے، کوئی سچا معبود نہیں سوائے اللہ کے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، اور عرشِ عظیم کا رب ہے۔“[1]

2 سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا میں تمھیں ایسے کلمات نہ بتاؤں، جنھیں تم مصیبت کے وقت پڑھا کرو؟ (وہ کلمات یہ ہیں :)

((اللَّهُ، اللَّهُ رَبِّي، لَا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا)) ”اللہ، اللہ میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔“ [2]

3 سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پریشان حال غمزدہ شخص کی یہ دعا ہے:

((اللَّهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو، فَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَأَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ)) ترجمہ: ”اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں، تو مجھے لحہ

[1] صحیح بخاری: ۶۳۴۵، صحیح مسلم: ۲۷۳۰

[2] سنن ابوداؤد: ۱۵۲۵، سنن ابن ماجہ: ۳۸۸۲، صحیح، تراجع العلامہ الالبانی ۱/ ۱۹۲ رقم: ۱۱۹

بھر کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر، اور میرے سبھی کاموں کو درست فرمادے، تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔“ [1]

● **شیطانی وسوسوں سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ مشتبہ امور و معاملات سے اجتناب کریں، جن معاملات کی حلت و حرمت کا قطعی علم نہ ہو، ان سے گریز کریں، حلت و حرمت کی پروا کیے بغیر کسی معاملے کو انجام نہ دیں، جن امور کی انجام دہی سے ممنوع و حرام کاموں میں ملوث ہونے کا اندیشہ ہو، ان سے بھی پرہیز کریں اور دل کو ہر طرح کی آلودگی سے پاک و صاف رکھیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے دل کو اس کے دینِ حق پر ثابت رکھنے کی یہ دعا: (يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ، ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ) کرتے رہیں۔** سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْحَلَالُ بَيِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا إِنَّ حِمَى اللَّهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ))

ترجمہ: ”حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے بیچ کچھ شبہ والی چیزیں ہیں، جنھیں بہت سے لوگ نہیں جانتے ہیں۔ جو کوئی شبہ والی چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا اور جو کوئی ان مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہو گیا اس کی مثال اس چرواہے جیسی ہے، جو چراگاہ کے ارد گرد بکریوں کو چرائے تو قریب ہے کہ اس میں واقع ہو جائے گا۔ خبردار! ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے، خبردار! اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ سن لو! جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے،

[1] سنن ابوداوٗد: ۵۰۹۰، مسند احمد: ۲۰۴۳۰، شیخ زبیر علی زئی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے (انوار الصحیفة ص: ۱۷۶) جب کہ شیخ البانی نے اسے حسن الاسناد قرار دیا ہے۔ دیکھیے: الکلم الطیب بتحقیق الالبانی ص: ۱۱۸ رقم: ۱۲۱

اگر وہ درست ہے تو سارا جسم درست ہو گا اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جائے گا۔ اور وہ دل ہے۔“ [1]

- **شیطانی وسوسوں سے بچنے کا ایک اہم ذریعہ یہ ہے کہ ہم ان تمام راہوں اور امور سے اجتناب و دوری اختیار کریں جن کے وسیلہ سے شیطان ہمارے دلوں میں داخل ہوتا ہے۔** ان میں سے چند وسیلے اور راہیں یہ ہیں:

اوّل:

شیطان انسان کی شرم گاہ کی شہوت کے راستے سے اس کے دل میں داخل ہوتا ہے۔ پھر اسے زنا پر ابھارتا ہے، اور اس کے لیے اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت نشینی اختیار کرنے، انھیں دیکھنے، ان سے ملنے، ان کے گانوں کو سننے وغیرہ جیسی برائیوں کو مزین کرتا ہے۔ اور وہ مسلسل انسان کو بہکاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ بدکاری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس طرح کے وسوسوں سے بچنے کے لیے شہوانی خواہشات پر مکمل بند لگانا ضروری ہے۔

دوم:

شیطان انسان کی پیٹ کے راستے سے اس کے دل تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ پھر وہ اسے حرام کھانے، شراب پینے، نشہ آور چیزوں کو استعمال کرنے اور اس جیسی دیگر برائیوں پر اکساتا ہے۔ اس لیے اس قسم کے وسوسۂ شیطانی سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیزوں پر قناعت کریں اور پیٹ کی اشتہا کی خاطر حرام راہوں کو نہ چنیں۔

سوم:

شیطان انسان کی ملکیت حاصل کرنے کی شدید خواہش اور ثروت و مال داری کی طرف رجحان کے راستے سے اس کے دل تک پہنچتا ہے۔ پھر وہ اسے کمائی کے اسباب و ذرائع کو حلال و

---

[1] صحیح بخاری: ۵۲، ۱۵۹۹ وغیرہ

حرام کے ذریعہ وسعت دینے پر ابھارتا ہے، اس طرح انسان لوگوں کے مالوں کو باطل طریقے سے کھانے میں کوئی پروانہیں کرتا ہے، چہ جائے کہ ذرائع آمدنی کا ذریعہ سود یا چوری یا غصب یا ڈاکہ یا دھوکا وغیرہ ہو۔ لہٰذا اس قسم کے وسوسۂ شیطانی سے بچنے کے لیے مالک ومال دار اور بڑا بننے کے جذبے کو دل سے نکال پھینکنے کی ضرورت ہے۔

چہارم:

شیطان انسان کے تسلط حاصل کرنے، تعلی و تکبر اور بڑا بننے کی شدید خواہش کے راستے سے اس کے دل میں رسائی حاصل کرتا ہے۔ پھر انسان اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتا ہے، لوگوں پر فخر کرتے ہوئے انھیں حقیر سمجھنے لگتا ہے اور ان کا مذاق اڑاتا ہے۔ اس طرح کے وسوسوں سے بچنے کے لیے خود کو سب سے بڑا ثابت کرنے والی خصلت سے بچنا ضروری ہے۔[1]

اللہ ہمیں نفس کی شرارتوں اور شیطانِ رجیم کی فریب کاریوں سے محفوظ رکھے۔ آمین!

•·······•·······•✿ ✿•·······•·······•

[1] ماخوذ و مستفاد از: فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ، فتویٰ نمبر: ۹۲۹۷، بتصرف یسیر

باب سوم

معوذتین سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ

فصلِ اول: معوذتین کی قرآنیت

قرآن کریم کی حفاظت

قرآن کریم میں کسی بھی طرح کی تحریف و تغییر سے حفاظت کی ذمہ داری خود اس کے نازل کرنے والے اللہ رب العالمین نے لے رکھی ہے، یہی وجہ ہے کہ آج تک اس کتاب میں کسی طرح کا حذف و اضافہ نہیں ہوا اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امتدادِ زمانہ اور مرورِ ایام اور دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں کے باوجود قرآن کریم میں معمولی سی کمی وبیشی نہیں کی جاسکی ہے اور تمام الہامی کتابوں میں قرآن کریم کو یہ امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔ قرآن کریم کے علاوہ دیگر آسمانی کتابیں دست بردِ زمانہ کی شکار ہوچکی ہیں، مگر قرآن اپنی اصلی حالت میں باقی ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں اور گوشوں میں پھیلے مختلف مطابع و پریس سے چھپے ہوئے قرآن کریم کے چند نسخوں کا موازنہ کرلیا جائے، پھر اس دعوے کی صحت و مضبوطی سمجھ میں آجائے گی۔ رنگ و نسل، فکر و نظر، مذہب و مسلک، ملک و وطن اور زبان و بیان کے باہمی فرق کے باوجود دنیا بھر میں پھیلے قرآن کریم کے کسی بھی نسخے میں معمولی سی تبدیلی نہیں مل سکتی ہے، بلکہ تمام نسخے الفاظ وحروف، حرکات ونقاط اور بیان وترتیب میں یکساں ومساوی نظر آئیں گے۔

معوذتین بھی قرآن کریم کا ایک حصہ ہیں، اس میں کچھ بھی شک و شبہ نہیں ہے۔ ان دونوں سورتوں کے قرآن کریم کا ایک حصہ ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع و اتفاق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نمازوں میں اس کی تلاوت فرمائی ہے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کی تلاوت کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ایک سفر میں مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کی نکیل پکڑ کر چل رہا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا:

کیا میں تمھیں پڑھی گئی دو بہترین سورتیں نہ سکھاؤں؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ ٱلْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ ٱلنَّاسِ﴾ سکھائیں۔ کہتے ہیں: آپ نے مجھے ان دونوں سورتوں کے سیکھنے کی وجہ سے بہت زیادہ خوش نہیں دیکھا، پھر جب صبح کی نماز کے لیے اترے تو آپ نے اِنہی دونوں سورتوں کے ساتھ لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز سے جب فارغ ہوئے تو میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے عقبہ! تم نے کیسا پایا۔ [1]

صحیح ابن حبان کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے سورۂ فلق کے متعلق یہ بھی فرمایا:

((فإنِ استطعْتَ ألَّا تَفوتَكَ فِي صَلاةٍ فافعَلْ)) ترجمہ: ''اگر تم نماز میں اسے پڑھنے کی طاقت رکھتے ہو تو تم سے اس کی تلاوت چھوٹنے نہ پائے اور اسے پڑھا کرو۔'' [2]

نیز سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر میں ان دونوں سورتوں کو پڑھا ہے۔ [3]

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں: ﴿سَبِّحِ ٱسْمَ رَبِّكَ ٱلْأَعْلَى﴾، دوسری میں ﴿قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْكَٰفِرُونَ﴾ اور تیسری میں ﴿قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ﴾ اور **معوذتین** پڑھتے تھے۔ [4]

ابو العلاء رحمہ اللہ ایک صحابیِ رسول سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو آپ نے انھیں معوذتین پڑھایا اور پھر ان سے فرمایا:

[1] سنن ابو داوٗد: ۱۴۶۲، سنن نسائی: ۵۰ ۱۷۳، صححہ الالبانی

[2] رواہ ابن حبان فی صحیحہ: ۱۸۴۲، صححہ الالبانی و قال شعیب الارنؤوط: اسنادہ قوی، ذکرہ الحافظ فی الفتح ۸/ ۷۴۲، والمبارکفوری فی المرعاۃ ۳/ ۱۵۹، ولكن عندهما بهذا اللفظ: فإنِ استطعْتَ ألَّا تَفوتَكَ قراءتهما فِي صَلاةٍ فافعَلْ.

[3] ابن حجر اور عبید اللہ مبارکپوری نے اس حدیث کو سعید بن منصور کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ فتح الباری ۸/ ۷۴۳، مرعاۃ ۳/ ۱۵۹

[4] سنن ابو داوٗد: ۱۴۲۴، جامع ترمذی: ۴۶۳، صححہ الالبانی وحسنہ الحافظ زبیر علی زئی، اَنوار الصحیفۃ ص: ۵۷، ۲۰۱، ۴۱۹

((إذَا أنتَ صَلَّيت فَاقرأْبهما)) ترجمہ: ”جب تم نماز پڑھو تو ان دونوں سورتوں کو پڑھا کرو۔“ [1]

علاوہ ازیں معوذتین کی تلاوت و قرات کے متعلق پہلے باب میں ”فضائل و برکات“ کے تحت کئی احادیث گزر چکی ہیں، جو معوذتین کی قرآنیت پر دلالت کرتی ہیں۔

معوذتین اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

اوپر کی تفصیلات سے معلوم ہوا کہ معوذتین قرآن کریم کا ایک حصہ ہیں، لیکن کتبِ احادیث میں معوذتین کے متعلق سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کچھ ایسی روایتیں منقول ہیں، جن کی بنیاد پر دشمنانِ اسلام کو یہ شبہات ابھارنے کا موقع مل گیا کہ معاذ اللہ اس کتاب میں بھی تحریف ہوئی ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس سلسلے میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول روایت کا جائزہ لے کر اس سلسلے میں علماء کی توجیہات پیش کر دی جائیں تاکہ حقیقتِ حال کی وضاحت ہو سکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ صحابیٔ رسول کی جانب منسوب نظریے کی حقیقت و حیثیت کیا ہے؟

زِر بن حُبَیش رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

((يَا أَبَا الْمُنْذِرِ إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُودٍ، يَقُولُ: كَذَا وَكَذَا، فقال أُبَيّ: سألتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي: قِيلَ لِي، فَقُلْتُ. قَالَ: فَنَحْنُ نَقُولُ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

ترجمہ: ”اے ابو منذر! آپ کے بھائی ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایسا اور ایسا کہتے ہیں۔ تو اُبی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: ”مجھ سے ایسا کہنے کے لیے کہا گیا اور میں نے کہا“ اُبی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم بھی ویسا ہی کہتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔“ [2]

---

[1] مسند احمد: ۲۰۷۴۵، صححہ الحافظ فی الفتح ۸/ ۷۴۲

[2] صحیح بخاری : ۴۹۷۷

یہاں اس روایت میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں مبہم بات کہی گئی ہے اور اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ وہ معوذ تین کے متعلق کیا کہتے تھے۔ جب کہ دیگر روایتوں میں صراحت موجود ہے۔ جیسا کہ مسند احمد وغیرہ کی روایتوں میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ وہ معوذ تین کو اپنے مصحف میں لکھتے نہیں تھے، نہ نماز میں اس کی تلاوت کرتے تھے اور اپنی مصحف سے انھیں مٹادیتے تھے۔ زِر بن حُبیش رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((قُلْتُ لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ: إِنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ كَانَ لَا يَكْتُبُ الْمُعَوِّذَتَيْنِ فِي مُصْحَفِهِ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَنِي أَنَّ جِبْرِيلَ قَالَ لَهُ: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾، فَقُلْتُهَا. فَقَالَ: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾، فَقُلْتُهَا فَنَحْنُ نَقُولُ مَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)) ترجمہ: "میں نے ابی بن کعب سے کہا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو معوذ تین کو اپنے مصحف میں نہیں لکھتے ہیں۔ تو انھوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے مجھے یہ خبر دی کہ جبریل نے آپ سے کہا: "﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ تو میں نے ویسا ہی کہہ دیا۔ اور جبریل نے کہا: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ تو میں نے بھی ویسا ہی کہہ دیا۔" سو ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا تھا۔" [1]

ایک اور روایت میں ہے کہ زر بن حبیش رحمہ اللہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا:

((إِنَّ أَخَاكَ يَحُكُّهُمَا مِنَ الْمُصْحَفِ – قِيلَ لِسُفْيَانَ: ابْنُ مَسْعُودٍ؟ فَلَمْ يُنْكِرْ – قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: قِيلَ لِي فَقُلْتُ. فَنَحْنُ نَقُولُ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

ترجمہ: "بے شک آپ کے بھائی تو ان دونوں سورتوں کو مصحف سے کھرچ دیتے تھے۔ (سفیان سے پوچھا گیا: بھائی سے مراد ابن مسعود ہیں؟ تو انھوں نے اس کا انکار نہیں کیا۔)

[1] مسند احمد:۲۱۱۸۶،سندہ صحیح

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''مجھ سے کہا گیا اور میں نے کہا۔'' پس ہم بھی ویسا ہی کہتے ہیں جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔'' [1]

امام بزار نے اپنی مسند میں علقمہ سے اس طرح نقل کیا ہے:

((أَنَّه كَانَ يَحُكُّ الْمُعَوِّذَتَيْنِ مِنْ الْمُصْحَفِ، وَيَقُولُ: أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتَعَوَّذُ بِهِمَا، وَكَانَ عبدُ اللهِ لَمْ يَقْرَأْ بِهِمَا)) ترجمہ: ''وہ یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو قرآن سے مٹا دیتے تھے اور کہتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کے ذریعہ پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں سورتوں کو نماز میں پڑھتے نہیں تھے۔'' [2]

عبد الرحمن بن یزید نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((كَانَ عَبْدُ اللهِ يَحُكُّ الْمُعَوِّذَتَيْنِ مِنْ مَصَاحِفِهِ وَيَقُولُ: إِنَّهُمَا لَيْسَتَا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ)) ترجمہ: ''سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصحف سے معوذتین کو مٹا دیتے اور کہتے تھے کہ یہ دونوں اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب میں سے نہیں ہیں۔''[3]

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نظریہ کی حقیقت

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب نظریہ سے متعلق ان روایات کا جواب علمانے دو طرح سے دیا ہے، کچھ لوگوں نے تو انھیں موضوع و منگھڑت اور جھوٹ کا پلندہ قرار دیا ہے، جب کہ دیگر علمائے محققین کی ایک جماعت نے اس کو صحیح تسلیم کیا ہے اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب نظریے کی توجیہ و تاویل کرتے ہوئے اس کا مدافعانہ جواب دیا ہے۔ اس بحث کی تفصیل حسب ذیل ہے:

---

[1] مسند احمد: ۲۱۱۸۹، سندہ صحیح [2] مسند بزار ۵/۲۹، قال الھیثمی: رواہ البزار والطبرانی، ورجالھما ثقات، دیکھئے: مجمع الزوائد ۷/۱۴۹

[3] مسند احمد: ۲۱۱۸۸، سندہ صحیح

پہلا موقف:

جن محدثین اور علمائے امت نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب نظریے کی تکذیب کی ہے، ان میں سے امام نووی رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

(وأجمع المسلمون على أن المعوذتين والفاتحة من القرآن، وأن من جحد منهما شيئاً كفر، وما نقل عن ابن مسعود في الفاتحة والمعوذتين باطل ليس بصحيح عنه) ”معوذتین اور سورۂ فاتحہ کے قرآن کا حصہ ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے، ان دونوں میں سے کسی کا انکار کرنا کفر ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو کچھ نقل کیا گیا ہے، وہ باطل ہے، صحیح نہیں ہے۔“ [1]

نیز شرح صحیح مسلم میں معوذتین کی فضیلت سے متعلق سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

(فيه دليل واضح علىٰ كونهما من القرآن و رد علىٰ من نسب إلىٰ ابن مسعود خلاف هذا، و فيه أن لفظة قل من القرآن ثابتة من أول السورتين بعد البسملة، وقد أجمعت الأمة علىٰ هذا كله) ”اس میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ معوذتین داخلِ قرآن ہیں اور اس کے بر خلاف سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف جو بات منسوب کی گئی ہے، وہ مردود ہے۔ اور اس حدیث میں اس بات کی بھی دلیل پائی جاتی ہے کہ یہ دونوں سورتیں بسملہ کے بعد ابتداء ہی سے لفظ ”قل“ سمیت داخلِ قرآن ہیں۔ امت کا ان تمام باتوں پر اجماع ہے۔“ [2]

اسی بات کے قائل علامہ ابن حزم رحمہ اللہ بھی ہیں، وہ المحلیٰ میں لکھتے ہیں:

(كل ما روي عن ابن مسعود أن المعوذتين وأم القرآن لم تكن في مصحفه فكذب موضوع لا يصح، وإنما صحت عنه قراءة عاصم عن زر بن حبيش عن ابن مسعود، وفيها أم القرآن والمعوذتان)

....

[1] المجموع شرح المھذب للنووی، بحوالہ فتح الباری ۸ / ۷۴۳ [2] المنہاج فی شرح صحیح مسلم ص:۵۴۱

”معوذ تین اور ام القرآن سے متعلق جو کچھ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ ان کی مصحف میں نہیں تھا تو یہ جھوٹ پر مبنی موضوع ہے اور صحیح نہیں ہے۔ ان سے صحیح طور پر زِر بن حبیش کے واسطہ سے عاصم کی قرات عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اور اس میں ام القرآن اور معوذ تین شامل ہیں“ [1]

علامہ رازی رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے، وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(**الأغلب على الظن أن هذا النقل عن ابن مسعود كذب باطل**) ”غالب گمان یہ ہے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ نقل جھوٹ اور باطل ہے۔“ [2]

دوسرا موقف:

یہ صحیح بات ہے کہ معوذ تین کے شاملِ قرآن ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے، یہ تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور اب اس کا انکار کرنا یا قرآن کریم کے کسی بھی جزء اور حصے کا انکار کرنا کفر ہے۔ لیکن ثابت شدہ روایات کو کسی دلیل اور استناد کے بغیر رد کرنا بھی درست نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے اس قسم کی روایات کو صحیح قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

(**والطعن في الروايات الصحيحة بغير مستند لا يقبل، بل الرواية صحيحة والتأويل محتمل، والإجماع الذي نقله إن أراد شموله لكل عصر فهو مخدوش، وإن أراد استقراره فهو مقبول**) ”اور کسی استناد و دلیل کے بغیر صحیح روایات کے بارے میں طعن و تشنیع مقبول نہیں ہے، بلکہ روایت صحیح ہے اور اس میں تاویل و توجیہ کا احتمال اور گنجائش ہے۔ اور جو اجماع کی بات کہی گئی ہے، اگر اس سے مراد یہ ہو کہ یہ اجماع تمام دور کو شامل ہے تب تو یہ مخدوش ہے، لیکن اگر اس سے مراد اجماع کا قرار پانا ہے تو یہ بات قابلِ قبول ہے۔“ [3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سمیت دیگر بہتیرے اہلِ علم نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب روایت کی تاویل و توجیہ کی ہے اور یہی راجح موقف بھی ہے، کیوں کہ ثابت شدہ

---

[1] المحلّٰی بالآثار لابن حزم ۱/ ۳۲ [2] فتح الباری ۸/ ۷۴۳ [3] ایضاً

روایات پر بے جا طعن درست نہیں ہے اور پھر جب تاویل و توجیہ کی گنجائش اور احتمال ہو تو اسی کو اپنانا زیادہ بہتر اور درست موقف معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

● سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب نظریے کی ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو معوذتین کے داخلِ قرآن ہونے کا قطعی و صریح علم نہیں تھا اور وہ اس بات سے ناواقف تھے کہ معوذتین کے قرآن کا ایک حصہ ہونے پر صحابۂ کرام کا اجماع و اتفاق ہو چکا ہے اور یہ کہ اُن صحابہ کے نزدیک معوذتین کی قرآنیت تواتر سے ثابت ہو چکی ہے، لہٰذا انھوں نے وقتی طور پر ان کی قرآنیت کا انکار کیا اور عارضی طور پر انھیں اپنے مصحف میں نہیں رکھا، لیکن جب انھیں معوذتین کے قرآن کا ایک حصہ ہونے کا تواتر اور اس پر صحابہ کرام کے اتفاق کا علم ہوا تو انھوں نے اپنی بات سے رجوع کر لیا اور انھیں کلام اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ داخلِ قرآن ہونا بھی تسلیم کر لیا، جیسا کہ زِرّ ہی کے واسطہ سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی عاصم کی وہ صحیح قرأت بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے، جس میں معوذتین شاملِ قرآن ہیں۔ گویا یہ ان کا کمال احتیاط تھا کہ جب تک ان کے نزدیک معوذتین کا داخلِ قرآن ہونا ثابت نہیں تھا وہ انھیں مصحف میں لکھتے نہیں تھے، جب کہ وہ معوذتین کے منزل مِن اللہ اور کلامِ الٰہی ہونے کے مُقِر تھے، اور وہیں دیگر صحابۂ کرام ان دونوں سورتوں کے داخلِ قرآن ہونے پر متفق تھے۔ لیکن اس توجیہ کو ماننے سے ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا کچھ حصہ کسی دور میں متواتر نہیں تھا۔ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ یہ صرف سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک محدود وقتی بات ہے ورنہ صحابۂ کرام اس دور میں بھی اس کے تواتر پر متفق تھے اور محض کسی ایک فرد کے عدمِ اتفاق سے تواتر ٹوٹتا نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ابن الصباغ رحمہ اللہ کے حوالے سے اس ضمن میں تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’ابن الصباغ مانعینِ زکاۃ پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں: بے شک ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ سے قتال کیا، لیکن یہ نہیں کہا کہ ان لوگوں نے اس کی وجہ سے کفر کیا ہے، بلکہ ان کی تکفیر نہیں کی، کیوں کہ ابھی اس بات پر اجماع قرار نہیں پائی تھی۔ وہ کہتے ہیں: اور اب اس وقت ہم زکاۃ کا انکار کرنے والے کو کافر کہیں گے۔ وہ کہتے ہیں: اسی طرح کی بات معوذتین کے متعلق ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول رائے کے بارے میں بھی ہے کہ ان کے نزدیک اجماع کی بات ثابت نہیں ہوئی تھی اور پھر اس کے بعد لوگوں کا اس پر اتفاق ہو گیا۔ اور فخر الدین رازی نے یہاں ایک اشکال پیش کیا ہے، انھوں نے اس اشکال کو پیش کرتے ہوئے اس کا جواب بھی دیا ہے، کہتے ہیں: اگر ہم یہ کہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دور میں ان دونوں سورتوں کا قرآن میں سے ہونا متواتر تھا تو اس کا انکار کرنے والوں کی تکفیر لازم آئے گی۔ اور اگر یہ بات کہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دور میں ان دونوں سورتوں کا قرآن میں سے ہونا متواتر نہیں تھا تو یہ بات لازم آئے گی کہ قرآن کا کچھ حصہ متواتر نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں: اور یہ دشوار گتھی ہے۔ اور اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی قرآن متواتر تھا، لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ بات درجۂ تواتر کو نہیں پہنچی تھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی مدد سے یہ عُقدہ حل ہو جاتا ہے۔‘‘ [1]

واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی نے بھی اس بات میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی پیروی نہیں کی۔ امام بزار رحمہ اللہ، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نظریہ سے متعلق علقمہ کی وہ روایت جو اوپر منقول ہے، ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

(و هذا الكلام لم يتابع عبد الله عليه ذلك أحد من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم. وقد صح عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قرأ بهما في الصلاة وأثبتتا في المصحف) ’’یہ ایسی بات ہے، جس پر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پیروی اصحابِ نبی

[1] فتح الباری ۸/ ۷۴۳

میں سے کسی نے نہیں کی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے ان دونوں سورتوں کو نماز میں پڑھا ہے اور اسے مصحف میں برقرار رکھا ہے۔“ [1]

محدث سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

(يَحُكُّهُمَا الْمُعَوِّذَتَيْنِ، وَلَيْسَا فِي مُصْحَفِ ابْنِ مَسْعُودٍ، كَانَ يَرَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ بِهِمَا الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ، وَلَمْ يَسْمَعْهُ يَقْرَؤُهُمَا فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِهِ، فَظَنَّ أَنَّهُمَا عُوذَتَانِ، وَأَصَرَّ عَلَى ظَنِّهِ، وَتَحَقَّقَ الْبَاقُونَ كَوْنَهُمَا مِنَ الْقُرْآنِ، فَأَوْدَعُوهُمَا إِيَّاهُ) ”ابن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کو مٹا دیتے تھے اور یہ دونوں سورتیں ان کے مصحف میں نہیں تھیں، ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان کے ذریعہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما پر دم کیا کرتے تھے، اور انھوں نے ان دونوں سورتوں کو نماز میں تلاوت کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے نہیں سنا تھا، اس لیے ان کے خیال میں یہ دو تعوّذ تھیں، اور پھر وہ اپنے اسی خیال پر مصر رہے۔ اور باقی صحابہ کرام کی تحقیق کے مطابق یہ دونوں سورتیں قرآن کا حصہ ہیں، اس لیے انھوں نے ان دونوں سورتوں کو قرآن میں رکھا۔“ [2]

اسی طرح رجوع کی بات اس لیے بھی درست معلوم ہوتی ہے کہ اگر انھوں نے اپنی اس بات پر اصرار کیا ہوتا اور اسی پر جمے رہے ہوتے تو ضرور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے بحث و مباحثہ کرتے، اور ان کے نظریے کی غلطی ان پر واضح کرتے، ایسا ناممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کریم سے شدید وابستگی رکھنے کے باوجود اس سے متعلق ایک بڑے مسئلے میں خاموش بیٹھے رہتے۔ اور یہ معلوم بات ہے کہ اس سلسلے میں صحابہ کرام سے اور کچھ بھی مروی نہیں ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

---

[1] مسند بزار ۵/ ۲۹

[2] مسند احمد: ۲۱۱۸۹، اسنادہ صحیح علیٰ شرط الشیخین

((فلعله لم يسمعهما من النبي صلى الله عليه وسلم ولم يتواتر عنده، ثم لعله قد رجع عن قوله ذلك إلى الجماعة، فإن الصحابة رضي الله عنهم أثبتوهما في المصاحف الأئمة ونفذها إلى سائر الآفاق كذلك. و لله الحمد و المنة)) ''شاید انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں سورتوں کو نہ سنا ہو اور ان کے نزدیک متواتر نہ ہوں، پھر شاید اپنے اس قول سے رجوع کر کے جماعت کے قول کی طرف پلٹ آئے ہوں، کیوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان دونوں سورتوں کو مصاحفِ ائمہ میں ثابت فرمایا، جس کے نسخے چہار دانگِ عالم میں پھیلے۔ اور ہر طرح کا حمد و شکر اللہ ہی کے لیے ہے۔'' [1]

● علامہ ابو بکر باقلانی اور قاضی عیاض مالکی رحمہما اللہ وغیرہ نے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نظریہ کی توجیہ و تاویل اس طرح کی ہے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ، معوذتین کی قرآنیت کے انکاری نہیں تھے، بلکہ انھوں نے ان دونوں سورتوں کو مصحف میں لکھنے سے انکار کیا ہے، گویا ان کا خیال یہ تھا کہ قرآن میں وہی چیزیں لکھی جائیں، جن کے لکھنے کی اجازت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، اور شاید کہ ان دونوں سورتوں کو قرآن میں لکھنے والی بات ان تک نہیں پہنچی۔ یہ تاویل اس وقت درست ہو سکتی ہے، جب روایات میں موجود اس جملے (إِنَّهُمَا لَيْسَتَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ) کے لفظ ''كِتَابُ اللّٰهِ'' سے مراد مصحف لیا جائے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، علامہ باقلانی رحمہ اللہ وغیرہ کے اس تاویل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ اچھی توجیہ ہے، مگر میری ذکر کردہ صحیح صریح روایت اس تاویل کو دفع کر دیتی ہے، جس میں ہے کہ وہ کہتے تھے: (إِنَّهُمَا لَيْسَتَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ) ''یہ دونوں سورتیں کتاب اللہ میں سے نہیں ہیں۔'' ہاں یہ ممکن ہے کہ لفظِ ''كِتَابُ اللّٰه'' کو مصحف پر محمول کیا جائے تو یہ تاویل درست ہو سکتی ہے۔'' [2]

---

[1] تفسیر القرآن العظیم ۴/ ۷۴۴

[2] فتح الباری ۸/ ۷۴۳

● ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے وہم و گمان میں یہ بات نہیں تھی کہ معوذ تین قرآن کا حصہ نہیں ہیں، بلکہ وہ انھیں قرآن کا حصہ مانتے تھے اور لوگوں میں ان سورتوں کی شہرت کی وجہ سے انھیں مصحف میں لکھنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

علامہ مازری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

(يحتمل ما روي من إسقاط المعوذتين من مصحف إبن مسعود انه اعتقد انه لا يلزمه كتب كل القرآن و كتب ما سواها و تركهما لشهرتهما عنده و عند الناس. واللّٰهُ أعلم) "مصحف ابن مسعود میں معوذ تین کے اِسقاط کے بارے میں جو کچھ مروی ہے اس میں اس بات کا احتمال پایا جاتا ہے کہ ان کا یہ اعتقاد رہا ہو کہ تمام قرآن کا لکھنا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے انھوں نے ان دونوں کے علاوہ دیگر سورتوں کو لکھا اور خود اپنے نزدیک اور دوسروں کے نزدیک ان دونوں سورتوں کی شہرت کی وجہ سے انھیں ترک کر دیا۔ واللہ اعلم" [1]

اسی طرح علامہ داؤد راز رحمہ اللہ صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں:

"جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سب کا یہ قول ہے کہ معوذ تین قرآن میں داخل ہیں اور اس پر اجماع ہو گیا اور ممکن ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب ہو کہ گویا دونوں سورتیں کلام الٰہی ہیں، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مصحف میں نہیں لکھوایا، اس لیے مصحف میں لکھنا ضروری نہیں۔" [2]

معوذ تین کی قرآنیت نظریہ ابن مسعود کے باوجود اپنی جگہ بر قرار

علاوہ ازیں بفرضِ محال اگر ہم سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے انکار کو تسلیم بھی کر لیں تو اس سے معوذ تین کی قرآنیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے اور یہ بات قرآن کریم کے تواتر کے لیے ذرا بھی نقصان دہ نہیں ہے۔ جب کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معوذ تین کا قرآن ہونا صحیح روایات سے ثابت ہے اور تمام صحابہ کرام اور امتِ اسلامیہ کا معوذ تین کی

[1] المنہاج فی شرح صحیح مسلم للنووی ص:٥٤٦

[2] صحیح بخاری مع ترجمہ وشرح ٦/ ٤٤٥

قرآنیت پر اجماع و اتفاق ہو چکا ہے۔ اس لیے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عظمت و فضیلت، قدر و منزلت اور ان کی جلالتِ شان کے باوجود ان کا یہ نظریہ معوذتین کی قرآنیت اور تواترِ قرآن کے خلاف حجت نہیں بن سکتا ہے۔ صاحبِ مناہل العرفان لکھتے ہیں:

”اگر ہم یہ بات تسلیم کر لیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے معوذتین کا انکار کیا ہے، اور سورہ فاتحہ کا انکار کیا ہے، بلکہ پورے قرآن کا انکار کر دیا ہے، تب بھی ان کا یہ انکار ہمارے لیے ضرر رساں نہیں ہے، اس لیے کہ ان کا یہ انکار قرآن کے تواتر کو ختم نہیں کر سکتا ہے اور نہ تواتر سے حاصل ہونے والے علمِ قطعی کو مٹا سکتا ہے۔ دنیا میں کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ: تواتر اور اس پر مبنی علمِ یقینی کے لیے یہ شرط ہو کہ کوئی مخالف اس کی مخالفت نہ کرے، ورنہ محض ہر کسی ایرے غیرے کی مخالفت سے تواتر کو گرانا اور اس سے حاصل ہونے والے علمِ یقینی کو باطل قرار دینا ممکن ہو گا۔ ابن قتیبہ رحمہ اللہ ”مشکل القرآن“ میں لکھتے ہیں: ”ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ معوذتین قرآن کا حصہ نہیں ہیں، کیوں کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ان دونوں سورتوں کے ذریعہ سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما پر دم کرتے تھے اور انھوں نے اپنے اسی خیال پر یہ نظریہ قائم کیا۔ ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ وہ اپنے اس خیال میں درست تھے اور مہاجرین و انصار سے خطا ہوئی تھی۔“ [1]

نتیجہ بحث

ہماری پیش کردہ مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب نظریہ کا بخوبی تصفیہ ہو جاتا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب نظریے کی بنیاد پر قرآن کریم یا معوذتین کے خلاف کسی طرح کے اعتراض اور غلط فہمی کی گنجائش بھی یکسر ختم ہو جاتی ہے، خواہ کسی بھی موقف کو تسلیم کیا جائے۔ اور ان تفصیلات کے

[1] مناہل العرفان ۱/ ۲۷۶-۲۷۷

مطابق یہ بات بھی واضح ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ قرآن کریم اور بالخصوص معوذتین کے متعلق دشمنانِ اسلام کے شبہات واعتراضات کی کوئی حقیقت وحیثیت نہیں ہے۔

آج قرآن کریم کا جو نسخہ ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ بعینہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ ہے، اس میں ذرہ برابر بھی ہیر پھیر اور تحریف نہیں ہوئی ہے اور نہ اس کے اندر بعد کے ادوار میں کچھ کمی بیشی کی گئی ہے۔ اگر کسی کو اس بات پر اصرار ہے کہ قرآن کریم کی بعض سورتیں یا آیتیں الحاقی ہیں تو وہ اس جیسا کلام پیش کرے؟ میرا دعویٰ ہے کہ قیامت کی صبح تک کوئی بھی شخص اس جیسا کلام پیش نہیں کر سکتا ہے، کیوں کہ موجودہ قرآن کی تمام آیات اور سورتیں اللہ رب العزت کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور اس کتابِ مبین میں داخل وشامل ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ چیلنج آج تک تشنۂ جواب ہے اور تا قیامت تشنۂ جواب رہے گا:

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ ”کہہ دو اگر تمام انسان اور جنات اکٹھا ہو جائیں اور اس قرآن کے جیسا بنالانا چاہیں تو وہ سب مل کر بھی اس جیسا نہیں لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں۔“ [بنی اسرائیل: ۸۸]

اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر: ۹] ”بے شک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“ کے مطابق قرآن کریم کی بھرپور حفاظت و نگہبانی فرمائی اور اسے ہر طرح کی کمی و بیشی سے محفوظ رکھا ہے۔ اور یہ حقیقتِ واقعہ ہے کہ مسلمانوں کے آپسی مسلکی اختلافات کے باوجود ہر کوئی قرآن کریم کو حرزِ جاں بنائے ہوئے ہے اور کسی نے بھی اس کے اندر ہیر پھیر کرنے کی جرأت نہیں کی ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق سے ہو رہا ہے۔

فصلِ دوم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر اور اس کی حقیقت

معوذتین کی تفسیر کرتے ہوئے بعض مفسرین نے محض چند شبہات اور غلط فہمیوں کی بنا پر نزولِ معوذتین سے متعلق متفق علیہ حدیثِ نبوی کا انکار کیا ہے اور وہ اپنے اس انکار کے لیے کوئی ٹھوس علمی بنیاد اور اصولِ حدیث سے کوئی مستند دلیل بھی نہیں رکھتے ہیں۔ اس لیے یہاں اس فصل میں حدیثِ سحر سے متعلق اُنہی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اِن شاء اللہ

حدیثِ سحر سے متعلق چند وضاحتیں

- جس بدبخت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا عمل کیا تھا حدیثوں میں اس کا نام لبید بن عاصم بتایا گیا ہے، اور اس کے بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ اس کا تعلق قبیلہ بنو زُرَیق سے تھا، جو یہودیوں کا حلیف قبیلہ تھا اور لبید نے بظاہر اسلام قبول کرلیا تھا، اسی لیے بعض راویوں نے اُس کی ظاہری حالت کو دیکھتے ہوئے اسے منافق کہا ہے اور چوں کہ وہ جس قبیلے کا فرد تھا وہ یہودیوں کا حلیف تھا اور یہ جادو بھی انھیں کے ورغلانے کی وجہ سے کیا گیا تھا اس لیے اس معاملے کو دیکھتے ہوئے بعض راویوں نے اسے یہودی کہا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے یہودیوں سے قربت اور نزدیکی کی وجہ سے یہودیت کو اختیار کرلیا ہو، اس لیے اسے یہودی کہہ دیا گیا ہو۔

اسی طرح یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ وہ اصلاً یہودی تھا اور بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا، اس لیے اس کی اصلی حالت کو دیکھتے ہوئے اسے ''رجل من الیہود'' کہا گیا ہے اور اس کی ظاہری حالت کو دیکھتے ہوئے اسے منافق کہا گیا ہے۔ نیز چوں کہ اس کا تعلق

یہودیوں کے جس قبیلے سے تھا وہ انصار کے ایک قبیلہ بنوزُریق کا حلیف تھا اس لیے بعض راویوں نے اس کی نسبت بنوزریق کی طرف کردی ہے اور اسے ''رجل من الانصار'' کہا ہے، اور یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ اس کا قبیلہ بنوزریق کے محلے میں رہتا رہا ہوگا، اس لیے اسے بنو زریق کی طرف منسوب کردیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب

● ابن سعد کی روایت کے مطابق جادو کا سامان نکالنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، جب کہ بعض روایتوں کے مطابق سیدنا جبیر بن یاس زرقی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، اور بعض روایتوں کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے تھے۔ ان تمام کے درمیان جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سبھوں کو بھیجا ہو اور پھر بنفس نفیس خود تشریف لے گئے ہوں یا یہ کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ہوں اور پھر بعد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کو بھیجا ہو اور ساتھ میں خود بھی گئے ہوں، اس لیے راویوں نے اس طرح کی مختلف بات کہی ہے۔

● آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جادو میں مبتلا رہنے کا دورانیہ چھ ماہ تھا اور جب اس بیماری نے شدت اختیار کی تو اس کا دورانیہ صرف چند دنوں تک محدود تھا جسے بعض راویوں نے ایاماً کے لفظ یعنی چند دنوں سے تعبیر کیا ہے، اور جو بعض روایتوں میں چالیس دن کی بات کہی گئی ہے تو ان دونوں کے مابین تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں تبدیلی شروع ہونے اور جادو کیے جانے کی مکمل مدت تو چھ ماہ ہے لیکن بیماری کے بڑھنے اور اس میں اضافہ ہونے کی مدت چالیس دن ہے۔ [1] اور اس میں بھی صرف چند دنوں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیماری کا شدید اثر رہا، جیسا کہ بعض راویوں نے اسے ''ایاماً'' سے تعبیر کیا ہے۔ اور مُصنَّف عبد الرزاق کی جس مرسل روایت میں جادو کا دورانیہ ایک سال بیان کیا گیا ہے تو وہ ضعیف ہے۔

[1] فتح الباری ۱۰/۲۲۶

● بعض روایتوں سے بظاہر جادو والی اشیا نکالنے کی نفی ہو رہی ہے، جب کہ دیگر صحیح روایتوں میں صراحت سے یہ بات موجود ہے کہ جادو والی اشیا نکالی گئیں۔ ان کے درمیان جمع و تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ جن روایتوں میں نہ نکالنے کی بات کہی گئی ہے اس سے ان اشیائے سحر کے نکالنے کی نفی نہیں مراد ہے، بلکہ انھیں منظر عام پر لانے کی نفی کی گئی ہے تاکہ لوگوں میں کسی طرح کا شر و فساد نہ پھیلے، جیسا کہ نفی والی روایتوں میں اس بات کی صراحت پائی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قَدْ عَافَانِي اللَّهُ فَكَرِهْتُ أَنْ أُثَوِّرَ عَلَى النَّاسِ فِيهِ شَرًّا)) ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے عافیت دے دی ہے، اس لیے میں نے لوگوں میں برائی پھیلانا پسند نہیں کیا۔'' [1]

اسی طرح یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کنویں کے پاس پہنچے تو اس کا پانی زیادہ ہونے کی وجہ سے واپس ہو گئے اور جب عائشہ رضی اللہ عنہا نے جادو والی اشیا نکالنے کی بات پوچھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی کی، اور پھر دوبارہ سیدنا علی و عمار رضی اللہ عنہما وغیرھما کے ساتھ وہاں پہنچے اور پھر ان اشیا کو نکالا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دونوں طرح کی روایتیں آئی ہیں۔ اس طرح مذکورہ تطبیق ماننے کی صورت میں دونوں طرح کی روایتوں کے مابین کوئی تعارض اور اضطراب باقی نہیں رہ جاتا ہے۔

● رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کی جانے والی حدیث صحیح بخاری میں سات مقامات پر موجود ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے امام احمد بن حنبل، امام حمیدی، امام ابن ابی شیبہ اور امام اسحاق بن راہویہ وغیرہ محدثین رحمہم اللہ وغیرہم نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے، علاوہ ازیں امام مسلم، امام ابن ماجہ، امام نسائی، امام ابن حبان، امام ابو عوانہ، علامہ

[1] صحیح بخاری:۵۷٦۳ واللفظ لہ، صحیح مسلم:۲۱۸۹ وغیرہ

طحاوی، امام طبرانی، امام بیہقی، علامہ ابن سعد، امام طبری اور علامہ بغوی رحمہم اللہ وغیرہم نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں سحرِ نبوی والی حدیث کو بیان کر رکھا ہے۔

● حدیثِ سحر کے ابتدائی راوی عروہ بن زبیر رحمہ اللہ پر تدلیس کا الزام لگانا بھی درست نہیں ہے، بلا شبہ وہ تدلیس سے بری ہیں۔ اسی طرح ہشام بن عروہ رحمہ اللہ پر تدلیس، اختلاط اور سٹھیانے کا الزام لگانا سراسر نادانی اور زیادتی ہے، ان کو امام ابو حاتم رازی، امام عجلی، امام محمد بن سعد، یعقوب بن شیبہ، امام یحییٰ بن معین اور امام ابن حبان وغیرہم نے ثقہ قرار دیا ہے، اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے اختلاط کی سرے سے نفی کی ہے۔ اور بفرض محال اگر ان کا مدلس ہونا ثابت بھی مان لیا جائے تو انھوں نے صحیح بخاری کی ایک روایت (۳۱۷۵) میں سماع کی تصریح کر رکھی ہے، اسی طرح اگر بفرض محال ان کے مختلط ہونے اور سٹھیا جانے کی بات بھی صحیح مان لی جائے تب بھی جادو والی روایت مزعوم اختلاط سے پہلے کی ثابت ہوتی ہے، کیوں کہ یہ روایت صحیح بخاری (۶۳۹۱) میں ہشام سے ابو ضمرہ أنس بن عیاض المدنی نے بھی بیان کر رکھی ہے۔ [1]

● حدیثِ سحر متفقہ طور پر صحیح ہے، محدثین کا اس کی صحت پر اتفاق ہے، سب سے پہلے معتزلہ اور متکلمین نے اپنے مزعومہ وہم و گمان کی بنا پر اس حدیث کا انکار کیا ہے۔ ان منکرین کے پیش رو ابو بکر جصاص معتزلی حنفی صاحبِ ”احکام القرآن“ ہیں، انھوں نے جن اوہام اور خود ساختہ شکوک و شبہات کا اظہار کیا تھا، محدثین و مفسرین پہلے ہی ان اعتراضات کا دنداں شکن اور تشفی بخش جواب دے چکے ہیں، پھر بھی بعد کے ادوار میں انہی شبہات کا سہارا لے کر صاحبِ ”فی ظلال القرآن“ سید قطب اخوانی، احمد مصطفیٰ المراغی، صاحبِ ”دعوۃ القرآن“ شمس پیر زادہ، صاحبِ ”تدبر قرآن“ امین احسن اصلاحی،

[1] دیکھیے: صحیح بخاری کا دفاع، متعلقہ صفحات

”مذہبی داستانیں اور اس کی حقیقت“ کے مؤلف حبیب الرحمان کاندھلوی، احمد سعید ملتانی اور تمنا عمادی وغیرہ نے حدیثِ سحر نبوی کا انکار کیا ہے۔ منکرین حدیثِ سحر کے شبہات و اعتراضات تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بودے و کمزور ہیں، ان لوگوں نے محض اپنے وہم و گمان کی بنیاد پر ایک ثابت شدہ حقیقت کا انکار کرتے ہوئے ایسے شبہات پیش کیے ہیں جس کا اظہار کسی غیر مسلم دشمنِ اسلام نے بھی نہیں کیا ہے اور پوری اسلامی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ کسی غیر مسلم کافر نے حدیثِ سحر کی بنیاد پر اسلام اور پیغمبر اسلام پر اعتراض نہیں کیا ہے اور حدیثِ سحر کسی کے اسلام قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بھی نہیں بنی۔

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا کیا جانا دراصل آپ کی نبوت کی صداقت کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں کی کارستانیوں سے محفوظ رکھا اور جملہ حقیقتِ واقعہ سے آپ کو باخبر کر دیا، جس سے آپ کے دشمنوں کو ہمیشہ کی طرح منہ کی کھانی پڑی۔ مزید یہ کہ اس بات کی بھی صراحت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جادوگر نہیں ہیں، کیوں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جادوگر ہوتے تو جادو آپ پر اثر انداز نہیں ہوتا، اس طرح اس واقعے سے لوگوں کے سامنے یہ بات کُھل کر آگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جادوگر نہیں ہیں۔ اسی طرح ان دشمنانِ اسلام کے شبہات و اباطیل کا جواب ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بہت سی چیزیں چھپا لی تھیں، اگر معاملہ ایسا ہی ہوتا تو صحابۂ کرام اس حدیث کو بیان نہ کرتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے اثرات کی نوعیت

نزولِ معوذتین سے متعلق سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ بات آچکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اثر بھی ہوا تھا۔ اس سلسلے میں ان کے علاوہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عبد

اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایتیں آئی ہیں، ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُحِرَ، حَتَّى كَانَ يَرَى أَنَّهُ يَأْتِي النِّسَاءَ وَلَا يَأْتِيهِنَّ – قَالَ سُفْيَانُ: وَهَذَا أَشَدُّ مَا يَكُونُ مِنَ السِّحْرِ إِذَا كَانَ كَذَا – فَقَالَ: ((يَا عَائِشَةُ، أَعَلِمْتِ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَفْتَانِي فِيمَا اسْتَفْتَيْتُهُ فِيهِ؟ أَتَانِي رَجُلَانِ ؛ فَقَعَدَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِي، وَالْآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ، فَقَالَ الَّذِي عِنْدَ رَأْسِي لِلْآخَرِ : مَا بَالُ الرَّجُلِ ؟ قَالَ: مَطْبُوبٌ . قَالَ : وَمَنْ طَبَّهُ؟ قَالَ: لَبِيدُ بْنُ أَعْصَمَ – رَجُلٌ مِنْ بَنِي زُرَيْقٍ، حَلِيفٌ لِيَهُودَ، كَانَ مُنَافِقًا – قَالَ: وَفِيمَ؟ قَالَ: فِي مُشْطٍ وَمُشَاقَةٍ . قَالَ: وَأَيْنَ؟ قَالَ: فِي جُفِّ طَلْعَةٍ ذَكَرٍ، تَحْتَ رَعُوفَةٍ فِي بِئْرِ ذَرْوَانَ)) قَالَتْ : فَأَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبِئْرَ حَتَّى اسْتَخْرَجَهُ، فَقَالَ: ((هَذِهِ الْبِئْرُ الَّتِي أُرِيتُهَا، وَكَأَنَّ مَاءَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ، وَكَأَنَّ نَخْلَهَا رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ)). قَالَ : فَاسْتُخْرِجَ، قَالَتْ : فَقُلْتُ: أَفَلَا ؟ أَيْ : تَنَشَّرْتَ ، فَقَالَ: ((أَمَا وَاللَّهِ فَقَدْ شَفَانِي، وَأَكْرَهُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ شَرًّا))

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تھا، جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے تھے کہ ازواجِ مطہرات کے پاس ہو آئے ہیں، لیکن ان کے پاس جاتے بھی نہ تھے۔ [سفیان رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب یہ حالت ہو تو جادو کا سخت اثر ہے۔] ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: اے عائشہ! کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں اپنے رب سے جو معلوم کرنا چاہتا تھا اللہ نے مجھے اس کی خبر دے دی ہے۔ میرے پاس دو شخص آئے، ان میں سے ایک میرے سرہانے بیٹھا اور ایک میرے پیر کی طرف بیٹھا، سرہانے والے نے دوسرے سے پوچھا: ان کو کیا ہو گیا ہے؟ دوسرے نے کہا: ان پر جادو کیا گیا ہے۔ پوچھا: کس نے جادو کیا ہے؟ کہا: لبید بن عاصم نے [جو یہود کے حلیف قبیلۂ بنو زُریق کا ایک منافق شخص تھا۔] پوچھا: کس چیز میں؟ کہا: سر کے بالوں اور کنگھی میں۔ پوچھا: کہاں رکھا ہے؟ کہا: نر کھجور کے درخت کی چھال

کے اندر پتھر کے چٹان تلے ذروان کے کنویں میں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں کے پاس تشریف لائے اور اس میں سے اسے نکلوایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی کنواں ہے۔ اس کا پانی ایسا تھا گویا مہندی کا گدلا پانی، اس کے پاس کے کھجوروں کے درخت شیطانوں کے سر جیسے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چیزیں نکلوائیں۔ کہتی ہیں کہ میں نے کہا: آپ نے اس کا اعلان کیوں نہیں کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دے دی ہے، اور میں لوگوں میں برائی پھیلانا پسند نہیں کرتا۔" [1]

جادو کا اثر عارضی اور محدود تھا

معلوم ہوا کہ جادو کا عارضی و محدود اثر یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال گزرتا تھا کہ آپ اپنی بیویوں کے پاس سے ہو آئے ہیں، حالاں کہ ایسا ہوتا نہیں تھا۔ یہی بات کچھ روایتوں میں اشارۃً بیان کی گئی ہے کہ آپ کو یہ خیال گزرتا تھا کہ کوئی کام کر لیا ہے، حالاں کہ اسے آپ نے کیا نہیں ہوتا۔ جادو کے اثر سے متعلق حدیثوں میں جو الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں:

((كَانَ يَرَى أَنَّهُ يَأْتِي النِّسَاءَ وَلَا يَأْتِيهِنَّ)) [حدیث مذکور]

((كَانَ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ صَنَعَ شَيْئًا وَلَمْ يَصْنَعْهُ)) [بخاری : ۳۲۶۸، ۳۱۷۵]

((يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَفْعَلُ الشَّيْءَ وَمَا فَعَلَهُ)) [بخاری:۳۷۶۳]

((يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَأْتِي أَهْلَهُ وَلَا يَأْتِي)) [بخاری:۶۰۶۳]

حدیث کے مذکورہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ناکردہ کاموں کے بارے میں یہ خیال گزرتا تھا کہ آپ نے وہ کام کر لیا ہے، حالاں کہ وہ کام آپ نے کیا نہ ہوتا تھا۔ اور بطور خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال گزرتا تھا کہ آپ اپنی بیویوں کے پاس

[1] صحیح بخاری: ۵۷۶۶، صحیح مسلم : ۲۱۸۹

سے ہو آئے ہیں، حالاں کہ ایسا ہوتا نہیں تھا۔ اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جادو کا اثر محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال و حافظے تک محدود تھا عقل و دماغ بالکل اس سے محفوظ تھے، ایسا نہیں ہوا کہ اس دوران کوئی غلط کام آپ سے سرزد ہوا۔ اور اس بھول کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ احکامِ الٰہی کی نشر و اشاعت میں بھول ہوئی، کیوں کہ جس چیز میں بھول ہوتی تھی حدیث کے الفاظ میں اس کی تعیین موجود ہے اور اس بھول کی نوعیت وہی ہے، جس طرح کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز وغیرہ سے متعلق جزوی طور پر بھول ہوئی تھی۔

حدیثِ سحر منصبِ نبوت کے مُنافی نہیں

جب یہ بات دلائلِ ساطعہ سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے اور بشری خواص ولوازمات آپ کو بھی لاحق ہوتی تھیں، تو اُسی طرح آپ پر جادو کا بھی اثر ہوا اور یہ اثر آپ کی ذات تک محدود تھا، فرائض اور منصبِ نبوت اس سے قطعاً متاثر نہیں ہوئی تھی۔ معاذ اللہ اگر ایسی بات ہوتی تو کفار و مشرکین اسی وقت آپ کے ہم نوا ہو گئے ہوتے، اور آپ کی تعلیمات میں ان کے عقائد و رسومات کی چھاپ نظر آتی، حالاں کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اور اگر جادو ہی کے ذریعہ آپ کو نبوت کے دعوے پر اُکسایا گیا ہوتا تو اتنی شد و مد کے ساتھ آپ کی مخالفت نہ کی جاتی۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "جادو ایک بیماری ہے اور اس کا تعلق ان بیماریوں سے ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبتلا ہونا قابلِ تعجب نہیں۔ جس طرح دوسری بیماریاں آپ کو لاحق ہوتی تھیں ویسے جادو بھی آپ پر اثر کرتا تھا، اس سے مرتبۂ نبوت میں کوئی نقص نہیں پیدا ہوتا۔ اور آپ کا یہ خیال گزرنا کہ آپ نے یہ کام کیا حالاں کہ آپ سے وہ عمل سرزد نہ ہوتا تھا، اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ آپ کی خبرِ نبوت کی

صداقت میں بھی کسی طرح کی آمیزش ممکن ہے۔ کیوں کہ اس کی صداقت پر واضح دلائل شاہد ہیں اور آپ کی عصمت پر اجماع امت موجود ہے۔ یہ صورتِ سحر تو آپ کے دنیاوی معاملات میں پیش آئی، جس کے لیے آپ کی بعثت نہ تھی اور نہ آپ کی برتری ان دنیاوی معاملات پر مبنی تھی۔ دنیاوی معاملات میں تو دوسرے انسانوں کی طرح آپ پر بھی اُفتاد آجاتی تھی۔ پھر اگر دنیاوی معاملات آپ کو ایسی صورت میں پیش کرنے کی جو حقیقت ہے اس کے برعکس آپ کا سوچنا اور خیال کرنا کچھ بعید نہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ہی آپ پر حقیقت آئینہ ہو جاتی تھی۔" [1]

اور اس احساس وخیال کا ادراک خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہوتا تھا اور آپ اس سے بخوبی واقف ہوتے تھے کہ یہ محض وہم ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اور بعض ازواج مطہرات بھی اس سے واقف تھیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وحی الٰہی کے سلسلے میں آپ کو اس طرح کی بھول ہوئی ہو یا عبادات کے سلسلے میں آپ کو ایسا خیال گزرا ہو کہ نہ کی ہوئی عبادت کے متعلق آپ نے سمجھ لیا ہو کہ اسے ادا کر لیا، غرض کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت اور نبوی زندگی اس سے قطعاً متاثر نہیں ہوئی تھی اور دعوت و تبلیغ کے کاز میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ اور منافقین اسے لے اڑتے۔ لہٰذا تاثیرِ سحر سے متعلق اپنی طرف سے کوئی بات گھڑنا اور اپنی اُس ظنی بات کو بنیاد بنا کر سحرِ نبوی والی روایتوں کو کسی دلیل و استناد کے بغیر انکار کرنا درست نہیں ہے اور نہ کوئی علمی طریقہ ہے۔ اور جب یہ بات خود احادیثِ سحر سے واضح ہے کہ جادو کے اثرات آپ کے جسم تک محدود تھے اور اس سے آپ کی روحانیت قطعاً متاثر نہیں ہوئی تھی تو پھر اپنی جانب سے اسے عصمتِ نبوت کے منافی قرار دینا، کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟ جب کہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر بھی جادو کا وقتی اور محدود اثر ہوا تھا، جیسا کہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں کئی مقامات پر اس کا

[1] طب نبوی ص:۱۹۶

تذکرہ ہوا ہے اور گذشتہ صفحات میں اس کا بیان بھی ہوا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تاثیرِ سحر سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”یہ بات یقینی طور پر ثابت ہے کہ یہ جادو شریعت کے احکام پر ہرگز اثر انداز نہیں ہوا۔ بلکہ یہ اثر محض آپ کی ذاتی حیثیت تک محدود رہا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس وقت تک آدھے سے زیادہ قرآن نازل ہو چکا تھا۔ عرب کے لوگ اس وقت دو متوازی فرقوں میں بٹ چکے تھے۔ جن میں ایک فرقہ یا تو مسلمان تھا یا مسلمانوں کا حلیف اور دوسرا فرقہ ان کے مخالف۔ اگر اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر شریعت میں اثر انداز ہوتا۔ یعنی کبھی آپ نماز ہی نہ پڑھاتے یا ایک کے بجائے دو پڑھا دیتے یا قرآن کی آیات خلط ملط کرتے یا غلط سلط پڑھتے یا کوئی اور کام، شریعت منزّل من اللہ کے خلاف سرزد ہوتا تو دوست و دشمن سب میں یعنی پورے عرب میں اس کی دھوم مچ جاتی۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ہمیں ایک بھی ایسی روایت نہیں ملتی جس میں یہ اشارہ تک بھی پایا جاتا ہو کہ اس اثر سے آپ کے شرعی اعمال وافعال میں کبھی حرج واقع ہوا ہو۔“ [1]

نیز مولانا مودودی رحمہ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے اثر سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ تمام اثرات آپ کی ذات تک محدود رہے، حتیٰ کہ دوسرے لوگوں کو یہ معلوم تک نہ ہو سکا کہ آپ پر کیا گزر رہی ہے۔ رہی آپ کے نبی ہونے کی حیثیت تو اُس میں آپ کے فرائض کے اندر کوئی خلل واقع نہ ہونے پایا۔ کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ اُس زمانے میں آپ قرآن کی کوئی آیت بھول گئے ہوں یا کوئی آیت آپ نے غلط پڑھ ڈالی ہو، یا اپنی صحبتوں میں اور اپنے وعظوں اور خطبوں میں آپ کی تعلیمات کے اندر کوئی فرق واقع ہو گیا ہو، یا کوئی ایسا کلام آپ نے وحی کی حیثیت سے پیش کر دیا ہو

[1] آئینہ پرویزیت ص:۷۲۷، تیسیر القرآن ۴/ ۷۱۵

جو فی الواقع آپ پر نازل نہ ہوا ہو، یا نماز آپ سے چھوٹ گئی ہو اور اس کے متعلق بھی کبھی آپ نے سمجھ لیا ہو کہ پڑھ لی ہے، مگر نہ پڑھی ہو۔ ایسی کوئی بات معاذ اللہ پیش آجاتی تو دھوم مچ جاتی، اور پورا ملک عرب اس سے واقف ہو جاتا کہ جس نبی کو کوئی طاقت چت نہ کر سکی تھی اسے ایک جادوگر کے جادو نے چت کر دیا۔ لیکن آپ کی حیثیتِ نبوت اس سے بالکل غیر متاثر رہی اور صرف اپنی ذاتی زندگی میں آپ اپنی جگہ اِسے محسوس کر کے پریشان ہوتے رہے۔"[1]

جادو کا اثر دنیاوی امور تک محدود تھا

بعض لوگوں نے یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی لاحاصل گفتگو کی ہے کہ جادو کے اثر کو دنیاوی معاملات تک محدود ماننے کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے کوئی بھی شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ: جس طرح جادو سے متاثر ہونے کی وجہ سے دنیاوی معاملات میں آپ سے بھول ہوتی تھی، ویسے ہی دینی معاملات میں بھی آپ سے بھول ہونے کا امکان ہے۔ جب کہ یہ حقیقتِ واقعہ کے برخلاف صرف ذہنی اختراع ہے، کیوں کہ نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی عصمت اور دین کی حفاظت پر مسلمانوں کا اجماع قائم ہو چکا ہے۔ اس طرح کا اعتراض تو عام حالات میں ہونے والی بھول چوک کو بھی بنیاد بنا کر کیا جا سکتا ہے۔ اسی نکتے پر بحث کرتے ہوئے مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"یاد رکھیے! سہو و نسیان، مرض اور غشی وغیرہ عوارضِ خواصِ بشریت سے ہیں۔ اگر انبیا بشر ہیں، تو ان خواص کا پایا جانا ان کے رتبہ کو کم نہیں کرتا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جب ایک شخص کی نسبت دلائلِ قطعیہ اور براہینِ نیّرہ سے ثابت ہو جائے کہ وہ یقیناً اللہ کا سچا رسول ہے، تو ماننا پڑے گا کہ اللہ نے اس کی عصمت کا تکفل کیا ہے اور وہی اس کو اپنی وحی کے یاد کرانے سمجھانے اور پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ ناممکن ہے کہ

[1] تفہیم القرآن ۶/ ۵۵۴-۵۵۵

اس کے فرائضِ دعوت و تبلیغ کی انجام دہی میں کوئی طاقت خلل ڈال سکے۔ نفس ہو، یا شیطان، مرض ہو، یا جادو، کوئی چیز ان امور میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی، جو مقصد بعثت کے متعلق ہیں۔" [1]

محدث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شارحینِ حدیث رحمہم اللہ نے اگر یہ بات کہی ہے کہ جادو کے اثر سے دنیاوی معاملات میں ہی بھول ہوتی تھی اس کا تعلق وحی یا تبلیغِ دین سے قطعاً نہیں تھا، تو یہ اس لیے کہ دین کی حفاظت کی ذمہ داری تو خود اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے لی ہے اور واشگاف الفاظ میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر:۹] کہ ذکر کو ہم نے نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ قابلِ غور یہ بات ہے کہ آپ تبلیغِ دین میں محفوظ و معصوم تھے یا نہیں؟ اگر معصوم نہیں تو پھر جادو ہونے یا نہ ہونے میں فرق کیا رہا؟ جب آپ معاذ اللہ تبلیغِ دین میں معصوم و محفوظ نہیں، بھول چوک سہو و خطا کا امکان جادو کے بغیر بھی موجود ہے تو اندریں صورت غیر مسلم یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ آپ نے بہت سی چیزیں خلاف منشائے الٰہی سر انجام دی ہوں گی اور جو وحی نازل ہوئی اس میں آپ کو مغالطہ بھی ہوا ہوگا۔ جب عام حالات میں خطا و نسیان کا احتمال ہے تو جادو ہو جانے سے فرق کیا پیدا ہوا؟ اور اگر آپ کا تبلیغِ دین میں معصوم ہونا ناگزیر ہے تو یہی دلیل جادو کی صورت میں بھی دینی امور میں بھول چوک سے مانع ہے۔ بلکہ قرآن کریم ہی سے معلوم ہوتا ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نبی سے بھول ہو سکتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ: ﴿قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا﴾ [الکھف: ۷۳] انھوں نے کہا میری بھول پر میرا مواخذہ نہ کیجیے اور میرے ساتھ اس کام میں سختی نہ کیجیے۔

[1] قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر عثمانی ص:۸۰۹

نیز فرمایا: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا﴾ [الکھف: ٦١] کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کا ساتھی دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو وہ اپنی مچھلی بھول گئے۔ بلکہ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا: ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰٓ ۞ إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُ﴾ [الأعلیٰ:٦،٧] ہم تمھیں پڑھائیں گے پھر تم نہ بھولو گے، مگر وہ جو اللہ چاہے۔ احادیث میں بھی آپ کی بھول کا ذکر موجود ہے۔ نماز میں بھی کئی بار آپ سے بھول ہوئی اور آپ نے فرمایا: ((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ، فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي)) بلاشبہ میں بشر ہی تو ہوں تمھاری طرح، میں بھی بھول جاتا ہوں، جیسے تم بھول جاتے ہو۔ جب جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد کرادو۔ [بخاری وغیرہ] تو جب یہ بھول چوک آپ سے ثابت ہے تو جو اعتراض جادو کے متعلق ہے وہ بھول چوک کے بارے میں بھی اسی طرح ہے۔ کوئی غیر مسلم کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ آپ کسی وحی کے حکم کو بھی بھول گئے ہوں یا دین کی کچھ باتیں بھول کر آپ نے بیان نہ کی ہوں۔ اس لیے جو جواب بھول کے بارے میں ہوگا، وہی جواب جادو کے متعلق بھی ہوگا۔ [1]

حدیثِ سحر قرآن کے مخالف نہیں

پہلی بات تو یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ کوئی بھی صحیح حدیث قرآن کریم کے مخالف ہو ہی نہیں سکتی ہے، کیوں کہ نبی اللہ کے احکام کے تابع اور قولاً و عملاً اس کے مفسر ہوتے ہیں۔ یہی شریعت کا تقاضا ہے اور علمائے محققین و محدثینِ کرام کا یہی متفقہ فیصلہ بھی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انسانی ذہن کی کجی اور ہماری اپنی کوتاہ فہمی دونوں کے درمیان تطابق نہ پیدا کر سکے۔ اس سلسلے میں علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں بڑی عمدہ و نفیس گفتگو کی ہے۔ آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

[1] احادیث صحیح بخاری و مسلم میں پرویزی تشکیک کا علمی جائزہ ص: ۱۱٦،۱۱۵

"سنت و حدیث قرآن کریم کے ساتھ تین طریق پر ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہر طرح قرآن کے موافق و مطابق ہو، اس میں تو کوئی بات ہی نہیں، جو بیان اس میں تھا وہی اس میں ہے، بیان اور پختگی زیادہ ہو گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ حدیث بطور تفسیر اور بیان کے ہو، قرآن میں جو ہے، اس کی مراد اور تفسیر حدیث نے بیان کی ہے۔ تیسرے یہ کہ حدیث کسی اس حکم کو واجب کرتی ہو، جس کے وجوب کے بیان سے قرآن ساقط ہو، یا کسی چیز کو حرام کرتی ہو، جس کی حرمت کا بیان قرآن میں نہیں۔ اب جاؤ اور تلاش کرو دنیا بھر میں ان قسموں کے سوا اور قسم تم قائم نہیں کر سکتے، اور ایک جاہل بھی جانتا ہے کہ ان تینوں میں سے کوئی صورت بھی تعارض اور اختلاف کی نہیں۔ پس کسی صورت سے بھی حدیث و قرآن میں تعارض ہے ہی نہیں۔ جو چیز حدیث میں قرآن سے زیادہ ہے، نہ اس سے قرآن پر زیادتی لازم آتی ہے، نہ قرآن کا نسخ لازم آتا ہے، بلکہ وہ بالکل ایک نیا حکم ہے اور اس حکم کے دینے والے اللہ کے امین رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو اسی کے لیے رسول بنائے گئے تھے۔ جن کی زبان پر شریعتِ الٰہی وحیِ معبود بولتی تھی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو یہ درجہ نہیں تو کوئی ہمیں سمجھائے کہ پھر منصبِ نبوت کیا ہوا؟ پیغمبر کی مستقل اطاعت کے حکم کا مطلب ہی کیا رہا؟ اس میں کتاب اللہ پر تقدیم بھی لازم نہیں آتی، بلکہ یہ دراصل قرآن کے احکام پر عمل ہے۔ اللہ ہی نے ہمیں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابع داری کا حکم دیا ہے، اگر اس طرح کے باطل توہمات پھیلا کر ایسی حدیثوں کو ہم رد کر دیں تو پھر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا چیز باقی رہ گئی؟ اگر حدیث کے ماننے کے لیے قرآن کے لفظوں کی مطابقت شرط ہے تو یہی کیوں نہیں کہہ دیتے: اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم حرام محض ہے۔" [1]

[1] إعلام الموقعین عن رب العالمین مترجم ۱/ ۵۴۱

کفارِ مکہ بطور استہزاء نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر، پاگل اور دیوانہ کہنے کے ساتھ ساتھ مسحور بھی کہتے تھے اور کفار و مشرکین اس طرح کا الزام وحی و رسالت اور تشریعی امور سے متعلق لگاتے تھے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا﴾ ترجمہ: ”جب کہ ظالم کہتے ہیں کہ تم ایک جادوزدہ آدمی کی پیروی کرتے ہو۔“ [بنی اسرائیل: ۴۷]

﴿وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا﴾ ترجمہ: ”اور ظالم کہتے ہیں کہ تم ایک سحر زدہ آدمی کی پیروی کرتے ہو۔“ [الفرقان: ۸]

منکرینِ حدیث نے سحر نبوی والی روایت کو بے جا طور پر قرآن کریم کی مذکورہ آیتِ کریمہ کے خلاف قرار دینے کی ناروا کوشش کی ہے۔ جب کہ دنیا کا کوئی بھی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ”مسحور“ نہیں کہتا، بلکہ کفارِ مکہ آپ کو بطور طنز و استہزاء مسحور کہتے تھے اور دیگر انبیائے کرام کے ماننے والے بھی اپنے اپنے نبی کو مسحور قرار دیتے تھے اور ان سبھوں کے کہنے کا مقصود یہی ہوتا تھا کہ وہ انھیں مجنون اور مفتور العقل قرار دیتے ہوئے اللہ کے لائے ہوئے پیغام اور وحی و رسالت کو ان کا جوشِ جنون قرار دیتے تھے۔ قرآن کریم میں ان کے اسی بات کی نفی کی گئی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو جادو کیا گیا تھا وہ ایک الگ چیز تھی، اس جادو کی نوعیت ایسی نہیں تھی کہ آپ ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خیال گزرتا تھا، آپ اس کا بخوبی ادراک بھی رکھتے تھے۔ پورے قرآن کریم میں کہیں یہ بات نہیں کہی گئی ہے کہ دنیاوی امور میں نبی کی ذات جادو سے متاثر نہیں ہوسکتی ہے، بلکہ اس کے برخلاف سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے متعلق قرآنی بیانات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نبی کی ذات بھی وقتی طور پر جادو سے متاثر ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿قَالَ بَلْ أَلْقُوا ۖ فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ﴿٦٦﴾ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَىٰ ﴿٦٨﴾﴾ ترجمہ: ”(موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: نہیں بلکہ تمھیں لوگ پھینکو، پھر یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ایسی آنے لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں، پس موسیٰ اپنے دل میں ڈر گئے، ہم نے کہا: مت ڈرو، بے شک تم ہی غالب ہوگے۔“ [طٰہٰ: ٦٦ تا ٦٨]

معلوم ہوا کہ وقتی طور پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر جادو کا اثر ہوا تھا، جس کی وجہ سے وہ ڈر گئے تھے۔ اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرعون کا یہ قول نقل کیا ہے:

﴿إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا﴾ ترجمہ: ”اے موسیٰ! بے شک میں سمجھتا ہوں کہ تو ضرور سحر زدہ ہے۔“ [الإسراء: ١٠١]

تو کیا ہم اِس آیت کریمہ کو بنیاد بنا کر اُن تمام آیات کریمہ کا انکار کر دیں گے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر جادو کا محدود و وقتی اثر ہوا؟ یا پھر اِس کی بنا پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو مسحور قرار دیں گے؟ یا پھر ہم یہ بات تسلیم کر لیں گے کہ قرآن کریم کی دونوں طرح کی آیات میں کوئی تصادم و ٹکراؤ نہیں ہے؟ اگر ان میں ٹکراؤ نہیں ہے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو والی روایات اور مذکورہ بالا قرآنی آیات کے مابین بھی کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں محدثِ دوراں حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ صحیح بخاری کی حدیثِ سحر پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جادو والی حدیث کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) رجل مسحور تھے، لہٰذا یہ حدیث ﴿إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا﴾ کے خلاف

نہیں ہے۔ آدمی کی صحت پر جادو کا بعض اور عارضی اثر ہو جانا اس کی دلیل نہیں کہ اب وہ آدمی مسحور بن چکا ہے۔ جس طرح کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر جادوگروں کا بعض اثر ہوا تھا، جس کی وجہ سے آپ خوف میں مبتلا ہو گئے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ رسیاں اور لاٹھیاں (سانپ بن کر) دوڑ رہی ہیں۔ اس عارضی اثر کے باوجود سیدنا موسیٰ علیہ السلام مسحور قطعاً نہیں تھے، اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی جادو کے بعض اور عارضی اثر کے باوجود قطعاً مسحور نہیں تھے۔ یہ صحیح ہے کہ ساحر آخر کار کامیاب نہیں ہوتا، لیکن دنیا میں اس کے سحر کا بعض اثر ہو سکتا ہے، جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سمجھتے تھے کہ رسیاں دوڑ رہی ہیں۔

بعض نبیوں کو شہید کیا گیا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ انبیاء کو قتل کرنے والے شیاطین اور کفار تھے۔ شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے پہرہ ہوتا تھا، جیسا کہ صحیح بخاری (۲۸۸۵) وغیرہ سے ثابت ہے۔ بعد میں جب آیت: ﴿**وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ**﴾ [المائدۃ: ٦٧] نازل ہوئی تو پہرہ ختم کر دیا گیا۔ [1]

معلوم ہوا کہ آیتِ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اب کوئی شخص قتل نہیں کر سکے گا اور آپ کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ پر ہے اور اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرین کا مسلمان ہو جانا اس کی دلیل نہیں کہ آپ پر جادو کا بعض اور وقتی محدود اثر بھی نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا منکرینِ حدیث کا استدلال باطل ہے۔" [2]

اسی طرح جادو والی روایت پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

....

[1] دیکھیے: سنن الترمذی (۳۰۴۶) وسندہ حسن وصححہ الحاکم (۲/۳۱۳) ووافقہ الذہبی۔ (زئی) [2] صحیح بخاری کا دفاع ص: ۷۱ - ۷۲

"کفار جو انبیاء کو مسحور کہتے تھے، چوں کہ ان کا مطلب نبوت کا ابطال اور یہ ظاہر کرنا تھا کہ جادو کے اثر سے ان کی عقل ٹھکانے نہیں رہی، گویا مسحور کے معنی "مجنون" کے لیتے تھے اور وحیِ الٰہی کو جوشِ جنون قرار دیتے تھے۔ (العیاذ باللہ) اس لیے قرآن میں ان کی تکذیب وتردید ضروری ہوئی۔ یہ دعویٰ کہیں نہیں کیا گیا کہ انبیاء (علیہم السلام) لوازمِ بشریت سے مستثنٰی ہیں۔ اور کسی وقت ایک آن کے لیے کسی نبی پر سحر کا معمولی اثر، جو فرائضِ بعثت میں اصلاً خلل انداز نہ ہو، نہیں ہو سکتا۔" [1]

اور مولانا عبد الرحمن کیلانی رحمہ اللہ اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کفار کا یہ الزام ہوتا تھا کہ نبی نے اپنی نبوت کے دعویٰ کا آغاز ہی جادو کے اثر کے تحت کیا ہے۔ اور جو کچھ یہ قیامت، آخرت، حشر و نشر اور جنت و دوزخ کے افسانے سناتا ہے۔ یہ سب کچھ جادو کا اثر یا پاگل پن کی باتیں ہیں۔ گویا وہ نبوت اور شریعت کی تمام تر عمارت کی بنیاد جادو قرار دیتے تھے، لیکن یہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بیس سال بعد پیش آتا ہے جب کہ آدھا عرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور احکامِ شریعت کے منزّل من اللہ ہونے پر ایمان رکھتا تھا۔ پھر یہ واقعہ احکامِ شریعت پر چنداں اثر انداز بھی نہیں ہوا البتہ اس واقعہ سے اس کے برعکس یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ آپ ہرگز جادوگر نہ تھے، کیوں کہ جادوگر پر جادو کا اثر نہیں ہوتا۔" [2]

انکارِ حدیث کے لیے ثابت شدہ خبر واحد کو رد کرنے کا شاخسانہ

اکثر و بیش تر منکرینِ حدیث کی یہ عادت ہے کہ وہ من مانی طور پر جس حدیث کو انکار کرنا چاہتے ہیں اس کے بارے میں یہ راگ الاپنے لگتے ہیں کہ یہ خبر واحد ہے، اس لیے

[1] قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر عثمانی ص:۸۰۹

[2] تیسیر القرآن جلد چہارم ص: ۷۱۶، آئینہ پرویزیت ص:۷۲۷و۷۲۸

اس سے استدلال درست نہیں ہے، خواہ وہ روایت معیارِ صحت کے اعلیٰ درجے ہی پر کیوں نہ ہو۔ حالاں کہ یہ نظریہ غلط اور سراسر گمراہی کا باعث ہے، اور یہ اسلام میں دخیل غیر اسلامی نظریہ ہے، سلفِ صالحین محدثین اور علمائے اہلِ سنت میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کے بیش تر مسائل واحکام اور بہت سے عقائد کی بنیاد صحیح اخبار آحاد ہی پر ہے۔ محدثین رحمہم اللہ اسی بات کے قائل ہیں کہ صحیح اخبارِ آحاد حجت ہیں اور عقائد میں بھی ان سے استدلال کرنا واجب ہے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کی جانے والی احادیث کا یہ کہہ کر انکار کرنا کہ یہ متواتر نہیں ہیں، بلکہ اخبار آحاد میں سے ہیں، درست موقف نہیں ہے۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونا یا نہ ہونا کوئی اعتقادی مسئلہ بھی نہیں ہے یہ محض ایک عارضی اور وقتی بیماری ہے، جو دیگر عوارض کی طرح آپ کو لاحق ہوئی اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے شفایاب ہو گئے اور دشمنوں کو منھ کی کھانی پڑی اور دنیا کے سامنے یہ بات واضح ہو گئی کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساحر نہیں ہیں، کیوں کہ اگر جادوگر ہوتے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر بھی نہیں ہوتا۔ اللہ ہمیں کتاب وسنت کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ آمین

خاتمہ

گذشتہ صفحات میں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی دونوں سورتوں کے مرکزی مضمون تعوُّذ و استعاذہ پر حسبِ توفیق قدرے تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اور اسی کے ضمن میں جادو، حسد اور وسوسہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور آخر میں معوذتین کی قرآنیت نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیے جانے والے جادو سے متعلق غلط فہمیوں کو بھی حسبِ مقدور دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دراصل کلام اللہ فضائل و برکات اور علوم و معارف کا دفتر ہے۔ گنجینہ معانی کے اس بحرِ ناپیدا کنار میں جس قدر غوطہ زنی کی جائے اور اس کے الفاظ و معانی پر جس قدر غور و تدبر کیا جائے کم ہے، جتنا اور جس قدر اسے پڑھا جائے اتنی لذت و حلاوت ملتی ہے اور دل کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ ہر دور اور ہر زمانے میں علمائے امت اس سلسلے میں اپنی خدمات پیش کرکے بارگاہِ رب العزت میں سرخرو ہوتے رہے ہیں اور تاقیامت ہوتے رہیں گے اِن شاء اللہ۔ یہ ادنیٰ سی کاوش بھی اسی اہم جذبے کے ایک سنہری کڑی ہے۔ اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ اے اللہ! اس معمولی کوشش کو قبول فرمالے، مجھے اور تمام مسلمانوں کو اپنی کتاب کا حقیقی فہم عطا فرما کر دینِ حنیف کا سچا پیروکار بنا اور ہماری شمولیت اپنے نیک و صالح بندوں میں فرمالے، اے اللہ! ہمیں ہمارے والدین، اساتذہ کرام اور ہماری اولاد کو جنت الفردوس عطا فرما! أللهم أرنا الحق حقاً و ارزقنا إتباعه وأرنا الباطل باطلاً و ارزقنا إجتنابه. آمین تقبل یا رب العالمین! إنه ولي التوفيق. والحمد لله رب العالمين و صلى الله على نبينا محمد و على آله و صحبه أجمعين

ابو عفاف جمشید عالم عبد السلام سلفیؔ

abuafaf9@gmail.com

۲۰۱۹/۰۱/۰۵ء

فہرست مآخذ و مراجع

قرآن کریم

اسمائے کتب	مؤلفین / مترجمین	ناشر / مطبع
الإتقان فی علوم القرآن	حافظ جلال الدین سیوطی	موسسۃ الرسالۃ ناشرون دمشق سوریا ۲۰۰۸ء
احادیث صحیح بخاری و مسلم میں پرویزی تشکیک کا علمی جائزہ	ارشاد الحق اثری	ادارۃ العلوم الاثریہ پاکستان ۲۰۰۷ء
اعلام الموقعین عن رب العالمین	حافظ ابن القیم / محمد جوناگڑھی	مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن ۲۰۰۱ء
اغاثۃ اللھفان فی مصائد الشیطان	ابن قیم الجوزیہ / محمد اسلم شاہدروی	مکتبہ اسلامیہ لاہور ۲۰۱۷ء
انوار الصحیفۃ فی الاحادیث الضعیفۃ	حافظ زبیر علی زئی	مکتبۃ الحدیث حضرو ۲۰۱۳ء
آداب الزفاف فی السنۃ المطہرۃ	محمد ناصر الدین الالبانی	دارالسلام ریاض ۲۰۰۲ء
آئینۂ پرویزیت	عبد الرحمٰن کیلانی	مکتبۃ السلام پاکستان ۲۰۰۴ء
البحر الزخار (المسند البزار)	ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار	مکتبہ العلوم والحکم مدینہ ۱۹۹۳ء
پیزادہ محدثین کی عدالت میں	محمد مقیم فیضی	دار الآثار السلفیہ ۱۹۹۹ء
تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات	حافظ زبیر علی زئی	الکتاب انٹرنیشنل دہلی ۲۰۱۴ء
تراجع العلامہ الالبانی	جمع واعداد: ابو الحسن محمد حسن الشیخ	مکتبۃ المعارف الریاض ۲۰۰۲ء
تذکرۃ الموضوعات	محمد طاہر پٹنی	ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۴۳ھ
تفسیر ابن کثیر	حافظ ابن کثیر / محمد جوناگڑھی	مکتبہ اسلامیہ لاہور ۲۰۰۹ء
تفسیر سعدی	عبد الرحمٰن بن ناصر السعدی / طیب شاہین	دارالسلام ریاض ۲۰۰۳ء
تفسیر الطبری	ابو جعفر محمد بن جریر الطبری	مرکز البحوث الاسلامیہ قاہرہ ۲۰۰۱ء
تفسیر القرآن العظیم	حافظ ابن کثیر	دار طیبۃ للنشر الریاض ۱۹۹۹ء
تفسیر القرآن الکریم	حافظ عبد السلام بن محمد بھٹوی	دارالاندلس پاکستان ۲۰۱۴ء
تفسیر معوذتین	ابن تیمیہ وابن قیم / عبد الرحیم پشاوری	دار الکتب السلفیہ لاہور ۲۰۱۱ء
تفہیم القرآن	ابو الاعلیٰ مودودی	مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی
تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن	دکتور محمد لقمان السلفی	امام ابن تیمیہ پبلیکیشنز ہند ۲۰۰۱ء

تیسیر القرآن	عبد الرحمان کیلانی	مکتبہ السلام پاکستان ۱۴۳۲ھ
الجامع لأحکام القرآن	ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی	موسسۃ الرسالہ بیروت ۲۰۰۶ء
جادو اور آسیب کا کامیاب علاج	ابو منذر خلیل ابراہیم / ابو المکرم و محمد اقبال	دار السلام ریاض ۲۰۰۷ء
جادو کی حقیقت	غازی عزیر	ادارہ توحید علی گڑھ ۲۰۰۳ء
جادو کی حقیقت	مسفر بن عبد اللہ الدمینی / عبد الرحمان ضِیا	مکتبہ دار الحدیث پاکستان
جادو کا علاج	وحید بن عبد السلام بالی / حافظ محمد اسحاق زاہد	دار الداعی ریاض ۲۰۰۵ء
جامع الکتب التسعۃ (ایپ)	شرکۃ الدار العربیہ	الدار العربیہ لتقنیۃ المعلومات
جناتی اور شیطانی چالوں کا توڑ	عبد اللہ الطیار و سامی مبارک / محمد عباس گوندلوی	دار الابلاغ لاہور ۲۰۰۵ء
دلیل الطالبین ترجمہ و فوائد ریاض الصالحین	حافظ صلاح الدین یوسف	المرکز الاسلامی سدھار تھ نگر ۲۰۰۶ء
زاد المعاد فی ھدی خیر العباد	حافظ ابن قیم الجوزیہ	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۹۸ء
زاد المسیر فی علم التفسیر	ابو الفرج جمال الدین عبد الرحمان الجوزی	المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۲۳ھ
السراج المنیر فی ترتیب احادیث صحیح الجامع الصغیر	ترتیب: عصام موسیٰ ھادی	دار الصدیق الجبیل ۲۰۰۹ء
سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ	علامہ ناصر الدین الالبانی	مکتبۃ المعارف الریاض ۱۹۹۵ء
سلسلہ احادیث صحیحہ للالبانی	ترجمہ ترتیب شرح: ابو میمون محمد محفوظ اعوان	انصار السنہ پبلی کیشنز لاہور
سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ	علامہ ناصر الدین الالبانی	دار المعارف الریاض ۱۹۹۲ء
سنن ابو داؤد مع ترجمہ و فوائد	ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی / ابو عمار عمر فاروق سعیدی	دار الکتب الاسلامیہ دہلی ۲۰۰۸ء
سنن ابن ماجہ مع ترجمہ و فوائد	ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی	دار السلام ریاض ۱۴۲۸ھ
صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان	محمد بن حبان / شعیب الارنؤوط	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۹۳ء
صحیح البخاری مع ترجمہ و تشریح	محمد بن اسماعیل البخاری / محمد داؤد راز	دار العلم ممبئی ۲۰۱۲ء
صحیح بخاری کا دفاع	حافظ زبیر علی زئی	مکتبہ الفہیم مئو ۲۰۱۳ء
صحیح مسلم مع شرح المنہاج للنووی	مسلم بن حجاج نیساپوری / محی الدین یحیٰ بن شرف النووی	بیت الافکار الدولیہ
طب نبوی	حافظ ابن القیم / عزیز الرحمٰن اعظمی	مکتبہ اسلامیہ لاہور ۲۰۱۷ء
عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث	ابو عثمان اسماعیل بن عبد الرحمٰن الصابونی	دار العاصمہ الریاض ۱۹۹۸ء
غایۃ المرید فی شرح کتاب التوحید	صالح بن عبد العزیز	دار السلام ریاض ۱۴۲۴ھ

فتح الباری بتحقیق محمد فواد عبد الباقی	حافظ ابن حجر عسقلانی	المکتبۃ السلفیہ
فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری	مرتب: فواز عبد العزیز	دار الابلاغ پاکستان ۲۰۱۴ء
فتاویٰ علمیہ	حافظ زبیر علی زئی	مکتبہ الفہیم مئو ۲۰۱۲ء
فتاویٰ اللجنۃ الدائمہ	جمع وترتیب: احمد بن عبد الرزاق الدویش	رئاسۃ ادارۃ البحوث العلمیہ والافتاء
فتح المجید شرح کتاب التوحید	عبد الرحمٰن بن حسن آل الشیخ	مکتبۃ الریاض الحدیثۃ
فقہ العبادات	محمد بن صالح العثیمین	مدار الوطن للنشر الریاض ۱۴۲۵ھ
قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر	حافظ صلاح الدین یوسف	شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس ۱۴۱۷ھ
قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر	مولانا شبیر احمد عثمانی	شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس ۱۴۱۳ھ
القاموس الوحید	وحید الزماں کیرانوی	ادارۃ الاسلامیہ لاہور ۲۰۰۱ء
الکافی بتحقیق ابن عبد المحسن الترکی	ابن قدامہ المقدسی	مرکز البحوث والدراسات العربیہ والاسلامیہ ۱۹۹۷ء
الکلم الطیب مع تحقیق الالبانی	شیخ الاسلام ابن تیمیہ	مکتبۃ المعارف الریاض ۲۰۰۱ء
مجموعہ رسائل عقیدہ قنوجی	تسہیل و تخریج: عبد اللہ سلیم و شاہد محمود	دار ابی الطیب گوجرانوالہ ۲۰۱۳ء
مجمع الزوائد	حافظ نور الدین علی بن ابو بکر ھیثمی	دار الکتاب العربی لبنان
مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعہ لابن باز	جمع وترتیب: محمد بن سعد الشویعر	اعداد و تنسیق: موقع ابن باز
مسند احمد بتحقیق شعیب ارنؤوط وغیرہ	ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی	مؤسسۃ الرسالۃ ۱۹۹۷ء
المصنف بتحقیق محمد عوامہ	ابن ابی شیبہ	دار قرطبہ بیروت لبنان ۲۰۰۶ء
مرعاۃ المفاتیح	عبید اللہ رحمانی مبارکپوری	ادارۃ البحوث الاسلامیہ بنارس ۱۹۸۵ء
الموضوعات	رضی الدین حسن بن محمد الصغانی	دار المامون للتراث ۱۴۰۵ھ
الموضوعات	جمال الدین عبد الرحمٰن بن علی الجوزی	المکتبۃ السلفیہ مدینہ منورہ ۱۹۶۸ء
المحلیٰ بالآثار	حافظ ابو محمد ابن حزم الاندلسی	دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۳ء
مشکوٰۃ المصابیح بتحقیق الزئی مع ترجمہ	خطیب تبریزی / ابو انس محمد سرور	مکتبہ اسلامیہ پاکستان ۲۰۱۳ء
مفردات القرآن	راغب اصفہانی / محمد عبدہ	اسلامی اکیڈمی لاہور
مناہل العرفان	محمد عبد العظیم الزرقانی	مطبعہ عیسی البابی الحلبی وشرکاہ
المؤطا امام مالک بن انس	روایۃ یحیٰ بن یحیٰ اللیثی الاندلسی	دار العرب الاسلامی بیروت ۱۹۹۷ء
۴۵۰ سوال وجواب برائے صحت وعلاج	ابن باز، عثیمین، فوازان / عبد اللہ سلیم	مکتبہ بیت السلام ریاض ۲۰۱۴ء

❀❀❀

معوذتین کے مضامین واہداف اور غلط فہمیوں کا ازالہ

تالیف: جمشید عالم عبدالسلام سلفی

قرآن کریم کی آخری دو سورتوں: سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کا مشترکہ نام معوذتین ہے، یعنی استعاذہ و پناہ طلب کی جانے والی دو سورتیں۔ چوں کہ یہ دونوں سورتیں مکمل طور پر جملہ شرور سے پناہ طلب کرنے پر مشتمل ہیں اور یہ خصوصیت کسی اور سورت کو حاصل نہیں ہے نیز یہ دونوں سورتیں پناہ طلب کرنے کی غرض سے بیک وقت نازل بھی کی گئی تھیں اور دونوں سورتوں کا مضمون بھی ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے، اس لیے انھیں معوّذتین کا نام دیا جاتا ہے، اگرچہ یہ دونوں سورتیں الگ الگ ہیں اور مصحف میں علاحدہ علاحدہ ناموں کے ساتھ مرقوم بھی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب کے اندر انھی دونوں سورتوں کو موضوعِ بحث بنا کر تین ابواب کے اندر اس حیثیت سے باتیں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہیں کہ پہلے باب میں اجمالی طور پر معوذتین کا تعارف اور اس کی وضاحت وتشریح پیش کی گئی ہے، دوسرے باب میں معوذتین کے اندر بیان کردہ مضامین پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اور تیسرے باب میں معوذتین سے متعلق پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے لیے خالص بنائے، اس کے نفع کو عام کرے اور شرفِ قبولیت بخش کر صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین!

Published By:

Maktaba Al-Salam

Antari Bazar, Shohratgarh, Siddharth Nagar, (U.P.) India 272205

Mob. 9628953010 Email : maktabatussalam1@gmail.com